

لقد كان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

تخریج شدہ ایڈیشن

محسنِ انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی حامل ایک جامع کتاب



سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ اسلامیہ

تخریج شدہ ایڈیشن

حصہ دوم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محسنِ انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی حامل ایک جامع کتاب

اس حصے میں ۹ ہجری سے ۱۱ ہجری تک کے حالات و واقعات اور کیفیات منقول ہیں۔ مثلاً شمائل و خصائل، معمولات و عادات، حسن اخلاق، حجۃ الوداع، تکمیل دین، اولاد و ازواج مطہرات کا بیان اور آپ ﷺ کی وفات کا تذکرہ ہے۔



تالیف

علامہ شبلی نعمانی

علامہ سید سلیمان ندوی



مکتبہ اسلامیہ

کتاب ---------------- سیرۃ النبی ﷺ

تالیف ---------- علامہ شبلی نعمانی ، علامہ سید سلیمان ندوی

ناشر ---------------------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------------- اکتوبر 2012ء

قیمت --------------------

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 37244973-042 فیکس: 37232369-042

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2631204, 2034256-041

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سیرت نبوی ﷺ مجلد دوم

سیرت نبوی ﷺ مجلد اول ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) میں شائع ہوئی۔اب مجلد دوم ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) کے اوسط میں شائع ہوتی ہے۔شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں، لیکن شاید اُن مشکلات کا اُن کو علم نہیں جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ میں پیدا کر دی ہیں، گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاً خاتمہ ہو گیا، لیکن بایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح کا آغاز نہیں ہوا اور اس خاتمہ جنگ سے زندگی کی مشکلات میں ذرا کمی نہیں ہوئی۔جلد اول کے تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع معارف میں چھپے گی لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی۔بڑی تلاش و جستجو سے مشین ہاتھ میں آئی تو کاغذ کا قحط نظر آیا۔جلد اول میں جن اصناف کے کاغذ لگ چکے تھے ان کا ملنا دشوار ہو گیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ رم بھی بیک وقت نہ مل سکے۔یہ دقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائیٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی، لکھنؤ سے لے کر کلکتہ اور بمبئی تک کے کارخانے چھان مارے گئے، مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا، آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنا یہ جلد اختتام کو پہنچی۔والحمدُ للہ علی ذلك۔

پہلی جلد نبوت کے پُر آشوب عہدِ غزوات پر مشتمل تھی اور دوسری جلد نبوت کی سہ سالہ امن کی زندگی کی تاریخ ہے۔نبوت کی بست و سہ سالہ زندگی میں پہلی جلد بیس سال کے کارناموں کا مجموعہ تھی اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے اور اس کے بعد اخلاق و شمائل شریفہ اور ازواجِ مطہرات و اولادِ کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی، لیکن مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی، آخر کار مدت کے حیص بیص کے بعد میں نے طے کر لیا کہ اُن کو لکھنا ہی چاہیے، چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی، جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی۔اس کا عنوان ''یادداشت اخیر'' تھا، اس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی، جب میں نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو میں ضروری سمجھتا تھا، مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا، جس کو فرشتۂ غیب نے اُن کے دست قلم سے میری تسلی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا۔

ع حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہیں پہنچایا تھا، بہت سے عنوانات سادہ تھے، بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آیندہ اضافہ کے لیے ناتمام بصورت بیاض چھوڑ دیا تھا، جامع نے ان کو لکھ کر بطور تکملہ کتاب میں شامل کر دیا، بہت سے ضروری حواشی بھی جا بہ جا بڑھائے گئے ہیں، چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے، اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلالین کے اندر کر دی گئی ہیں، تا کہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔

جامع
سید سلیمان ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی امن کی زندگی

۹ھ، ۱۰ھ اور ۱۱ھ

قیامِ امن، اشاعتِ اسلام، تاسیسِ خلافت، تکمیلِ شریعت

قیامِ امن

گزشتہ ابواب [1] پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اس وقت گو فطری صلاحیت و استعداد کی رُو سے عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع نہ تھا۔ یوں تو تمام جزیرۂ عرب ایک واحد ملک اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کی ملکی وقومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدا رئیس تھے، جنوبی عرب میں حمیری اذواء، اور اقیال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ شمالی عرب میں بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، جذام، بنوحنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس، خزرج، ثقیف، اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر وتغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی خاتمہ ہوا تھا، کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس وخزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے، خاص حرم اور اشہر حرم میں بنوقیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکۂ کارزار بنا ہوا تھا۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل و غارت گری، سفاکی، خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام، ثار، اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ ملک کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنا محال تھا۔ حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں بآسانی پہنچ سکتا تھا۔ شہورِ حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، بایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیے جاتے تھے، ابوعلی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے:

وذالك لانهم كانوا يكرهون ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم الاغارة فيها لان معاشهم كان من الاغارة۔ [2]

"یہ اس لئے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گزر جائیں،

[1] پورا باب اضافہ از صفحہ: ۱ تا ۱۰۱۔ [2] جلد ۱، ص: ۶۔

کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔"

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعہ معاش کے لیے یہی موسم بہار تھا۔ مکہ کے آس پاس اسلم وغفار وغیرہ قبائل آباد تھے، جو حاجیوں کا اسباب چُرانے میں بدنام تھے، ❶ طے، نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا، لیکن دزدانِ طے بھی اپنی شہرت میں اُن سے کم نہ تھے ❷ سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا عرب کے مشہور شاعر تھے لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے پُر فخر کارنامے تھے۔ ملک میں اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقت ور قبیلہ تھا، ۵ھ تک مصری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رُخ نہیں کر سکتا تھا۔ ❸ فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک میں سکون شروع ہو چکا تھا، مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا اور اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔ ❹ ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لئے جاتے تھے۔ ❺ یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دارالاسلام کے چراگاہوں میں بھی چھاپے مارے جاتے تھے ❻ آنحضرت ﷺ جب لوگوں کو ملک کے امن وامان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب حیرہ سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی اور اللہ کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا ❼ تو لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ ۹ھ میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا۔" ❽ اتنے بڑے ملک میں صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی جہاں لوگوں کو اطمینان میسر آسکتا تھا۔ خدا نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے:

﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾

(١٠٦/ قريش: ٣-٤)

"ان کو چاہیے کہ اُس گھر کے اس مالک کو پوجیں جس نے اُن کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا۔"

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ ﴾

(٢٩/ العنكبوت: ٦٧)

"کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لیے بنایا اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں طرف سے آدمی اچک لئے جاتے ہیں۔"

---

❶ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب ذكر اسلم وغفار: ٣٥١٦۔ ❷ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ٣٥٩٥۔ ❸ صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب اداء الخمس من الايمان: ٥٣۔ ❹ ابوداود، كتاب الادب، باب في الحذر من الناس: ٤٨٦١۔ ❺ طبقات ابن سعد، جزء مغازي، ص: ٦٣، ٦٤، ٦٥۔ ❻ دیکھو سیرۃ النبی ﷺ، ج ١، ص: ٢٥٩ غزوۂ سویق وغزوۂ غابہ۔ ❼ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ٣٥٩٥۔ ❽ بخاري، كتاب الزكوٰة، باب الصدقة قبل الرد: ١٤١٣۔

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت ﷺ عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے امان میں لے کر صرف اتنا موقعہ دلا دو کہ اللہ کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی حامی نہیں بھرتا تھا، [1] تمام مسلمان عرب کی فضا میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے۔ تلاشِ امن کے لئے افریقہ وحبش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے جو عرب میں رہ گئے وہ ہدفِ مظالمِ گوناگوں تھے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی اسی حالت کا ذکر ان آیتوں میں کرتا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾

(۸/ الانفال:۲٦)

''یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے اور کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اُچک نہ لیں۔''

اسی ملکی شورش اور بدامنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدبیر کے کامیاب نہیں ہوسکتی تھی، سرورِ عالم ﷺ کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی، اس کے لئے تیغ وخنجر اور فوج ولشکر کی حاجت نہ تھی لیکن ایک طرف تو دشمن پر حملہ کرتے چلے آتے تھے اور دوسری طرف ہر جگہ دعاۃ اسلام کی جانیں معرضِ خطر میں رہتی تھیں، تجارت کے قافلے جن پر اصل میں ملک کی معاش کا دارومدار تھا غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزواتِ نبوی ﷺ کے اسباب وانواع میں گزر چکے ہیں۔

بیرونی خطرات

بہرحال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی، بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے، مُلک کے تمام سرسبز وزرخیز صوبے روم وفارس دو عظیم الشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے، تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی یمن، عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے اور اُن کے زیرِ اقتدار برائے نام عرب رؤسا حکمران تھے۔ حدودِ عراق میں آلِ منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرونِ ملک میں بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی، حجاز میں اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے چنانچہ ۶ھ میں شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا کہ ''میرے غلام کو جو حجاز میں مدعی نبوت بنا ہے، گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔'' رُومیوں نے حدودِ شام میں قبضہ کر لیا تھا۔ آلِ غسان اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤسا نے جنھوں نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اُن کی ماتحتی قبول کر لی تھی۔ ۸ھ کے بعد رومی ان عیسائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے جس کا ظہور واقعۂ تبوک اور موتہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

یہودیوں کی قوت

رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام وفلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی

---

[1] سیرت ابن ہشام، عرض رسول اللہ ﷺ نفسہ علی القبائل، ج۱، ص:۲۵۵۔

اور وہ مجبوراً حدودِ شام سے قلبِ حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے اور اپنے لئے مدینہ سے شام تک متصل قلعے قائم کر لیے تھے یہ مقامات اُن کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی قریظہ، نضیر، قینقاع، ❶ خیبر، فدک، تیما، وادی القریٰ وغیرہ اُن کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں ❷ قرآن مجید میں حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے انہی قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ﴾ (۵۹/ الحشر:۱۴)

''یہ کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہ کریں گے لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔''

﴿ وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۲۶)

''اللہ نے ان یہودیوں کو جنھوں نے ان کی مدد کی تھی اُن کے قلعوں سے اتارا۔''

زمانۂ قدیم میں مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالکِ یورپ میں اُن کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عنصر بنا دیا تھا بعینہٖ یہی حال اُن کا عرب میں بھی تھا ان چند قلعوں کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو متعدد لڑائیاں صرف اُن کی شرارت سے لڑنی پڑیں۔ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخریہ کہتے تھے ''بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں؟ مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو۔'' ❸ غرض عرب کا مُلک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیے عام انسانی دست و بازو بے کار تھے خدا کا غیر مرئی ہاتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی آستین میں پوشیدہ تھا ﴿ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششوں اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔ عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نا اتفاقی اور باہمی جنگ و جدال میں مضمر تھا اور اس نا اتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا۔ تمام مُلک کے اجتماع اور اتحاد کے لئے ان میں کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ (۴۹/ الحجرات:۱۰) اور دفعتہً اس روحانی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے تار و پود ادھیڑ دیے اور صرف ایک کلمہ لآ الٰہ الّا اللّٰہ محمدٌ رسول اللّٰہ کی برقی رَو اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے۔ خدائے پاک نے قرآن مجید میں اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا:

---

❶ کتب مغازی و سیر میں ان کے حالات پڑھو۔ ❷ معجم البلدان، یاقوت میں ان مقامات کے حالات دیکھو، بخاری، كتاب المغازی، باب قتل ابی رافع: ۴۰۳۸۔ ❸ طبقات ابن سعد، ذکر مغازی، جزء ثانی، قسم اوّل، ص:۹۲؛ سیرت ابن ہشام ''امر بنی قینقاع'' ج۲، ص:۵۶۔

﴿ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ﴾

(۳/ آل عمران:۱۰۳)

''خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے، خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر اس کے لطف ومحبت سے بھائی بھائی بن گئے۔''

خدا نے خود آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محمد (ﷺ)! یہ تیرا کام نہ تھا اس میں خود وہ مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

﴿ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

(۸/ الانفال:۶۳)

''وہ خدا ہی ہے جس نے اے محمد (ﷺ)! اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تجھ کو قوت بخشی اور اسی نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیئے اگر تم تمام دنیا کے خزانے بھی لوٹا دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے لیکن خدا نے ان کے دل باہم جوڑ دیے، وہ زبردست، حکمت والا ہے۔''

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان جو مواخاۃ اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا۔ قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ وفساد فی الارض کو مکروہ ترین فعلِ انسانی قرار دیا اور اس فعل کے مرتکب کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں۔ چوری کے لئے قطع ید کی سزا متعین کی، رہزنی کے لئے قتل، پھانسی، قطع ید اور جلاوطنی کی تعزیریں جاری کیں۔ سورۂ مائدہ میں خون ریزی اور قتل وسفاکی کے انسداد کے لئے قصاص کا قانون نازل ہوا عملاً ملک میں قیام امن کے لئے آنحضرت ﷺ نے متعدد بار فوجیں بھیجیں، رہزن قبائل پر چھاپے مارے [1] حجاز میں جن قبائل کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ [2] فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلے کے لئے قوانین وضع ہوئے اور جابجا عمال کا تقرر ہوا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا وہ انسان کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدر جہا بلند ہے۔ اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیا ﷺ کا فیض تلقین اس سے پہلے فرد قرار داد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔ قانون وخوف تعزیر صرف بازاروں میں اور انسانوں کے عام مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوت اسلام کے فیض اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کر دیا جو رات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفل دروازوں کی

[1] سیرت النبی ﷺ ج ۱، دیکھو غزوات نبوی پر دوبارہ نظر۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اسلم وغفار: ۳۵۱۶۔

کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا اور اب تک تمام ملک میں امن وامان تھا اور یہ عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق لوگ صنعاء سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتے تھے اور خشیت الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا۔ ❶ ایک یورپین مؤرخ نے جس کے قلم نے پیغمبر اسلام ﷺ کی مدح کے لئے بہت کم جنبش کی ہے (مار گولیتھ) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

> ''محمد ﷺ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔'' ❷

بیرونی خطرات کے انسداد کے لئے خدا نے عجیب وغریب سامان پیدا کر دیئے قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور ہو گئے۔ ۳ھ سے لے کر ۷ھ تک متواتر لڑائیاں پیش آئیں اور آخر فتح خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ رومیوں نے اور حدودِ شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے استیصال کا بیڑہ اٹھایا۔ عیسائی رؤسائے عرب میں سب سے زیادہ طاقت ور اور پرزور غسانی تھے جو رومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے تھے۔ بہراء، وائل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہا عرب قبائل ان کے ماتحت تھے۔ ان کے علاوہ دومۃ الجندل، ایلہ، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے۔ غسانیوں کے حملہ کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اوپر گزر چکا ہے۔ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ جو شاہ بصریٰ کے دربار میں دعوتِ اسلام کا خط لے کر گئے تھے ان کو غسانیوں نے راستہ میں قتل کر دیا۔ ❸ آنحضرت ﷺ نے تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ تادیب وانتقام کے لئے روانہ فرمایا غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان میں آئے اور خبر تھی کہ رومی بھی اس قدر فوج لئے ہوئے موتہ سے قریب مواب میں پڑے ہیں۔ تاہم مٹھی بھر مسلمان آدمیوں کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانیں کھو کر فوج کو میدان جنگ سے ہٹا لائے۔ اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے۔

اس کے بعد ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ دم بدم خبریں آتی رہتی تھیں کہ رومی حملہ آوری کے لئے عیسائی عربوں کی ایک فوج گراں ترتیب دے رہے ہیں اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہیں۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی میں مصروف ہیں اور گھوڑوں کی نعل بندی بھی کر رہے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے تیس ہزار صحابہ کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنوں کی آمد کا انتظار کرتے

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ قبل الاسلام: ۳۵۹۵۔

❷ لائف آف محمد ﷺ مارگولیتھ، ص: ۴۷۱۔ ❸ زرقانی، باب غزوۃ موتۃ، ج ۲، ص: ۳۰۹۔

رہے لیکن کوئی مقابل نہ آیا تاہم اس پیش قدمی کا فائدہ یہ ہوا کہ غسانیوں کے علاوہ تمام رؤسانے رومیوں کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی [1] ۱۱ھ میں زمانۂ مرض الموت میں آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے زیر افسری رومیوں کے مقابلہ کے لئے پھر فوجیں روانہ فرمائیں لیکن اس مہم کا اختتام عہد صدیقی میں ہوا۔ ایرانیوں کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی ۱۰ھ میں دعاۃ اسلام کے پہنچنے کے ساتھ ہی بے مقابلہ و جنگ یمن، عمان اور بحرین میں اُن کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہو گیا۔

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششوں سے اور مافوق طاقت بشری، تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا۔ قریش اور یہود کی سازشوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ قبائل کی خانہ جنگیاں مٹ گئیں۔ تمام رہزن اور ڈاکو جتھے رام ہو گئے۔ بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا اب موقع ملا کہ صلح و آشتی کے ساتھ حسبِ فرمانِ الٰہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے۔

[1] اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزوۂ موتہ اور تبوک کے ذکر میں گزر چکے ہیں۔

تبلیغ واشاعت اسلام

سرورِ کائنات ﷺ کا اصلی کام تمام عالم میں دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام میں لانا تھا، اس کے لئے تیغ وخنجر اور فوج وعسکر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا اطرافِ عالم میں پہنچ جانے پائے۔ لیکن مکہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اسی کے سدراہ رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغام پہنچانے سے روکتے ہیں تم اس کا موقع دلا دو اور خود دو لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطحِ قلوب پر پڑتی تھیں اور اکناف وحوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا جب حج کا زمانہ آتا تو رؤسائے قریش عام گزرگاہوں پر خیمے لگاتے باہر کے لوگ ان سے ملنے آتے، اور چونکہ بعثتِ نبوی ﷺ کا چرچا پھیل چکا تھا، لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماتقدم کے لئے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے یہاں تک کہ لات وعزیٰ تک کو برا کہتا ہے۔

بدعقیدہ کو عربی میں ''صابی'' کہتے ہیں، اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً: نماز کی صورت، صابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں قریش نے آنحضرت ﷺ کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپ ﷺ کا نام مشہور ہو گیا۔ [1] صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے۔ [2] ملک میں جب آپ ﷺ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپ ﷺ کی طرف رخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہو سکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہوا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کے متجسس تھے۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے جن کا تذکرہ آغازِ کتاب میں گزر چکا ہے حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ میں متعدد ایسے صحابہ کا ذکر کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت ﷺ کی تحقیقِ حال کے لئے مکہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی رضی اللہ عنہ) کے خاندان میں جو اسلام پھیلا اس کی ابتدا قیامِ مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔

---

[1] صحيح بخاري، كتاب التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم: ٣٤٤۔

[2] صحيح بخاري، كتاب المغازي: ٤٣٠٢۔

مضلّ له و من يضلله فلا هادى له و اشهدان لا اله الا الله و حده لاشريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله))۔ ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا۔ عرض کی دوبارہ ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے پھر اعادہ فرمایا۔ ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا، اب وہ بالکل مسحور تھے، بولے کہ ''میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سُنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سُنا، یہ تو دریا کی تہہ تک میں بھی اثر کر جائے گا، لایئے ہاتھ لایئے، میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے اُن سے بیعت لی۔

قبیلہ ازد کا اسلام

پھر فرمایا: ''اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلو۔'' چنانچہ انھوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہوگیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا کہ کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا: ایک لوٹا میرے پاس ہے۔ اس نے حکم دیا کہ واپس کردو۔ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا، جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس مختصر سے جواب سے تسکین نہیں ہوئی، خود گئے، زادِ سفر کے لئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت ﷺ کا نام پوچھ نہیں سکے تھے۔ حرم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے گھر پر لا کر مہمان رکھا لیکن تین دن تک اُن سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟'' انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و اقرار لے لیا کہ کسی پر راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ ﷺ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ۔ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا اس کی تعمیل کرنا لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا، عرض کی کہ میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔ غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدًا رسول الله اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور اُن کو مارنا شروع کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر بچایا اور لوگوں سے کہا کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ

[1] صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلوة والخطبة: ٢٠٠٨۔

اسی قبیلہ کے آدمی ہیں۔ اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا، لیکن دوسرے دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حرم میں جا کر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا، آج بھی اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے جان بچائی۔ [1]

قبیلہ غفار کا اسلام

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک اسلام کا اظہار نہیں کریں گے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں آ جائیں چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہو گئی۔ [2]

قبیلہ اسلم کا اسلام

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔ غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا [3] (حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے [4] اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے)

اوس وخزرج کا اسلام

موسمِ حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی معتد بہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد جب حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ داعیٔ اسلام بنا کر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو اُن کے فیض تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہو گئے۔

قیام مدینہ میں اشاعتِ اسلام

ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گزرا، غفار واسلم نے اسلام قبول کر لیا۔

بدر کے بعض قریشیوں کا اسلام

کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمد و رفت شروع کی۔ اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے۔

---

[1] یہ روایت بتمامہ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قصة اسلام ابی ذر: ۳۵۲۲ سے ماخوذ ہے، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی ذر: ٦٣٥٩ میں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس میں بہت سی باتیں اس سے زائد اور مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، ج ۷، ص: ۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی ذر: ٦٣٥٩۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اسلم وغفار: ۳۵۱٤، ۳۵۱٥۔ [4] (بحوالہ سابق)۔

(ان میں) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ اُن کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عداوت کے اُن کا دل پتھر سے موم بن گیا۔ جبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے آئے تھے اور قیدیوں کے ساتھ اسیر تھے، ایک دن آنحضرت ﷺ یہ آیتیں پڑھ رہے تھے:

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ (۵۲/ الطور: ۳۵، ۳۶)

''کیا یہ یوں ہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا، یا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ یہ بات ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔''

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا اسلام

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے یہ آیتیں سن لیں تو ان کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا۔ صحیح بخاری سورۂ طور میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ [1]

(مکہ میں روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اتری اور قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتح کلی پائی۔ اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا)

پیشین گوئی روم کا اثر

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ ۵ھ میں قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی اس معرکہ کا نام احزاب ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو قبولِ اسلام کے لئے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے ان کو اظہارِ اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وفود بھیجنے شروع کئے۔

قبیلہ مزینہ کا اسلام

سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزینہ کی تھی، جس میں چار سو آدمی شریک تھے، انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ میں آ جائیں لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم جہاں رہو، مہاجر ہو۔'' [2]

قبیلہ اشجع کا اسلام

اسی زمانہ میں قبیلۂ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سو (۱۰۰) تھی، مدینہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب فداء المشركين: ۳۰۵۰۔

[2] جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود، جزء اول، قسم ثانی، ص: ۳۸۔

کہا کہ ہم آپ ﷺ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا، اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے، لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔ ❶

قبیلہ جہینہ کا اسلام

جہینہ بھی انہی قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت ﷺ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریکِ حال رہے ❷ (غفار، اسلم، مزینہ، اشجع اور جہینہ کی یہی اطاعت اور مسابقتِ اسلام تھی جس کی بنا پر آپ ﷺ نے اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی) ❸

صلح حدیبیہ کا اثر

صلحِ حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں، کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لئے منکروں کو خلوت وجلوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ ❹ یہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی چنانچہ جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے سال ادائے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف ڈیڑھ ہزار شخص ساتھ تھے اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ۱۰ ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار ساتھ تھا۔ صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا، کیونکہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے اس لئے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا اُن کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لئے آنحضرت ﷺ کو کچھ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں، تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا وہاں داعیانِ اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی، اس لئے اربابِ سیر ان تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے تھے۔

فتح مکہ کا اثر

تمام عرب تولیتِ کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا

---

❶ جزء طبقات ابن سعد مذکور، ص:۴۸۔ ❷ اصابہ تذکرۃ بشیر بن عرفطۃ، ج۱، ص۱۵۳ مطبع السعادۃ مصر: ۱۳۲۸ھ۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر غفار و سلم وجہینۃ: ۳۵۱۳، ۳۵۱۴۔

❹ طبری میں امام زہری کا قول ہے: فلمّا كانت الهدنة ووضعت الحرب اوزارها وآمنَ الناس كلهم بعضهم بعضا فالتقوا وتفاوضوا فى الحديث والمنازعة فلم يكلم احدٌ بالاسلام يعقل شيئا الادخل فيه فلقد دخل فى تينك السنتين فى الاسلام مثل ماكان فى الاسلام واكثر۔ (ج۳، ص:۱۵۵۱ مطبع بریل لیڈن: ۱۸۸۱ء/۱۸۸۲ء) ''جب صلح ہو گئی اور جنگ موقوف ہو گئی' ایک دوسرے سے لوگ بے خوف ہو گئے' باہم ملے جلے' باتیں چیتیں ہوئیں تو کوئی عقلمند ایسا نہیں تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی اور اس نے قبول نہ کر لیا چنانچہ جتنے لوگ ابتدا سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے صرف ان دو برسوں میں ان کے برابر بلکہ ان سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے۔''

انجام ہوتا ہے۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گزر گاہِ عام پر رہتے تھے، اُن کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں منقول ہیں:

كانت العرب تلوّم باسلامهم الفتح فيقولون اتركوه وقومهٗ فانه ان ظهر عليهم فهو نبي صادق فلما كانت وقعة اهل الفتح بادر كل قوم باسلامهم۔ [1]

''عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔''

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے:

وانما [2] كانت العرب تربص بالا سلام امر هذا الحي من قريش وامر رسول الله ﷺ وذلك ان قريشا كانوا امام الناس وهاد يهم واهل البيت والحرم وصريح ولد اسمٰعيل بن ابراهيم عليهما السلام وقادة العرب لا ينكرون ذلك وكانت قريش هي التي نصبت لحرب رسول الله ﷺ وخلافه فلما افتتحت مكة ودانت له قريش ودخلها الا سلام عرفت العرب انه لا طاقة لهم بحرب رسول الله ﷺ ولا عداوته فدخلوا في دين الله كما قال الله عزوجل افواجًا۔ (الخ)

''اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ وحرم کے متولی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام مکہ میں چھا گیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے یعنی ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ ﴾''

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی، وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی اب جبکہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

فتح مکہ کے بعد اب اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیے جائیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و

[1] صحيح بخاري، كتاب المغازي، فتح مكه: ٤٣٠٢۔

[2] سیرت ابن هشام، ذكر واقعات ۹ھ و وفود، ج ۲، ص: ۳٦۲ مطبع محمد علی صبیح: ۱۳٤٦ھ۔

محاسن بتا کر اُن کو اسلام کی ترغیب دلائیں دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کیے گئے۔

❶ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغِ اسلام کر سکیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی، لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ ہیں جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے:

قدكان رسول الله ﷺ بعث فيها حول مكة السرايا تدعوالى الله عزوجل ولم يأمرهم لقتال۔ ❶

''آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا لیکن جب انہوں نے کشت وخون کیا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ ''خدایا! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔'' ❷ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا، یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔ ❸

(اشاعتِ اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطرافِ ملک میں بھیجی جاتی تھی، اس میں کبھی کبھی آپ ﷺ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے، ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی ❹ تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا، ان لوگوں میں ایک کم سن نوجوان تھے آنحضرت ﷺ اُن کے پاس آئے پوچھا: ''تمہیں کیا یاد ہے؟'' انہوں نے کہا: مجھ کو سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو تم ہی اب سب کے امیر ہو۔'' ❺)

❷ جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے تھے وہ

❶ تاریخ طبری، ج۳، ص:۱۶۴۹۔ ❷ بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ خالد بن الولید: ۴۳۳۹۔
❸ تاریخ، طبری ج۳، ص:۱۶۵۰، ۱۶۵۱۔ ❹ اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ فوج اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی صرف یہ الفاظ ہیں: بعث بعثا وهم ذو عدد یعنی آپ ﷺ نے ایک بہت بڑی جماعت بھیجی۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام تھا کیونکہ اگر لڑائی مقصود ہوتی تو پھر حفظِ قرآن کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ آپ ﷺ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے۔ ❺ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی سورۃ البقرۃ، آیت الکرسی: ۲۸۷۶۔

اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لئے وہ تحصیلِ مال کے ساتھ تبلیغِ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں:

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہ	صنعاء یمن	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (زوجۂ نبوی) کے بھائی تھے
زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضر موت	یہ اُن اصحاب میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔
خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	صنعاء یمن	سابقینِ اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں' سب سے پہلے انہی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔
عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	قبیلہ طے (یمن)	مشہور صحابی ہیں حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔
علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	بحرین	
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	زبید و عدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے، مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	جند	مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی [1]	ذوالکلاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہیں، ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ جریر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کئے۔

3 بعض [2] لوگ خاص اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ہیں:

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	قبیلہ ہمدان و جذیمہ و مذحج	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	اطراف مکہ
مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	نجران	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	عمان
وبر بن یحنس رضی اللہ عنہ	ابنائے فارس	مہاجر بن ابو اُمیہ	بطرف حارث بن عبد کلال
محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	فدک		شہزادۂ یمن
احنف	قبیلہ سلیم [3]		

4 رؤسائے قبائل بارگاہِ نبوت میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے ان اشخاص کے نام یہ ہیں:

[1] یہ اور آگے کی فہرست حدیث، سیر اور طبقات کی کتابوں سے مرتب و ماخوذ ہے۔
[2] اضافہ ذکر اسلام ابنائے یمن۔ [3] مسند احمد، ج ۵، ص: ۳۷۲۔

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلہ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ہمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد	

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، دعاۃ اطرافِ مکہ میں بھیج دیے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴾

(۱۱۰/ النصر: ۱، ۲)

”جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں۔“

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسمِ حج میں اعلان براءت ہوا، اس واقعہ کے بعد بلا استثنا حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔ [1]

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان اِدھر اُدھر نظر آتے تھے، لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس میں ۸، ۹، ۱۰ھ میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیرِ سایہ تھیں تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح و امن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن

ملکِ عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانے سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادتِ نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادتِ نبوی ﷺ کے چند سال بعد اہلِ ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا یمن

[1] طبری واقعات ۹ھ ج ٤، ص: ۱۷۰٦ وما بعد۔

میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوائق موجود تھے، مثلاً اختلافِ جنسیت کہ اہل یمن قحطانی تھے، داعیٔ اسلام اسماعیلی۔ اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک میں جہاں کہیں باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرت ﷺ کو ایک عرب فرمانروا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ اور ہم، ہم خاندان نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں، نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔'' [1]

یمن میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہوسکتا تھا کہ وہ پولیٹیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھے اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے، لیکن قبول حق کے لئے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیل رضی اللہ عنہ بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہوگیا اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا۔ [2] ۷ھ میں آنحضرت ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں منتقل ہوگیا یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اس زمانہ میں بلا تحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہوا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان ہی قبائل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت ﷺ نے (۸ھ کے آخر میں) اُن کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا بالآخر آنحضرت ﷺ نے خالد کو بلالیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں دی تو آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا: ((السّلام علی همدان)) [3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل، حديث اشعث بن قيس، ج ٥، ص: ٢١١ وزاد المعاد، ج٢، ص: ٣٢ مطبع ميمنه مصر۔

[2] ابن هشام ذكر عرض الاسلام على القبائل، ج١، ص:٢٥٦۔

[3] زرقانى بسند صحيح از بيهقى الوفد الحادى عشر (وفد همدان) ج٤، ص: ٤١۔ اصل واقعہ بخاری جزء غزوات: ٤٣٤٩۔ میں موجود ہے لیکن ہمدان کی اس میں تخصیص نہیں اور نہ ان کے اسلام کا اس میں ذکر ہے اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتیں ہیں لیکن وہ صحیح نہیں چنانچہ وہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے۔ ان روایتوں کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ڈر سے اسلام قبول کرلیا لیکن یہ راویوں کا حسن ظن ہے واقعہ نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کریں اور ان پر غارت گری کیا کریں لیکن حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف میں تھے یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلوں کو دیا جاسکتا تھا (زاد المعاد، جزء ثانى، ص:٣)

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اُس کے قبول کے لئے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ عامر بن شہر جب دربارِ رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے۔ ربیع الاول ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغِ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مذحج کی سر زمین میں پہنچے تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثنا میں قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی۔ مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصود صرف مدافعت تھا، اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابتہً اسلام کا اعلان کیا۔ [1]

یمن میں فارس کے جو رؤسا قیام پذیر ہو گئے تھے ان کو ابنا کہتے تھے آنحضرت ﷺ نے ۱۰ھ میں وبر بن یحنس رضی اللہ عنہ کو اُن کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا، وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر ان کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی، مرکبود، وہب بن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، سب نے اسلام قبول کیا۔ صنعاء میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطاء اور وہب بن منبہ تھے۔ [2]

عام یمن [3] میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا۔ دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے تھے۔ چلتے وقت آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں، وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سہولت سے کام کرنا، سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوش خبری سنانا، نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں جب ان کے ہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے، جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوۃ بھی واجب ہے، تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی دیکھو جب وہ زکوۃ دینا منظور کر لیں تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد، جزء ثانی، قسم اوّل، ذکر مغازی، ص:۱۲۲ سے ماخوذ ہے۔ [2] طبری، واقعات سنة: ۱۰ھ ج ٤، ص: ۱۷٦۳۔ [3] اضافہ تابحرین۔

رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا نبی اللہ! ہمارے ملک یمن میں جو اور شہد کی شراب بنتی ہے، کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔" ❶

نجران

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جو صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، دعوت اسلام کے لئے نجران بھیجا۔ عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کیے۔ یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے۔ ❷ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو۔ ❸ اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔ نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لئے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا۔ ربیع الآخر ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وہاں دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکامِ اسلام کی تعلیم دی۔ ❹

اہل یمن کے لیے دعائے خیر

اہلِ یمن کا بغیر کسی ترہیب وترغیب کے خلوصِ دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو خاص رحمت الٰہی کا مستوجب نہ ہو جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ کل اہل یمن آتے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔ ❺ جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپ ﷺ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اُن کو سلامتی کی دُعا دی۔ حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا، تمیم بشارت قبول کرو۔ بنو تمیم نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم نے بشارت تو قبول کر لی، کچھ عطا بھی فرمائیے۔ آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی تھی؟ ❻ پھر اہل یمن کی طرف رُخ کر کے فرمایا: "اے اہل یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی تم قبول کر لو۔" اہل یمن بے اختیار بول اُٹھے: اے خدا کے رسول! ہم نے قبول کیا۔ ❼ پھر آپ ﷺ نے عام طور سے فرمایا: "ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے۔" ❽ مبلغینِ یمن میں سے حضرت علی اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ

---

❶ یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات: ۴۳۴۱ تا ۴۳۴۴ میں مذکور ہے ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو یکجا کر لیا ہے۔

❷ ترمذي، ابواب التفسير، باب ومن سورة مريم: ۳۱۵۵۔ ❸ زرقاني بحواله بيهقي، ج ٤، ص: ٤٩۔

❹ زرقاني، ج ٣، ص: ١١٦۔ ❺ بخاري، كتاب المغازي، باب قدوم الاشعريين واهل اليمن: ٤٣٩٠۔

❻ زرقاني بحواله بيهقي، ج ٤، ص: ٤١۔ ❼ بخاري، كتاب المغازي، باب قدوم الاشعريين: ٤٣٨٦۔

❽ ايضًا: ٤٣٨٨۔

حج کیا۔ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج وزیارت کو آئے۔

بحرین میں اسلام ۸ھ

بحرین ایران کی حدودِ حکومت میں داخل تھا،عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور بااثر خاندان عبدالقیس،بکر بن وائل اور تمیم تھے،ان میں سے عبدالقیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لئے نکلے،راہ میں مدینہ پڑتا تھا وہاں ٹھہرے،آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقرأ سیکھی۔آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا،وہ سفر سے واپس گئے تو چندروز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن اُن کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی۔انہوں نے منقذ سے دریافت کیا بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک لوگوں کو سنایا سب نے اسلام قبول کرلیا۔ [1]

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) میں روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے [2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہوچکی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجی جس کے افسر منذر بن الحارث تھے،ان کا قافلہ کاشانہ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بے تاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ چومے لیکن منذر کو پاسِ ادب ملحوظ تھا انہوں نے قیام گاہ پر جاکر کپڑے بدلے پھر خدمت میں حاضر ہوکر دست بوسی کی۔ [3]

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کو تبلیغ اسلام کے لئے بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہوگئے۔ [4]

بحرین کے علاقہ میں "ہجر" ایک مقام ہے یہاں ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا،آنحضرت ﷺ نے اس کے نام بھی خط بھیجا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا۔ [5]

عمان میں اسلام ۸ھ

اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا اور عبید وجعفر یہاں کے رئیس تھے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابوزید

[1] زرقانی بحوالہ کرمانی،ج۴،ص:۱۷۔قبیلہ عبدالقیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان: ۵۳، میں ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے۔بخاری کی روایت سے بھی اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبدالقیس اس سفارت سے پہلے ایمان لاچکے تھے۔اصابہ (ج۶،ص:۲۲۵) میں ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیس سفارت کے نام میں اختلاف ہے،تاہم اس قدر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت ۶ھ سے پہلے کی ہے۔ [2] بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن:۸۹۲، وکتاب المغازی، باب وفد عبدالقیس:۴۳۷۱۔ [3] زرقانی بروایت بیهقی بسند جید، ج٤، ص:۱۸۔ [4] فتوح البلدان، ذکر بحرین، ص: ۸۵ مطبع موسوعات مصر۔ [5] ایضا ذکر بحرین۔

انصاری رضی اللہ عنہ کو جو حافظ قرآن تھے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے۔ [1]

حدودِ شام میں اسلام ۹ھ

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے اُن میں متعدد ریاستیں تھیں ان میں سے معان اور اس کے اضلاع فروہ بن عمرو کے زیرِ حکومت تھے لیکن خود فروہ رضی اللہ عنہ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اظہارِ اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا (عیسائی) رومیوں کو اُن کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو اُن کو گرفتار کر کے سُولی دے دی اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا: [2]

بلغ سراة المسلمين بانني مسلم لربی اعظمی ومقامی

''مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے۔''

(شام اور عرب کے درمیان عذرہ، بلّی، جذام، وغیرہ قبائل آباد تھے، قبیلہ بلی میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ننھیال تھا، اس لئے ایک جماعت کے ساتھ وہ ان اطراف میں بھیجے گئے۔ [3] جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو اُن کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربارِ نبوت میں اطلاع کی، وہاں سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بغرض حفاظت کچھ فوج بھیج دی گئی۔ اس کو اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ ذات السلاسل کہتے ہیں)

---

[1] ایضاً ذکر فتح عمان، ص: ۸۳۔ [2] ابن ہشام اسلام فروۃ، ذکر وفود: ج۶، ص: ۳۸۲۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ السلاسل: ۴۳۵۸، آگے کی تفصیل فتح الباری، کتاب المغازی، غزوہ ذات السلاسل، ج۸، ص: ۵۸، ۵۹ میں ہے، نیز دیکھیے طبقات ابن سعد، ذکر مغازی، قسم اوّل جزء ثانی، ص: ۹۵۔

وفودِ عرب

(جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہِ نبوت میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا۔ ارباب سیر ''وفود'' کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا، حال لکھا ہے، ابن سعد میں ۷۰ وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاطی، مغلطائی، زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں، لیکن مصنف سیرتِ شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے اور ایک سو چار وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں، اگرچہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہیں، تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے)۔

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلہ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔ مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا، اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام میں جا کر کوئی فیصلہ کرے، اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے، لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں، بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد اور طے تھے۔ ان تمام قبائل کی سفارتیں دربارِ نبوت میں آئیں۔ ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بہ حیثیت فاتح کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آجائیں۔ یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ ۹ھ اور ۱۰ھ میں آئے لیکن تسلسلِ بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند وفود کا ذکر کرنا بھی موزوں ہوگا۔

مزینہ

یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علم بردار تھے، اسی قبیلہ سے تھے، اصفہان انہی نے فتح کیا تھا۔ ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔ عراقی نے سیرت منظوم میں لکھا ہے۔ [1]

---

[1] اصابہ فی تمییز الصحابۃ، ترجمۃ نعمان بن مقرن جزء ثالث، ص: ۵۶۵ مطبع سعادت مصر: ۱۳۲۸ھ وابن سعد جزء اوّل، قسم ثانی ذکر وفود، ص: ۳۸۔

سنة خمس وفدوا مزينة	اول وفد وفد المدينة
وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ ھ میں آیا	سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا

بنو تمیم

بنو تمیم کے وفود بڑی شوکت وشان سے آئے،قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً: اقرع بن حابس، زبرقان،عمرو بن الاہتم،نعیم بن یزید، [1] سب اس سفارت میں شامل تھے۔عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے،تاہم عربی فخر وغرور کا نشہ سر میں اب بھی باقی تھا۔دربارِ نبوت یعنی مسجدِ نبوی میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف رکھتے تھے، آستانۂ اقدس پر جا کر پکارے کہ محمد (ﷺ)! باہر آؤ، آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے،تو بولے کہ محمد (ﷺ)! ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں، آپ نے اجازت دی،عطارد بن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیرواں کے دربار سے حسنِ تقریر کے صلہ میں کمخواب [2] کا خلعت حاصل کیا تھا،اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پرزور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا:

> ''خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج وتخت،خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز ترین ہیں، ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے، ہماری ہم رتبگی کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔''

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا، انہوں نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا:

> ''اس خدا کی تعریف جس نے زمین اور آسمان بنائے،اس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب،سب سے زیادہ راست گفتار،سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا،وہ تمام عالم کا انتخاب تھا،اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی،اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور اس کے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا،ہم لوگ انصار الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں۔''

تقریریں ہوچکیں تو اشعار کی باری آئی،سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے قصیدہ پڑھا:

منا الملوك وفينا تنصب البيع [3]	نحن الكرام فلا حي يعادلنا

''ہم شرفائے قوم ہیں،کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہوسکتا۔ہم میں تخت نشین ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔''

---

[1] تاریخ طبری، ج ٤، ص: ١٧١١ مگر طبقات ابن سعد، ج ١، قسم ثانی، ص: ٤٠ پر یزید کے بجائے زید لکھا۔
[2] اصابہ فی تمییز الصحابۃ جزء رابع، ص: ٢٤٥۔ [3] طبری، واقعات، ٩ھ ج ٤، ص: ١٧١٤؛ سیرت ابن ہشام، ج ٢، ص: ٣٦٤؛ طبقات ابن سعد، جزء اوّل، قسم ثانی، ص: ٤٠۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آ کر خطبہ دیا تو اس کی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ان من البیان لسحرا)) "یعنی بعض بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے۔" اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کر چکے، آنحضرت ﷺ نے دربار رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، انہوں نے برجستہ کہا:

ان الذوائب من فهر واخوتهم قد بيّنوا سنة للناس تتبع [1]

"شرفائے قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔"

ارکان سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حاکم تھا، یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے، وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا، اس کو یہ دعویٰ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت میں آیا تو آنحضرت ﷺ سے کہا: [2]

ان حمدی لزین وان ذمی لشین۔ "میں جس کی تعریف کردوں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو برا کہہ دوں اس کو داغ لگ جاتا ہے۔"

نظم و نثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنو سعد

بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے دربار میں آئے اور جس طریقے سے سفارت ادا کی اس سے عرب کی اصلی ادائیگی اور آزادروی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے، ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحنِ مسجد میں آ کر ناقہ سے اترا پھر حاضرین سے پوچھا: "محمد (ﷺ) کس کا نام ہے؟" لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔" پاس آ کر کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے"! آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں جواب دے چکا۔" بولا کہ "میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا، لیکن سختی سے پوچھوں گا، اس پر ناراض نہ ہونا" ارشاد ہوا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو" بولا کہ "اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا تم کو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے" آپ نے فرمایا: "ہاں۔" پھر قسم دلا کر پوچھا کہ "کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟" اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر "ہاں" فرماتے جاتے تھے، جب سب احکام سن لیے تو کہا کہ "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے

[1] ایضًا، زاد المعاد، ج۳، ص:۵۱۳، ۵۱۴۔ [2] اصابہ، تذکرۃ اقرع بن حابس، جزء اوّل، ص:۵۸۔

بھیجا ہے، میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم۔'' وہ جا چکا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔'' ❶

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ ''لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں'' لوگوں نے کہا'' کیا کہتے ہو، تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے۔'' انہوں نے کہا: ''خدا کی قسم! وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر، میں تو خدا اور محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں۔'' ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد و بچے سب مسلمان تھے۔ ❷

اشعریین

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا، اسی قافلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے، لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا، وہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ موجود تھے، وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ یہیں تشریف فرما تھے، چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین ❸) کی روایت ہے۔ ❹ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''تمہارے ہاں یمن کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔'' ❺ مسند احمد بن حنبل ❻ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے:

غدا نلقی الا حبة محمدا وحزبه

''کل ہم دوستوں سے ملیں گے یعنی محمد ﷺ اور پیروانِ محمد سے''

(بارگاہ نبوت میں پہنچے تو عرض کی، ''یا رسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا، اس کا تخت پانی پر تھا۔'' ❼

دوس

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے ہیں اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور

❶ یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف ابواب میں منقول ہے دیکھو: کتاب العلم، باب القراءۃ والعرض علی المحدث: ٦٣۔

❷ ابن ہشام، قدوم ضمام بن ثعلبة وافدا عن بنی سعد بن بکر، ج ٤، ص: ٢١٠، سیر اعلام النبلاء، ج ٢، ص: ٩٨۔ ❸ فضائل اشعریین کے بجائے اس کے بعد من فضائل جعفر بن ابی طالب کی روایت میں ہے۔

❹ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن ابی طالب الخ: ٦٤١٠۔

❺ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین واهل الیمن: ٤٣٩٠۔ ❻ نیز دیکھئے زاد المعاد، ج ٢، ص: ٣٢۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی قول الله الخ: ٣١٩٠، ٣١٩١۔

رئیس طفیل بن عمرو تھے، وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائیں، لیکن اتفاق سے ایک دفعہ یہ حرم میں گئے، آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں، آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے، وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے، اس لیے لوگوں نے تامل کیا طفیل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر یہ حقیقت بیان کی، آپ نے دعا فرمائی کہ ''خدایا! دوس کو ہدایت دے۔'' پھر طفیل رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ''جا کر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔'' غرض (دعائے نبوی کی برکت اور طفیل رضی اللہ عنہ کی) ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے۔ [1]

بنو حارث بن کعب ۹ھ

یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا، یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا، چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبدالمدان وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ اکثر معرکوں میں قبائلِ عرب پر غالب رہے تھے، آپ نے ان سے پوچھا: ''تمہارے غلبہ کے کیا اسباب تھے۔'' بولے کہ ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے، اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے، آپ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔ [2]

قبیلہ طے ۹ھ

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے رؤسا زید الخیل وعدی بن حاتم طائی تھے اور ان کے حدود حکومت الگ تھے۔ زید۔ زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض، بہادر تھے۔ ۹ھ میں یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ شہسواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔ [3]

عدی بن حاتم ۹ھ

عدی، مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے (سردار اور مذہباً عیسائی تھے) سلاطین عرب کی طرح

---

[1] اصابہ، جزء ثالث، ص: ۲۸۷ اور زاد المعاد جزء ثانی، ص: ۳٤ اور ابن سعد جزء ثانی ذکر وفود، ص: ۸۱، ۸۲۔ [2] اصابہ، جزء سادس، ص: ۳٤۵ تذکرۃ یزید بن عبدالمدان و زاد المعاد، جزء ثانی، ص: ۳۳۔

[3] ایضاً، ص: ۳۱۔

ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا، جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے، ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی عزت وحرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس چلی گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ مسجد میں تھے۔ عدی نے مسجد میں جا کر سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا، پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے، اسی اثنا میں ایک بڑھیا آ گئی، اس نے آپ کو روک لیا، اور دیر تک آپ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی، عدی خود رئیس تھے، شام میں رومیوں کا دربار دیکھا تھا، ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہِ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے، اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے، چمڑے کا ایک گدا تھا۔ اس کو عدی کی طرف بڑھایا، یہ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''کیوں عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے، لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے۔'' [1] پھر فرمایا: ''خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟'' بولے کہ نہیں! پھر پوچھا: ''خدا سے کوئی بڑا ہے؟'' بولے کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ ''یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔'' [2]

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردّہ کے زمانہ میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑا باپ کی سخاوت کا اثر ان پر بھی تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپے طلب کئے، بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو، بخدا! ہرگز نہ دوں گا۔ [3]

وفد ثقیف

(یاد ہوگا کہ) جب آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں، آپ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی تھی یہ تھی:

((اللّٰھم اھد ثقیفا وائتِ بھِم)) ''اے خدا! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔''

(یہ دعائے نبوی کا اعجاز تھا کہ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہو سکا تھا، دفعۃً جلال نبوت نے آستانہ اسلام پر اس کی گردن جھکا دی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا)۔

طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا، جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے۔ جن کی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی مکہ میں اترتا تو ان پر اترتا۔ عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن مادۂ قابل رکھتے تھے۔ حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت ﷺ مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر

[1] ابن ھشام "اسلام عدی بن حاتم، ج ۲، ص: ۳۷٤، ۳۷۵۔
[2] ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، ومن سورۃ فاتحۃ الکتاب: ۲۹۵۳۔"
[3] مسند احمد، ج ٤، ص: ۲۵۸؛ اصابہ فی تمییز الصحابہ ذکر عدی، جزء رابع، ص: ۲۲۹۔

ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے۔ واپس جا کر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی، لوگوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالا خانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں انہی کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔

(عروہ کا خون رائیگاں نہیں جاسکتا تھا، اصخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سن کر کہ آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہلِ طائف آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول نہ کر لیں گے، میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا، آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ صخر نے خدمت نبوی ﷺ میں اطلاع کی تو آپ نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا، اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی) [1]
چند روز کے بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا، اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے جائیں۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دوڑے کہ آنحضرت ﷺ کو جا کر خبر کریں، راہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مل گئے ان کو معلوم ہوا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ کو قسم دلائی کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے دو۔ مغیرہ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربارِ رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا، لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجا لائے۔

عبد یا لیل، طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت و استغراق کو دیکھ کر متاثر ہو) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کرا کر ٹھہرائے گئے۔ [2] نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے، گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ خطبوں میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد ﷺ ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں، لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ "میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں۔"

جماعت سفراء میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سب سے کم عمر تھے۔ سفراء دربارِ نبوی میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے۔ عثمان گو کمسن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے، ان کا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے، یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیے۔ [3]

---

[1] ابو داود، کتاب الخراج، باب اقطاع الارضین: ٣٠٦٧۔

[2] ابو داود، کتاب الخراج باب ماجاء فی خبر الطائف: ٣٠٢٦؛ مسند احمد، ج ٤، ص: ٢١٨۔

[3] سیرت ابن ھشام، ذکر امر وفد ثقیف واسلامھم، ج ٢، ص: ٣٤٩۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نمازِ عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے ہاتھ سے جو اذیتیں اٹھائی تھیں ان کو بیان فرماتے۔ [1] مدینہ میں آکر جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی تذکرہ فرماتے) بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی، لیکن یہ شرطیں پیش کیں:

① زنا ہمارے لیے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرد رہتے ہیں اور اس لیے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

② ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے اس لیے سودخواری جائز رکھی جائے۔

③ شراب سے نہ روکا جائے، ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں، بالآخر ان لوگوں نے کہا: اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں، لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت، جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ توڑ دیا جائے گا۔'' یہ سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے! بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا، بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو، منات صرف ایک پتھر ہے، ان لوگوں نے کہا: عمر! ہم تمہارے پاس نہیں آئے، یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، آپ جو چاہیں کریں، لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے، آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ [2]

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے! لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے، اور جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر واجب نہیں ہے اور واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں روز کا کام نہیں، اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائے گی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ''جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔'' [3] (چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔) [4]

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنمِ اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہ نے طائف پہنچ کر بت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔ [5]

[1] ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب تحزیب القرآن: ۱۳۹۳۔ [2] زاد المعاد، ج ۲، ص: ۲۴، ۲۵، ۲۶، بحوالہ مغازی موسیٰ بن عقبہ؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص: ۳۴۷ تا ۳۵۰۔

[3] ابو داود، کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی خبر الطائف: ۳۰۲۵۔

[4] اصابہ ترجمۃ جبیر بن حیۃ ثقفی جز اوّل، ص: ۲۳۵۔ [5] تاریخ طبری، ج ۴، ص: ۱۶۹۲۔

الا ابکین ❶ دفاع اسلمها الرضاع لم یحنوا المصاع

''لوگوں پر روؤ کہ پست ہمتوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے سپرد کر دیا اور معرکہ آرائی نہ کر سکے۔''

(عربوں میں کثیر الازدواجی کی عام عادت تھی ,قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی دس بیویاں تھیں، جب وہ مسلمان ہوا، احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اُس کو مفارقت کرنی پڑی) ❷

وفد نجران ۹ھ

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر وسیع ضلع کا نام ہے، جہاں عیسائی عرب آباد تھے، یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوار ہتے تھے، جن کا لقب سید اور عاقب تھا، عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا، اعشیٰ اسی کی شان میں کہتا ہے:

وکعبة نجران حتم علیك حتّی تناخی بابوابها

نزور یزید او عبدالمسیح وقیساهم خیر اربابها

یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا، جو شخص اس کے حدود میں آجاتا تھا، وہ مامون ہو جاتا تھا۔ اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دولاکھ سالانہ تھی۔ ❸

آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو مسجد میں اتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پڑھنے دو۔'' چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا، قیصرِ روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ ❹

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کی رُو سے ان کا جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورۂ آل عمران کی ابتدا کی اسّی آیتیں اتریں، ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا۔ جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے:

﴿ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾

❶ یہ تفصیل طبری سے ماخوذ ہے دیکھو ج ۴، ص: ۱۶۹۲ وما قبل؛ سیرت ابن ھشام میں لتبکین ہے: ۲۲، ص: ۳۵۰۔

❷ جامع ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسلم الخ: ۱۱۲۸۔

❸ یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر نجران، ج ۸، ص: ۲۵۹ وما بعد میں ہے، پہلا فقرہ فتح الباری، ج ۸، ص: ۷۳، سے ماخوذ ہے، جہاں وفدِ نجران کا ذکر ہے۔ ❹ زادالمعاد ابن قیم، جز ثانی، ص: ۳۵۔

(۳/ آل عمران:٦٤)

''کہہ دے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے، پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے جب اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو؟'' جب یہ لوگ اسی پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو، یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝ ﴾

(۳/ آل عمران:٦١)

''تو جو شخص تجھ سے علم آئے پیچھے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو بلائیں، پھر مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو، اس پر خدا کی لعنت ہو۔''

لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور امام حسن وحسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ [1] غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنو اسد ۹ ھ

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و بازو تھا۔ طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ ھ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا۔ سفراء دربارِ رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: [2]

﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (٤٩/ الحجرات:١٧)

''یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے، کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة اهل نجران: ٤٣٨٠۔ [2] زاد المعاد، ج٢، ص:٤٥۔

بنوفزارہ ۹ھ

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا، عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے اسی قبیلہ نے رمضان ۹ھ میں جب آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔ [1]

کندہ ۱۰ھ

یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں کندی خاندان کی سلطنت تھی اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے۔ یہ ۱۰ھ میں اسّی سواروں کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے، حیرہ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے کاندھوں پر ڈالے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ''کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟'' بولے ''ہاں'' آپ نے فرمایا کہ ''پھر یہ حریر کیسا؟'' ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔ [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن (امّ فروہ) سے ان کی شادی کر دی تھی، نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے اس کی کوچیں اڑا دیں، تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے تھے، لوگوں کو حیرت ہوئی، انہوں نے کہا: میں اپنی دارالریاست میں ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا، یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دے دیے اور لوگوں سے کہا: یہ آپ کی دعوت ہے۔ [3] یہ جنگ قادسیہ ویرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

عبدالقیس

یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، بحرین کا باشندہ تھا، یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا، سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی ۵ھ میں یا اس سے آگے پیچھے زمانہ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟'' عرض کی، یارسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہیں، فرمایا: ''مرحبا لاخزایا و لاندامی'' پھر ان لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارا ملک بہت دور ہے (بحرین) اور بیچ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں، ہم اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آ سکتے، چند ایسی باتیں تلقین فرمایئے جن پر ہمیشہ عمل کریں، اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں، ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور خمس دو اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، دباء، حنتم، نقیر، مزفت۔

دُباء، حنتم، نقیر، مزفت، یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے، جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے، ان کے پند و موعظت میں انہیں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگوں کو تعجب تھا کہ حضور ﷺ نے ان ظروف کا

[1] زرقانی، ج ٤، ص:٥٩۔ [2] ابن ہشام وفد کندۃ، ج ٢، ص:٣٧٨۔ [3] اصابہ، جز اوّل، ص:٥١۔

کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ ارشاد فرمایا: ''ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں پانی ڈالتے ہو جب ابال کم ہو جاتا ہے تو اُس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔'' اتفاق یہ کہ وفد میں ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گزرا تھا، اُن کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا، اور اس کو وہ شرم سے چھپاتے تھے۔ [1]

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم کو کیا پینا چاہیے؟ اس کے جواب میں آپ نے ان چاروں چیزوں کا ذکر فرمایا۔ [2]

بنو عامر ۹ھ

بنو عامر [3] کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس بن عیلان کی شاخ تھا، بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمٰی۔ عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہاں تھے، یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہو چکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا، جبار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوصِ قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچ کر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبار اور مشہور صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں پہلے کے مراسم تھے، اس لئے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ انہیں کے گھر مہمان اُترے اور اسی تقریب سے کعب رضی اللہ عنہ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلۂ کلام میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے کہا ''أَنْتَ سَيِّدُنَا۔ ''حضور ﷺ ہمارے آقا ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: "السيد الله" ''آقا خدا ہے'' انہوں نے پھر عرض کی، حضور ﷺ! ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں، ارشاد ہوا، بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو بہکا نہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ [4]

عامر بن طفیل نے کہا، ''محمد ﷺ! تین باتیں ہیں، اہلِ بادیہ پر تم حکومت کرو، اور شہر میرے قبضہ میں ہوں، اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میں غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔'' عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمد ﷺ کو باتوں میں لگاؤں گا، ادھر تم ان کا کام تمام کر دینا، اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی، نبوت کے غیر مرئی جاہ و جلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب اداء الخمس من الايمان: ٥٣، ٨٧ و صحيح مسلم باب الايمان، باب الامر بالايمان: ١١٦ تا ١٢٠۔ (نقیر کے متعلق سوال کا ذکر بخاری کے بجائے مسلم ہی میں ہے)''ض''

[2] مسلم اور دیگر کتب صحاح میں عبدالقیس کے اسی وفد کا ذکر ہے، ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس میں ۴۰ آدمی شریک تھے اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیے ہیں (ارشاد الساری، ج۱، ص: ۱۶۹؛ دار الطباعۃ مصر: ۱۲۸۸ھ) پہلا تقریباً ۵ھ میں اور دوسرا ۱۰ھ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں بعینہٖ یہی تحقیق کی ہے (ج۸، ص: ۶۷) لیکن کتاب الایمان کی شرح میں دونوں روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (ج۱، ص: ۱۲۱)

[3] اضافہ۔

[4] مشكوة، باب المفاخرة بحواله ابو داود، كتاب الادب، باب في كراهية التماد، ح: ٤٨٠٦۔

تھیں، دونوں اٹھ کر چلے آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''خدایا ان کے شر سے بچانا۔'' عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی، عامر نے کہا: مجھے گھوڑے پر بٹھا دو، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔ جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دار السلام سے واپس آئے۔ [1]

حمیر وغیرہ کی سفارت

حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی، سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں ان کا لقب قیل تھا، یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہرا، بنو بکا وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔ [2]

---

[1] عام واقعات ابن اسحاق وزرقانی سے ماخوذ ہیں، عامر کی تقریر اور اس کی موت کا واقعہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الرجیع: ۴۰۹۱ میں مذکور ہے۔

[2] تاریخ طبری، ج ٤، ص: ۱۷۲۰، واقعات ۹ھ۔

تاسیسِ حکومتِ الٰہی

استخلاف فی الارض

﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ (۲۴/ النور:۵۵)

(تیرہ [1] وتار راتوں کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔ گھنگھور گھٹائیں جب چھٹ جاتی ہیں تو خورشید تاباں ضیا گستری کرتا ہے۔ دنیا گناہ گاریوں اور ظلم وستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتاً صبحِ سعادت نے ظہور کیا، اور حق وصداقت کا آفتاب پرتو افگن ہوا، عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔

خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا:

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾ (۲۴/ النور:۵۵)

”خدا نے تم میں سے ایمانداروں اور نیکو کاروں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گزشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی اور ان کے اس مذہب کو جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا تھا، یقیناً قوت بخشے گا اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا، کہ مجھ کو پوجیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔“

حکومتِ الٰہی واستخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں، لیکن جب دعوتِ الٰہی سیاست ملکی کی دیواروں سے آ کر ٹکراتی ہے، یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی وانتشار حال کے کانٹوں میں الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیم [2] وموسیٰ علیہما السلام کے قالب میں آگے بڑھتا ہے اور قوم وملک کو نمرود وفراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ پیغمبروں میں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام بھی گزرے ہیں جن کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا اور موسیٰ اور داؤد وسلیمان علیہم السلام بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام بھی تھے اور موسیٰ وداؤد علیہما السلام بھی۔ عرب کے خزانے دست تصرف میں تھے لیکن کاشانۂ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذائے لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعتِ شاہانہ تھا، نہ جیب وآستیں میں درہم ودینار، عین اس وقت جب اس پر کسریٰ وقیصر کا دھوکا ہوتا تھا وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

اسلام کی حکومت کی غرض وغایت جس کو خدا نے خود اپنے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے یہ تھی:

---

[1] یہ پورا باب اضافہ ہے۔ ”س“

[2] حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے قبیلہ کے شیخ تھے۔ چار سو غلاموں کی فوج ساتھ رہتی تھی۔ شام واطرافِ بابل کے کئی بادشاہوں سے ان کو لڑنا پڑا اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ ان کی اولاد کو ارضِ مقدس کی حکومت عطا کرے گا۔ (توراۃ سفرِ تکوین اصحاح ۱۲، ص: ۱۸، ۱۹ مطبوعہ مدرسہ آکسفورڈ ۱۸۹۰ء)

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴾ (۲۲/ الحج:۳۹ تا ۴۱)

''مسلمان جن سے (بلاسبب) جنگ کی جاتی ہے، اب ان کو بھی جنگ کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے سوا اس کے ان کا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ہی ہمارا خدا ہے۔ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں، کلیسے، عبادت گاہیں مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، برباد کر دی جائیں، جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ خدا طاقتور اور غالب ہے۔ (مسلمان وہ ہیں) جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کریں، مستحقین کی مالی اعانت کریں، (زکوٰۃ دیں) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں، برائیوں سے روکیں، انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

ان آیتوں میں بالا جمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوات کی ابتدا کیوں اور کیونکر ہوئی؟ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہیں اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے؟ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا۔ یہاں عرب کے نظم و نسق کے متعلق عام اور جزئی باتیں بیان کرنی مقصود ہیں۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے ملک کے ہر گوشہ میں دعاۃِ اسلام پھیلے ہوئے ہیں، قبائل دور دراز صوبوں سے بارگاہِ نبوت کا رخ کر رہے ہیں فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا، جو رمضان ۸ ھ کا واقعہ ہے، اسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبائل میں محصلینِ زکوٰۃ کا تقرر فرمایا لیکن اصل خلافتِ الٰہی کے تمام اجزا اواخر ۱۰ ھ میں زمانہ حجۃ الوداع کے قریب مکمل ہوئے۔

یورپ کی ناآشنا نگاہ میں اگرچہ آپ ﷺ کی زندگی کا یہ دورِ جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز مظہر تھا لیکن آشنایانِ حقیقت کو شہنشاہِ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں، مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج و تخت سے بے نیاز قصر و ایوان سے مستغنی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال و زر سے خالی، خدم و حشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا تھا، نہ اس کی حکومت میں پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد اربابِ مناصب، نہ وزرائے شوریٰ، نہ امرائے سیاست، نہ الگ

الگ حکام وقضاۃ، وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض وخدمت کی خود ذمہ دار تھی لیکن بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کے برابر بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا، ❶ اس کے عدل وانصاف کے آگے فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر تھے۔ ❷

آنحضرت ﷺ کی اصل بعثت کا مقصد دعوت مذہب، اصلاح اخلاق، اور تزکیۂ نفوس تھا، اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے۔ اس بنا پر انتظامات ملکی آپ نے اسی حد تک قائم کیے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے، تاہم یہ کام بھی کچھ اہم نہ تھا۔

انتظام ملکی

عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی لیکن اس عمر میں بھی اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے، ولاۃ اور عمال کا تقرر مؤذنین اور ائمہ کا تعین، محصلین زکوۃ وجزیہ کی نامزدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے لیے تعین وظائف، اجرائے فرامین، نومسلموں کے انتظامات، مسائل شرعیہ میں افتا، جرائم کے لیے اجرائے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدہ داروں کی خبر گیری اور احتساب، دور کے صوبوں میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم گورنر اور والی بنا کر بھیج دیے گئے تھے، لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے۔

خلافت الٰہی کے ان فرائض واعمال نے آپ ﷺ کے دل ودماغ پر جو بار عظیم ڈالا، اس نے آپ کے نظام جسمانی کو چور چور کر دیا۔ عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا، اس کا جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے سننا چاہیے جن سے بڑھ کر آپ ﷺ کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہوسکتا:

عن عبد اللہ بن شقیق قال سالت عائشۃ...... فکان یصلی قاعداً؟ قالت حین حطمہ الناس۔ ❸

”عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، انہوں نے کہا، ہاں لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپ کو چور چور کر دیا تھا۔“

امیر العسکری

چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے، لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے ان کی قیادت خود آپ ﷺ بہ نفس نفیس فرماتے تھے، چنانچہ بدر، احد، خیبر، فتح

❶ ابو داود، کتاب الصلوۃ، باب الامام یصلی من قعود: ٦٠٢۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع: ٦٧٨٧۔ ❸ ابو داود، کتاب الصلوۃ، باب فی صلوۃ القاعد: ٩٥٦۔

مکہ، تبوک، میں خود آپ ﷺ ہی امیر العسکر تھے۔اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا اور آخری فتح وظفر حاصل کرنا نہ تھا بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے وہ احادیث میں بہ تصریح مذکور ہیں اور اسلام کا قانون جنگ اسی دار و گیر کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے۔

افتا

آپ کے عہد مبارک میں اگرچہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپ ﷺ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے۔فتویٰ دینے کے لیے آپ ﷺ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے آپ ان کا جواب دیتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے کتاب العلم میں ان فتاویٰ کو اس قسم کے متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔خلافت کا یہی فرض تھا جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا۔

فصل قضایا

اگرچہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں عہدۂ قضاۃ قائم ہو چکا تھا اور حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا، تاہم مدینہ اور اس کے حوالی ومضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے، اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے:

باب ماذكر ان النبی ﷺ لم يكن له بوّاب ۔ [1]

''یعنی آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر دربان نہ تھا۔''

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ ﷺ اطمینان وسکون کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔عورتوں کے معاملات عموماً زنان خانہ ہی میں پیش ہوتے تھے۔احادیث کی کتابوں میں آپ کے فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔عموماً احادیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ میں فوجداری کے مقدمات مذکور ہیں۔

توقیعات وفرامین

یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک میں اگرچہ ادر صیغوں کا کوئی مستقل دفتر نہیں قائم ہوا تھا تاہم توقیعات وفرامین کے لیے اس کی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور آخر میں معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مامور ہوئے ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام، رقم الباب:۱۱۔

دیتے تھے آپ نے سلاطین وملوک کو دعوتِ اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے غیر قوموں کے ساتھ جو معاہدے کیے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کئے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو حدیثیں لکھوائیں، وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔ زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام و فرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ [1]

مہمان داری

منصبِ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہوگئی تھی اس لیے آپ کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کا تعلق بھی خلافتِ الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا اور آپ اسی حیثیت سے ان کی مہمان داری فرماتے تھے۔ مہمانوں کی زیادہ تر تعداد قبولِ اسلام کے لیے آتی تھی جن کی مہمان داری کے لیے آپ نے ابتدائے نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو مامور فرمادیا تھا چنانچہ جب کوئی تنگ دست مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور وہ قرض لے کر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعے سے وہ قرض ادا کیا جاتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ میں صرف کیا جاتا [2] کبھی کبھی اس غرض کے لیے آپ تمام صحابہ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے اور جو رقم وصول ہوتی وہ ان مفلوک الحال مہاجرین کی اعانت میں صرف ہوتی۔ چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا برہنہ سر جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے میں ایک تلوار حمائل تھی۔ آپ نے ان کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا، فوراً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی، اس کا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری اٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ ان سے بہ مشکل اٹھ سکتا تھا، لا کر آپ کے آگے ڈال دیا۔ اس سے تمام لوگوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا۔ تھوڑی دیر میں ان بے سروسامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا۔ [3]

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے۔ آپ بہ نفس نفیس ان کی خاطر مدارات کرتے تھے اور ان کے لیے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے، قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ آپ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپ نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی:

((اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم)) [4]

---

[1] الفصل السادس فی امرائه ورسله وكتابه وكتبه الخ، ج٣، ص: ٣٥٦۔ [2] ابو داود، كتاب الخراج والامارة، باب فی الامام يقبل هدايا المشركين: ٣٠٥٥۔ [3] مسند احمد، ج٤، ص: ٣٥٨، ٣٥٩۔

[4] صحيح بخاری، كتاب الجزية والموادعة، باب اخراج اليهود من جزيرة العرب: ٣١٦٨۔

”جس طرح میں وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرو۔“

وفود کے حالات آگے آتے ہیں۔

عیادتِ مرضیٰ

مریضوں کی عیادت اور ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتدا بھی ہوئی چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دمِ نزع، میت کے اعزہ آپ کو اطلاع دیتے۔ آپ ﷺ ان کے پاس آ کر اُن کے لیے دعائے مغفرت کرتے [1] لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہو گیا تھا کیونکہ بعض صحابہ اس حالت میں اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے اور آنحضرت ﷺ اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے۔ جن لوگوں پر قرض آتا تھا آپ اُن کے جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لیے اُن کے ورثہ یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا۔ اور اس طرح بعض معاملات و نزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا، چنانچہ احادیث میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

احتساب

تمدنِ اسلام کے دورِ ترقی میں محکمۂ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شراء، اور معاملاتِ داد وستد کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا، بلکہ خود ہی آپ اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ ہر شخص کے جزئیاتِ اخلاق اور فرائضِ مذہبی کے متعلق آپ وقتاً فوقتاً دار و گیر فرماتے رہتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی اور مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی آپ نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا، لیکن تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا چنانچہ آپ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے ان پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب البیوع میں ہے:

لقد رأیت الناس فی عھد النبی ﷺ یبتاعون جزافاً یعنی الطعام یضربون ان یبیعوہ فی مکانھم حتی یؤوہ الی رحالھم۔ [2]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔“

---

[1] مسند احمد، ج۳، ص: ٦٦۔ [2] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من رای اذا اشتری طعاما جزافا: ۲۱۳۷۔

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیے آپ ﷺ خود بازار تشریف لے جاتے، ایک بار آپ بازار میں گزر رہے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی۔ دوکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ "پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا، تاکہ ہر شخص کو نظر آئے جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔" [1]

فرائض احتساب میں آپ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا۔ یعنی جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ نے ان کا جائزہ لیا، تو انہوں نے کہا: یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا۔" اس کے بعد آپ نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ [2]

اصلاح بین الناس

اسلام تمام دنیا کے تفرقوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا اور جب آپ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی، تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہیں لائے تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی آپ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہیں۔ آپ نے اگرچہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں لیکن آپ کی موجودگی میں انہوں نے امامت کرنا سوئے ادب خیال کیا اس لیے پیچھے ہٹ آئے، اور آنحضرت ﷺ آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ [3]

ایک بار اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے باہم سنگ اندازی کی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے [4]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا: ٢٨٤۔ [2] بخاری، کتاب الاحکام، باب ھدایا العمال: ٧١٧٤۔ [3] بخاری، کتاب الصلح، باب ما جاء فی اصلاح بین الناس: ٢٦٩٠۔

[4] بخاری، کتاب الصلح، باب قول الامام لاصحابه: اذهبوا بنا نصلح: ٢٦٩٣۔

(یہ دونوں واقعات گو امام بخاری نے الگ لکھے ہیں، لیکن شراح حدیث کی تحقیق میں یہ ایک ہی واقعہ کے دو حصے ہیں) بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی دور پیدل گئے تھے۔

ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا کچھ قرض تھا انہوں نے مسجد میں تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے، بات زیادہ بڑھی اور شور وغل ہوا تو آپ گھر کے اندر سے نکل آئے اور کعب رضی اللہ عنہ کو پکارا، کعب رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا تو آپ نے فرمایا کہ "نصف معاف کر دو۔" وہ راضی ہو گئے تو آپ ﷺ نے حدرد سے کہا کہ "جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کر دو۔" [1] اس قسم کے سینکڑوں جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

مدینہ میں اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ارباب استعداد کو مختلف عہدوں پر نصب فرمایا۔ کتابت وحی، نامہ و پیام، اجرائے احکام وفرامین کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدۂ انشا اور کتابت کی تھی، اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لیے رحمتوں کا جو خزانہ لایا تھا، اس میں ایک یہ شے بھی تھی۔ اسیران بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ [2] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جن کے متعلق کتابت وحی کی مقدس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا ایک جزو کتابت کی تعلیم بھی تھی۔ [3]

کتاب

عہدۂ قضا گویا آنحضرت ﷺ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی۔ اس لیے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کیے گئے۔ جن میں شرحبیل بن حسنہ کندی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ یہ نہایت قدیم الاسلام تھے، مکہ میں انہی نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا۔ قریش میں سب سے پہلے کاتب عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے، مدینہ میں اس کی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت خالد بن سعید بن العاص، حضرت علاء بن حضرمی، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی، چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، امرا اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ لکھتے تھے اور امرائے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن

---

[1] بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح بالدین والعین: ۲۷۱۰۔ [2] مسند امام احمد، ج ۱، ص: ۲۴۷۔
[3] ابو داود، کتاب الاجارۃ، باب فی کسب المعلم: ۳۴۱۶۔

کعب رضی اللہ عنہ کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہِ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔ [1]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی جس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا جن کی مذہبی زبان عبرانی تھی۔ اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور انہوں نے پندرہ دن میں اس میں مہارت حاصل کر لی۔

حکام اور ولاۃ

فصل قضایا، اقامتِ عدل، بسطِ امن، رفعِ نزاع کے لیے متعدد ولاۃ حکام کی ضرورت تھی، اس غرض سے آپ ﷺ نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف مقامات کا حکام و والی مقرر فرما دیا، چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے: [2]

نام	تفصیل
باذان بن ساسان رضی اللہ عنہ	بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرما دیا۔
شہر بن باذان رضی اللہ عنہ	باذان بن ساسان رضی اللہ عنہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔
خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	شہر بن باذان رضی اللہ عنہ مارے گئے تو ان کے بعد آپ ﷺ نے ان کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔
مہاجر بن امیۃ المخزومی رضی اللہ عنہ	آپ نے ان کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے انتقال فرمایا
زیاد بن لبید الانصاری رضی اللہ عنہ	حضر موت کے والی تھے۔
ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ	زبید، عدن، زمعہ، وغیرہ کے والی تھے۔
معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	والی جند۔
عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ	والی نجران۔
یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	والی تیما۔
عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ	والی مکہ۔
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	متولی اخماسِ یمن۔
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	والی عمان۔

[1] ان بزرگوں کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی، ج ۳، ص: ۳۷۳ میں مذکور ہیں۔

[2] دیکھو زرقانی، ج ۳، ص: ۴۳۳ و ما بعد۔

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	والی بحرین۔

ان ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو صنعاء پر، مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو حضر موت پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جند، پر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو زبید، زمعہ، عدن اور سواحل پر۔ [1]

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔ [2] ملکی انتظام، فصل مقدمات اور تحصیلِ خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعتِ اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغِ دین اور معلّمِ اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ استیعاب، تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں ہے۔

وبعثه رسول الله ﷺ قاضيًا الى الجند من اليمن يعلم الناس القرآن وشرائع الاسلام ويقضى بينهم وجعل اليه قبض الصدقات من العمال الذين باليمن۔ [3]

”آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور جو عمال یمن میں تھے ان کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے متعلق تھی۔“

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت ﷺ ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی:

((انك تأتى قوما من اهل كتاب فادعهم الى شهادة ان لا اله الا الله وانى رسول الله فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوت فى اليوم والليلة فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة اموالهم تؤخذ من اغنياء هم وترد الى فقرائهم فان هم اطاعوا لذلك فاياك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانها ليس بينها وبين الله حجاب))۔ [4]

”تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو پہلے ان کو کلمۂ توحید کی دعوت دو، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی مان

---

[1] استيعاب تذكرة معاذ بن جبل ، جزء اول ، ص: ٢٤٦ دائرة المعارف حيدرآباد: ١٣١٨ھ۔

[2] مسند ابن حنبل، ج٥ ، ص: ١٨٦۔ [3] استيعاب ابن عبدالبر ، جزء اول ، ص:٢٤٦۔

[4] ترمذى ، كتاب الزكوة ، باب ماجاء فى كراهية اخذ خيار المال فى الصدقة: ٦٢٥۔

لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امرا سے لے کر ان کے غربا پر تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیوں کہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔''

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپ ان لوگوں کے تبحرِ علمی اور طرزِ عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا۔ ترمذی میں ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ لمعاذ بن جبل حين وجهه الى اليمن **((بم تقضى))** قال بما في كتاب اللّٰه قال: **((فان لم تجد في كتاب اللّٰه))** قال بما في سنة رسول اللّٰه قال: **((فان لم تجد في سنة رسول اللّٰه))** قال اجتهد برائي فقال رسول اللّٰه ﷺ: **((الحمد للّٰه الذي وفق رسول رسول اللّٰه لما يحب رسول اللّٰه))**۔ [1]

''رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: ''کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کرو گے۔'' انہوں نے کہا: قرآن مجید سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے۔'' انہوں نے کہا: احادیث سے پھر آپ نے فرمایا: ''اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق ہدایت نہ ملے؟'' تو انہوں نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔''

لیکن اہلِ عرب کے دلوں کے مسخر کرنے کے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق و ملاطفت نرمی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ گورنروں کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے چنانچہ جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی:

((يسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا))۔ [2]

''آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو وحشت زدہ نہ کرنا باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔''

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے:

((احسن خلقك للنّاس))۔ [3]

---

[1] ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی: ۱۳۲۷؛ ابو داود، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرای فی القضاء: ۳۵۹۲؛ مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۲۔ [2] مسلم، کتاب الجهاد، باب فی الامر بالتیسیر...... : ۴۵۲۶۔ [3] ابن سعد تذکرہ معاذ بن جبل، جزء ثالث، قسم ثانی ص: ۱۲۱۔

''لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا۔''

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم دل کیوں نہ ہو لیکن ابتدا میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کے مطیع کرنے کے لیے اس کو مجبوراً سختیاں کرنی پڑتی ہیں، تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی اسی مقدس تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ ریگستانِ عرب کا ایک ذرہ بھی ولاۃ کے مظالم کے سنگِ گراں سے نہ دبا یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم عمالِ حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت استعجاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی: لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جا رہی ہے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا:

اشهد لسمعت رسول اللهﷺ يقول: ((ان الله يعذب الذين يعذبون الناس في الدنيا))۔ [1]

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔''

محصلین زکوٰۃ وجزیہ

عرب کا خلوص اور جوشِ ایمان اگرچہ خود اُن کو صدقہ وزکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ ﷺ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا' لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کے لیے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لیے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ ھ کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ وزکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہرحال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں میں متعین فرمایا: [2]

---

[1] صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب الوعيد الشديد لمن عذب الناس بغير حق: ٦٦٥٨۔

[2] اس فہرست کے اکثر نام ابن سعد ، جزء ثانی ، قسم اول ، ذكر مغازی ، ص:١١٥ میں مذکور ہیں۔ عمر فاروق محمیہ اور ابوعبیدہ بن جراح کا ذکر بخاری ، كتاب الزكاة: (١٤٧٣)؛ كتاب الجزية: ٣١٥٨ نوٹ: ابن الاتبیہ کا ذکر بھی كتاب الاحكام: ٧١٧٤ میں ہے۔ تاہم محمیہ کا ذکر بخاری کے بجائے مسلم ، كتاب الزكاة: ٢٤٨٢ میں ہے۔ اور بعض کا ابو داود ، كتاب الخراج ، میں ہے بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین وامرائے نبوی ﷺ (ج ا،ص:٦٢ مطبوعہ مصر) اور فتوح البلدان بلا ذری دیکھو۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ	بنولیث
صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ [1]	بنی عمرو	ایک ہذیلی رضی اللہ عنہ	بنو ہذیم
مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ	بنو حنظلہ	عمر فاروق رضی اللہ عنہ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ	غفار و اسلم	ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی رضی اللہ عنہ	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ	جہینہ	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضر موت
زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	بنو سعد	ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ	//	خالد رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	بنو فزارہ	ابان بن سعید رضی اللہ عنہ	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ	بنو کلاب	محمیہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ [2]	تحصیل خمس
بسر بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ	بنو کعب	عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	تیماء
عبداللہ بن اللتبیہ رضی اللہ عنہ	بنو ذبیان	عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ	بنو تمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ ﷺ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے:

[1] ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوۃ کی کیا مقدار ہے؟ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ((ایاك وكرائم اموالهم)) یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سر مو تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا محصل آیا، میں جا کر اس کے پاس بیٹھا، تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی، چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور اس کی خدمت میں پیش کی، لیکن اس نے انکار کر دیا [3] اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ مجھ کو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ [4]

[2] عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی، جو جنگلوں میں، بیابانوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتوں کی طرح

[1] اصابه باب صفوان۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقة ٢٤٨٢۔ یہ غزوہ بنی مصطلق میں مال غنیمت کی تحصیل پر مامور کیے گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد، جزء رابع، قسم اول، ص: ١٤٦۔

[3] نسائی، کتاب الزکوٰة، باب الجمع بین المتفرق: ٢٤٥٩۔

[4] نسائی، کتاب الزکوٰة باب اعطاء السید المال: ٢٤٦٤۔

جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لا کر محصلین کے سامنے پیش کرتے، محصلوں کو خود ان دروں میں جا کر زکوٰۃ وصول کرنا پڑتی تھی۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں، یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے۔ [1]

[3] اگر چہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز کرتے تھے، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو۔'' [2] لیکن بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن اللتْبیة کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور آپ نے ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا؟'' اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ [3]

[4] چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا اس لیے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے، آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہو گیا ہے تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے، تا کہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیے سرمایہ مہیا کریں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ آلِ محمد کے لیے جائز نہیں ہے، وہ لوگوں کا میل ہے۔'' [4]

[5] عمّال کا انتخاب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے۔ ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''تم کیا کہتے ہو'' انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا: ''جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں کرتے۔'' لیکن اسی وقت حضرت ابو موسیٰ کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ [5]

[1] نسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء السید المال: ٢٤٦٤۔ [2] فتوح البلدان، ص: ٣١۔
[3] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب تحریم هدایا العمال: ٤٧٣٨۔ [4] صحاح کتاب الصدقات دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقة: ٢٤٨١، ٢٤٨٢۔
[5] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النهی عن طلب الامارة: ٤٧١٧، ٤٧١٨۔

6 عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ نے عام منادی فرمادی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے، مقدارِ ضرورت کی تصریح خود آپ ﷺ نے فرمادی تھی: [1]

((من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة فان لم يكن له خادم فليكتسب خادما فإن لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا من اتخذ غير ذلك فهو غال))۔

''جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے۔ اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو گھر کا، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔''

آپ ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملا تھا، چنانچہ ان کے عہدِ خلافت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے زہد و تقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا۔

قضاۃ

ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے مثلاً فصلِ مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عبدالرحمن بن عوف، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔

پولیس

اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا اور اس کی ابتدا بنو امیہ کی سلطنت میں ہوئی [2] تاہم آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا چنانچہ آپ کے عہد مبارک میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ [3]

جلاد

مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت، ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہم کے سپرد تھی۔ [4]

غیر قوموں سے معاہدے

عرب میں اب کفر اور شرک کا بالکل وجود نہ تھا، کہیں کہیں صرف مجوس، نصاریٰ اور یہود کی آبادیاں

---

[1] ابو داود، کتاب الخراج والفيء والامارة، باب ارزاق العمال: ۲۹۴۳، ۲۹۴۵ میں دونوں حدیثیں شامل ہیں۔

[2] فتح الباری، ج ۱۳، ص: ۶۱۰۔ [3] بخاری، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل: ۷۱۵۵۔

[4] زادالمعاد ابن قیم، ج ۱، ص: ۳۲ مطبوعہ مصر۔

تھیں، ان میں سے معتدبہ افراد نے گو نورِ ایمان سے قلوب کو روشن کر لیا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے۔ تاہم خلافتِ الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے۔ حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع، عاقل، بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی، اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پائی۔ ❶ غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ۷ھ میں خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔ اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا، اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے۔ وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے ❷ اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔ ❸

۹ ہجری میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے۔ نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آ کر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ شرائطِ صلح یہ تھے کہ ''وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسط میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب میں ادا کریں گے، اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے، اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہوں گے، اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے نہ ان کے گرجے ڈھائے جائیں گے نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے، نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔'' ❹

حدودِ شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہیں لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب ادھر سے گزریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی ❺ ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں ❻ بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔ ❼

---

❶ زاد المعاد ابن قیم، ج ۱، فصل جزیه، ص:۳۳۷۔ ❷ زاد المعاد ابن قیم، ج ۱، ص:۳۳۸۔
❸ بخاری، کتاب المغازی، باب معاملة النبی ﷺ اهل خیبر: ۴۲۴۸ ومسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب المساقاة والمعاملة: ۳۹۶۲تا۳۹۶۷ وابو داود، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر: ۳۰۰۸ وفتوح البلدان بلاذری ذکر فدك ووادی القریٰ وتیماء، ص:۳۶۔ ❹ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اخذالجزیة: ۳۰۴۱۔ ❺ فتوح البلدان، بلاذری، ذکر تبوك وایلة الخ، ص:۶۶۔
❻ ابوداود، کتاب الخراج، باب فی اخذ الجزیة: ۳۰۳۸ وتاریخ بلا ذری ذکر بحرین، ص:۸۶۔
❼ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اخذ الجزیة من المجوس: ۳۰۴۴۔

اصناف محاصل ومخارج

مختلف اغراض ومصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔غنیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ، خراج، اول ودوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا، عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا، جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے، اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا، تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا، جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومتِ الٰہی کے مصالح واغراض کے لیے مخصوص فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ ﴾ (۸/ الانفال:۱)

''اے پیغمبر! لوگ تجھ سے مالِ غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔''

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے بلکہ مصالح کی بنا پر صاحبِ خلافت جس طرح مناسب سمجھے اس کو صرف کر سکتا ہے۔اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ ﴾ (۸/ الانفال:٤١)

''مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا، رسول، اہل قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے۔''

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس میں آنحضرت ﷺ نے مالِ غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا، ہمیشہ آپ کا یہ طرزِ عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبہ سپاہیوں پر برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سواروں کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے۔ [1] خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا، آیت بالا میں جن اربابِ استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر ان ہی پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ

صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی۔نقد روپیہ، پھل اور پیداوار، مویشی، (بجز گھوڑا) اسبابِ تجارت [2] دوسو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (۳۰۰ صاع بہ

[1] ابو داود، کتاب الخراج، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر: ۳۰۱۵ بروایت ابو یعقوب بن مجمع۔

[2] ابو داود، کتاب الزکوٰۃ، باب العروض اذا کانت للتجارۃ: ۱۵٦۲۔

تحقیق امام ترمذی) ❶ یا پانچ وسق سے زیادہ ہو۔ سونا اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا، مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔

اراضی کی دو قسمیں کی گئیں ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے ❷ اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا، اور جس کو آب پاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ ❸ سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی۔ ❹

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کردی تھی، فقراء، مساکین، نومسلم، غلام جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر، محصلینِ زکوٰۃ کی تنخواہ، دیگر کارِ خیر عموماً جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی، وہیں کے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہوگئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے اُن سے رقم کا مطالبہ کیا، انہوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا۔ ❺ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((وصدقة توخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم))۔ ❻

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا اس کی مقدار متعین نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہر مستطیع، بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی۔ عہد نبوی میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول کی جاتی تھی۔

خراج غیر مسلم کاشت کاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہوگیا ہو اس کا نام خراج ہے۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا، پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا، آنحضرت ﷺ کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے، وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے۔ رفع اشتباہ کے لئے تخمینہ میں سے ثلث کم کر دیا جاتا تھا ❼ بقیہ برحسب شرائط خراج وصول کیا جاتا۔ خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔ جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ضرورت کے وقت والنٹیر سپاہی تھے، جو کچھ وصول ہو کر آتا، آنحضرت ﷺ سب کو اسی وقت تقسیم فرما دیتے، اول آپ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام

---

❶ ترمذی، ابواب الزکوۃ، باب ما جاء فی صدقة الزرع والثمر والحبوب: ٦٢٧۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء.....: ١٤٨٣۔ ❸ ترمذی، ابواب الزکوۃ، باب ماجاء فی الصدقة فیما یسقی بالانہار: ٦٣٩۔ ❹ ایضا، باب ما جاء فی زکوۃ الخضراوات: ٦٣٨۔

❺ ابو داود، کتاب الزکوۃ، باب فی الزکاۃ ھل تحمل من بلد الی بلد: ١٦٢٥۔ ❻ بخاری، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ: ١٣٩٥۔ ❼ ابوداود، کتاب الزکوۃ، باب فی الخرص: ١٦٠٥۔

رہ چکے تھے۔ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے،اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے جو لوگ صاحب اہل وعیال ہوتے تھے ان کو دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ [1]

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی

ملکِ عرب کا اکثر حصہ ریگستانی، پتھریلا، شور اور بنجر تھا۔جو سرسبز قطعات تھے، ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔مدینہ اور طائف میں البتہ کاشتکاری ہوتی تھی، بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے۔اس بنا پر قیامِ امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے۔حجاز یمن میں غیر قوموں کے انخلا کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہوگئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ نے عام طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دی۔

((من احیا ارضا مَیْتة فهی له [2] من احاط حائطا علی ارض فهی له))۔ [3]

”جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے،جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔“

ترغیبِ عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔بنونضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہِ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرما دیا۔خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار میں تقسیم فرمادی جو حدیبیہ میں شریک تھے لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا۔پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے [4] اور جو زمینیں آباد تھیں ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا، چنانچہ عک، ذوخیوان اور ایلہ،اذرح، نجران وغیرہ میں اسی طرح معاملات طے پائے۔افتادہ زمینیں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بطور جاگیر عطا فرما دیں۔حضرت وائل رضی اللہ عنہ کو حضر موت میں ایک قطعۂ زمین عنایت فرمایا، بلال بن حارث رضی اللہ عنہ مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانیں مرحمت فرمائیں، [5] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں جاگیریں عطا کیں۔بنورفاعہ کو دومۃ الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا۔ایک بار آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا

---

[1] ابو داود، کتاب الخراج، باب فی قسم الفيء: ٢٩٥٣۔

[2] ابو داود، باب فی احیاء الموات: ٣٠٧٣۔ [3] ایضا: ٣٠٧٧۔

[4] ابو داود، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر: ٣٠٠٦۔

[5] ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین: ٣٠٦١ تا ٣٠٦٣۔

گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر میں داخل ہوگی، چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا۔ جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا اور وہ جس نقطے پر گرا وہی ان کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ [1] عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمۂ آب کی تھی، چنانچہ ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا: ((من سبق الی ما لم یسبقه الیه مسلم فهو له)) [2] یعنی ''جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرلے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے۔'' تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کرلیے۔

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دور سے آ کر آنحضرت ﷺ سے جاگیروں کی درخواست کرنا شروع کی، ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جس کو آپ ﷺ نے منظور فرمالیا، لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ ﷺ نے ان کو جو کچھ جاگیر میں عطا فرمایا ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے، چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپ ﷺ نے اس کو واپس لے لیا۔ [3]

یہ تمام فیاضیاں صرف انہیں چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہوسکتا تھا لیکن جو چیزیں رفاہ عام کے کام میں آسکتی تھیں ان کو آپ ﷺ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہیں متعین کرلیتے تھے، جن کو حمی کہتے تھے، عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، لیکن ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ نے جب اس کو اپنے حمی میں داخل کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا ((لا حمی فی الاراك))۔ [4] عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیے رؤسا اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کرلیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی اس لیے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔ [5]

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے جس کے ایک طرف بکر بن وائل رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے۔ حریث بن حسان رضی اللہ عنہ نے بکر بن وائل رضی اللہ عنہ کے لیے اس زمین کی درخواست کی آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا، اتفاق سے اس وقت ایک تمیمیہ موجود تھی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے، اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے چاری سچ کہتی ہے، فرمان نہ لکھو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہوسکتا ہے۔'' [6]

---

[1] ابوداود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۷۲۔ [2] ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضیین: ۳۰۷۱۔ [3] ابوداود، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۴۔ [4] ابو داود، کتاب الخراج، باب فی إقطاع الأرضین: ۳۰۶۶۔ [5] ایضا: ۳۰۶۴، ۳۰۶۵۔ [6] ایضا: ۳۰۷۰۔

مذہبی انتظامات

(ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری ملکی انتظامات سر انجام پائے تھے، ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں، دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا تھا)۔

دعاۃ اور مبلغین اسلام

ایک مشہور مغربی مؤرخ نے لکھا ہے کہ ''مدینہ میں آ کر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خدا پر ایمان لایا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمد ﷺ کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔'' [1] اسلام کا مقصد وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۲۲/ الحج:۴۱)

''وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اگر طاقت دیں تو نماز قائم کریں، زکوۃ دیں، اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔''

اس بنا پر ہر مسلمان، واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی بھی اور ماہر شریعت بھی، یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب میں اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا میں لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا یا ایک ایک گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کا دارالعلم بن گیا تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہیں مل سکتا تھا، اس لیے یہ ضروری قرار پایا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دے سکیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں حکم آیا:

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (۹/ التوبۃ:۱۲۲)

''اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آ سکتے، اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے، تاکہ وہ شریعت میں تفقہ حاصل کریں اور تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید لوگ بری باتوں سے بچیں۔''

---

[1] دیکھو ولہوسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر، انسائیکلو پیڈیا۔

اُن کی تعلیم و تربیت

چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ جس کی گفتار، کردار، بات چیت، نشست و برخاست، قول و عمل ایک ایک چیز تعلیمِ نبوی ﷺ کے پرتو سے منور ہو جائے، تا کہ وہ تمام ملک کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

کان ینطلق من کل حی من العرب عصابة فیأتون النبی ﷺ فیسألونه عما یریدون من امر دینهم ویتفقهوا فی دینهم۔ [1]

''عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے پاس جاتا تھا اور آپ ﷺ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔''

داعیان اسلام جو اطراف عرب میں بھیجے جاتے تھے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ میں آ جائیں اور یہیں بود و باش اختیار کریں، اس کا نام ہجرت تھا، اس بنا پر بیعت کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں، بیعتِ اعرابی اور بیعت ہجرت۔ بیعت اعرابی، صرف ان بدوؤں کے لیے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا۔ مختصر مشکل الآثار میں روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ بیعتِ اعرابی کرتے ہو یا بیعتِ ہجرت۔ اس کے بعد مصنف لکھتا ہے:

ان البیعة من المهاجر توجب علیه الاقامة بدار الهجرة عند رسول اللّٰه ﷺ لیصرف فیما یصرفه فیه رسول اللّٰه ﷺ من امور الاسلام وان البیعة اعرابیة بخلافها۔ [2]

''ہجرت کی بیعت کرنے سے لازم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قیام کرے تا کہ آنحضرت ﷺ ان کو اسلامی امور میں لگائیں اور بیعت اعرابی میں یہ ضروری نہیں۔''

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے تو اسی شخصوں کو لے کر آئے [3] اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ خلاصۃ الوفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں۔ [4] یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کر

---

[1] تفسیر خازن سورۃ توبۃ آیت ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً﴾ ج ۳، ص: ۱۳۶ مطبع التقدم العلمی مصر: ۱۳۳۱ھ۔ [2] مشکل الآثار الامام طحاوی، ج ۲، ص: ۲۹۶ دائرۃ المعارف حیدرآباد: ۱۳۳۳ھ۔

[3] آنے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے، صحیح بخاری میں ۵۳ اشخاص کا ذکر ہے، دیکھیے کتاب المغازی، غزوۃ خیبر: ۴۲۳۰ اور خود اس کتاب میں بھی وفود کے ذکر میں یہی تعداد لکھی ہوئی ہے ذکر اشعریین سے ہے۔

[4] خلاصۃ الوفاء سمہودی، ص: ۲۰۶ دار الطباعۃ مصر: ۱۲۸۵ھ۔

کے مدینہ میں آ گئے تھے اور چونکہ مسجد نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی اس لیے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں۔

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔

ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن تک قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ارجعوا الی اھلیکم فعلّموھم ومروھم وصلوا کما رأیتمونی اصلی)) [1]

''اپنے خاندان میں واپس جاؤ ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔''

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لیے صفہ خاص درس گاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب وروز، زہد وعبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے۔ حلقہ ذکر اور حلقہ درس، آنحضرت ﷺ حلقۂ درس میں جا کر بیٹھ گئے۔ [2] اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبان علم کو قراء کہتے تھے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔ [3] عرینہ میں جو لوگ تعلیم وارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے اور کتب حدیث میں ان کا نام اسی لقب (قراء) کے ساتھ آیا ہے۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل جاتا تھا اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحاب صفہ، اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہبند دونوں کا کام دیتا تھا، تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے [4] اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے اور آدھا اخوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درس گاہ کے معلمین میں سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو مشہور صاحب علم تھے اور جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ خلافت میں تعلیم فقہ وقرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا۔ ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

[1] بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ٦٠٠٨۔ [2] دارمی، المقدمة، باب فی فضل العلم والعالم: ٣٤٩۔ [3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع: ٤٠٨٨، ٤٠٩٠۔
[4] ایضا: ٤٠٩٠۔

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب فاهدى الیّ رجل منهم قوسًا۔ ❶

’’میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی اس کے صلہ میں مجھ کو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ میں دی۔‘‘

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ❷ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درس گاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابن حنبل میں ہے۔

عن انس كانوا سبعين فكانوا اذا جنهم الليل انطلقوا الى معلم لهم بالمدينة فيد رسون الليل حتى يصبحوا۔ ❸

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔‘‘

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگِ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسیران جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ ابوداؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا، چنانچہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

آنحضرت ﷺ ❹ اگرچہ ترقی و جاہ پرستی سے طبعًا نفور تھے اور اس لیے اینٹ اور مٹی پر صرف زر ناپسند فرماتے تھے، تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیسِ الٰہی تھا، اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریہ یا اہلِ محلّہ کو دن رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں، اس لیے آپ ﷺ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلّہ تھا اور ہر محلّہ میں ایک ایک مسجد تھی۔

❶ ابوداود، كتاب البيوع، باب فى كسب المعلم: ٣٤١٦۔ ❸ ايضًا۔

❷ مسند امام احمد، ج ٣، ص: ١٣٧۔ ❹ اضافه تاختتم باب مؤذنين۔

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ ﷺ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، ان کے نام یہ ہیں: مسجد بنی عمر، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم، مسجد جہینہ [1] ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے، مسجد بنی خدارہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیخ، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وایل، مسجد الشجرہ۔ [2]

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے، صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفرِ جہاد میں آپ ﷺ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو فطری شہادت ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ کی آواز سنی تو فرمایا: ''آگ سے نجات ہوگی۔'' صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے۔ [3] تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:

((اذا رایتم مسجدًا او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احدًا)) [4]

''اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرنا۔''

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہد نبوت میں اشاعتِ اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلہ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھی وہ ایک زمانہ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔

---

[1] مراسیل ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی الصلوۃ، ص: ۵۔

[2] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری، ج ۲، ص: ۴٦۸ سے ماخوذ ہے۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامساك عن الاغارۃ علی قوم فی دارالکفر: ۸۴۷۔

[4] ابو داود، کتاب الجھاد، باب فی دعاء المشرکین: ۲٦۳۵۔

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ ﷺ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، ان کے نام یہ ہیں: مسجد بنی عمر، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی رائح، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم، مسجد جہینہ [1] ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے، مسجد بنی خدارہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصلیٰ، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیح، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وایل، مسجد الشجرہ۔ [2]

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معمول کرلیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے، صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفرِ جہاد میں آپ ﷺ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو فطری شہادت ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ کی آواز سنی تو فرمایا: ''آگ سے نجات ہوگی۔'' صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے۔ [3] تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:

((اذا رایتم مسجدًا او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احدًا)) [4]

''اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرنا۔''

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہد نبوت میں اشاعتِ اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کرلی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلہ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھی وہ ایک زمانہ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔

---

[1] مراسیل ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی الصلوۃ، ص: ۵۔

[2] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری، ج ۲، ص: ٤٦٨ سے ماخوذ ہے۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامساك عن الاغارۃ علی قوم فی دارالکفر: ۸٤٧۔

[4] ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین: ۲٦۳۵۔

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام میں مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ بخاری کتاب الجمعہ میں ہے۔

عن ابن عباس انه قال ان اوّل جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله ﷺ في مسجد عبدالقيس بجواثى من البحرين۔ [1]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا جو بحرین کے ایک گاؤں میں جواثی نامی میں واقع تھی۔''

اہل طائف جب اسلام لائے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں، جہاں ان کا بت نصب تھا [2] حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔ [3]

اس قسم کی مسجدیں اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ میں تعمیر ہوئی ہوں گی لیکن عموماً احادیث کی کتابوں سے صرف ان مسجدوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے جو مدینہ اور حوالی مدینہ میں تعمیر ہوئیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حوالی مدینہ میں انصار کے جو گاؤں آباد تھے، عاشورا کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک دن ان میں منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہیں وہ اپنے روزے کو پورا کرلیں اور جو لوگ افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن روزہ رکھیں۔ اس اعلان کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچوں سے روزے رکھواتے تھے، یہاں تک کہ ان کو گھر سے باہر مسجد میں لے جا کر رکھتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے تو اُن کو اُن کے بنے ہوئے کھلونوں سے بہلاتے تھے۔ [4]

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے کہ ''مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟'' اور اس باب کے تحت میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے۔ [5] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلّہ میں آتے تھے۔ یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے وہ آکر کہتے تھے کہ مسجد نبوی میں نماز ہو چکی تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے۔ [6] ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدیں الگ الگ تھیں۔ صحاح کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن: ۸۹۲۔

[2] زاد المعاد، جلد ۱، ص: ۴۸۵، بروایت ابو داود الطیالسی مطبع نظامی کانپور: ۱۲۹۸ھ ج ۲، ص: ۲۶۔

[3] سنن نسائی، کتاب المساجد، باب اتخاذ البیع مساجد: ۷۰۲۔ [4] صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیة یومه: ۲۶۶۹۔ [5] صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب هل یقال مسجد بنی زریق: ۴۲۰۔ [6] مسند ابن حنبل، ج ۳، ص: ۲۳۲۔

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جماعت ہوتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا اسی پر عمل تھا۔ مدینہ میں جو قبائل آباد تھے ان کے علاوہ جو قبائل ہجرت کر کے آئے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کر لیتے تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

ولجهينة مسجد بالمدينة [1] ''مدینہ میں جہینہ کی ایک مسجد ہے۔''

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے: باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ۔ [2] یعنی وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں واقع ہیں جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہیں:

مسجد قباء، مسجد الفضیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے [3] کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں ان سب میں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے، [4] کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی۔ [5]

ائمہ نماز کا تقرر

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیے الگ الگ امام مقرر کر دیے جائیں عموماً عادتِ شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا اور اس شرف میں چھوٹے بڑے، غلام آقا سب برابر تھے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے ان کے امام حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہ تھے۔ [6] جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا، تو عمرو بن سلمہ جرمی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچے تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لیے وہی امام قرار پائے۔ [7]

امامت کے انتخاب کے لیے آنحضرت ﷺ نے چند اصول مقرر فرما دیے تھے۔

عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ: ((یؤم القوم اقرأهم

[1] طبقات ابن سعد، جزء رابع، ص: ١٧۔ [2] بخاری، کتاب الصلاۃ، رقم الباب: ٨٩۔
[3] فتح الباری، جلد ١، ص: ٤٧٢۔ [4] ایضاً، ص: ٤٧١۔
[5] ایضاً، ص: ٤٧٢۔ [6] طبقات ابن سعد، جزء ثالث قسم اول فی البدریین، ص: ٦١۔
[7] طبقات ابن سعد، جزء اول وقسم ثانی وفد جرم، ص: ٦٩، ٧٠۔

لکتاب اللّٰہ فان کانوا فی القراء ۃ سواء فاعلمھم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا))۔ ❶

ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔''

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظِ قرآن کون ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے، چنانچہ اہلِ طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا، تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا۔

مدینہ میں، مدینہ سے باہر اطراف میں، عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے تھے ❷ بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عہدے الگ الگ ہوتے تھے۔ عمان میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عامل تھے اور ابوزید انصاری امام، ❸ لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابوں میں نام بنام ان کی یکجا تفصیل مذکور نہیں۔ ضمنی واقعات میں جہاں تک اس کا سراغ لگ سکا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے:

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ)
سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ		آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے۔ (بخاری، کتاب الاذان: ۶۹۲؛ ابوداود، کتاب الصلاۃ: ۵۸۸)
ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہمرکاب ہوتے، لیکن چونکہ یہ آنکھوں سے معذور تھے اس لئے مدینہ ہی میں رہتے تھے اس سبب سے اس موقع پر انہی کو آپ امام مقرر فرما جاتے۔ (ابوداود، کتاب الصلاۃ: ۵۹۵)
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	//	آنحضرت ﷺ کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی میں امام ہوتے تھے (بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ: ۱۲۱۵)

❶ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامة: ۱۵۳۳۔

❷ مسند ابن حنبل، جلد ٤، ص: ۲۱۸۔ ❸ فتوح البلدان بلاذری ذکر عمان، ص: ۸۳۔

عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (نسائی، کتاب الامامۃ: ۷۸۹)
معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	بنو سلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری، کتاب الاذان: ۷۰۰)
ایک انصاری رضی اللہ عنہ	مسجد قباء	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری، کتاب الاذان: ۷۷۴)
عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ	بنو جرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداود، کتاب الصلاۃ: ۵۸۵ تا ۵۸۷؛ نسائی، کتاب الامامۃ: ۷۹۰؛ کتاب القبلۃ: ۷۶۸)
اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	بنو جرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداود، کتاب الصلاۃ: ۶۰۷)
انس بن مالک رضی اللہ عنہ یا کوئی	بنو نجار	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (امام کا نام مشکوک ہے)
دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ	بنو نجار	اپنے قبیلے کے امام تھے۔ (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)
مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ	بنو نجار	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ابوداؤد)
عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ	مکہ معظمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (نسائی) [1]
عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ	طائف	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ [2] (ذکر وفد طائف)
ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ	عمان	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (بلاذری ذکر عمان)

موذنین

عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ ﷺ نے قائم فرمایا تھا، چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرت ﷺ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا:

نام	مقام	مسجد
بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	موذن مسجد نبوی
عمرو بن ام مکتوم قرشی رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	موذن مسجد نبوی
سعد القرظ رضی اللہ عنہ	عوالی مدینہ	موذن مسجد قباء
ابومحذورہ رضی اللہ عنہ [3] جمحی قرشی	مکہ مکرمہ	موذن مسجد حرام

[1] کتب مذکورہ کی کتاب الاذان، باب کیف الآذان: ۶۳۳ سے یہ نام ملتقط ہیں۔

[2] زاد المعاد، ج ۲، ص: ۲۵ مطبوعہ مصر۔ [3] نسائی، ایضاً: ۶۳۳۔

تاسیس و تکمیل شریعت

﴿ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ ﴾ [٥/ المآئدة:٣]

''آج ہم نے تمہارا مذہب کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب پسند کیا۔''

(یہ تمام انتظامات اور نظم و نسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک میں امن و امان پیدا ہو اور ایک منظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو، تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ﴾ (٨/ الانفال:٣٩)

''ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب تمام تر خدا کے لیے ہو جائے۔''

انہوں نے فرمایا کہ ''یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا جب اسلام کم تھا آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا، لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا۔'') [1]

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر (انہیں فتنوں کی دار و گیر) مخالفین کی شورشوں اور ہنگاموں کی مدافعت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں گزرا، اسی لیے) آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سینکڑوں صفحات میں ہے، لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں ہیں، وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہو گئیں۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ ارباب سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی جس کے لیل و نہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باراں کے روکنے میں بسر ہو گئے۔

جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا، خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے ان کے

[1] بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الانفال، باب وقٰتلوھم حتی لا تکون فتنة: ٤٦٥٠۔

مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتا دینا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ ''پہلے عذاب وثواب کی آیتیں نازل ہوئیں، جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہوگئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو، تو کون مانتا؟'' [1]

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا، مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا، مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رات دن کی معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمینِ مقدس میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے اس وقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے۔ اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی۔ 5 ہجری تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں متعدد روایتیں مذکور ہیں۔ [2]

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظامِ شریعت کی تکمیل کا موقع آیا۔ احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً: زکوٰۃ، حج، حرمتِ ربا، وغیرہ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہوگئے تھے لیکن تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری، فضائل القرآن، باب تالیف القرآن: ٤٩٩٣۔

[2] ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب رد السلام فی الصلوٰۃ: ٩٢٣، ٩٢٤، ٩٢٥۔

[3] اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت میں بھی ضمناً گزر چکی ہے، ناظرین ایک دوجگہ احکام کی تاریخ اور سنین میں یہاں سے اختلاف پائیں گے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول میں عام مؤرخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہاں احادیث اور کتب شانِ نزول سے استقرا کر کے جو امر محقق نظر آیا ہے اس کی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخیں کتب حدیث میں بالتصریح مذکور نہیں ہیں۔ محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہیں اور اسی بنا پر باہم ان میں اختلافات ہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر دلائل کی راہنمائی سے اس راستہ کو طے کریں۔ (والعصمة بید الله) ''س''۔

عقائد اور اسلام کے اصولِ اولین [1]

(اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر ونشر وغیرہ پر ایمان لانا۔ آنحضرت ﷺ پر اول جو وحی نازل ہوئی یعنی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ اس میں خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی: [2]

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ ﴾

(۷۴/ المدثر: ۱۔۵)

''اے چادر اوڑھنے والے اٹھ، لوگوں کو ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور بتوں کو چھوڑ دے۔''

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھیں، شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت وجلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سماں اور جنت و دوزخ کا پراثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل، مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔ غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغازِ اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن مکی آیتوں کے استقصا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر زور توحید، قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے، لیکن مدینہ آکر اسلام کے تمام عقائد اور اصولِ اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ایمان اور اسلام کے اولین اصول کے متعلق سورۃ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۗ ﴾ (۲/ البقرہ: ۳۔۴)

''جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، نماز کھڑی کرتے ہیں، ہم نے جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اور جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے محمد ﷺ) تجھ پر اتاری گئیں اور جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کو آخرت پر بھی یقین ہے۔''

وسطِ سورہ میں یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہیں:

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ ﴾

(۲/ البقرہ: ۱۷۷)

''لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، پیغمبروں پر ایمان لائے۔''

[1] اضافہ تاختم باب "تیمم"۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ مدثر: ۴۹۲۲۔

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں۔ یہ آیتیں تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ ۱ھ میں نازل ہوئیں۔ اسی کی تفصیل سورہ کے آخر میں کی گئی ہے یہ آیتیں ہجرت کے چند سال بعد غالباً نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا [1] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما [2] کی روایتوں سے ثابت ہے۔

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ ﴾. (۲/ البقرۃ: ۲۸۵)

''پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اس کے رب کی طرف سے اترا اور تمام مسلمان خدا پر، خدا کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر سب پر ایمان لائے۔''

سورۂ نساء کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ان کے کیا عقائد ہونے چاہئیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ ﴾ (٤/ النسآء: ١٣٦)

''اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔''

احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں، جن میں لوگوں نے آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہیں اور آپ ﷺ نے سائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لڑوں جب تک لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ خدا ایک ہے، محمد ﷺ خدا کا پیغمبر ہے، نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔'' [3]

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے تین چیزیں بتائیں: ''رات دن میں پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ۔ [4] عبدالقیس کے وفد نے ۵ھ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم دشمنوں کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہیں حاضر ہو سکتے اس لئے ایسے احکام بتا دیے جائیں جو ان لوگوں کو بھی سنا دیے جائیں جو شرف حضوری حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة

---

[1] صحیح بخاری، تفسیر یمحق اللہ الربوا: ٤٥٤١۔ [2] اسباب النزول للسیوطی برحاشیہ جلالین ج١، ص: ٥١۔ [3] بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام.....: ٥٠۔

[4] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الزکوٰۃ من الاسلام: ٤٦۔

و صیام رمضان و ان تعطوا من المغنم الخمس)) [1]

''اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہے، محمد ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں، نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینا۔''

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس اثنا میں ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو۔'' اس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔'' اس نے پھر دریافت کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ''خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔'' [2] یہ اصولِ اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے، غالباً یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیلِ عبادت کے لیے خضوع وخشوع کی قید بھی اضافہ کی جا سکے، اصول اسلام کا آخری اعلان یہ ہے:

((بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا اللّٰه و ان محمدا رسول اللّٰه و اقام الصلوة و ایتاء الزکوٰة و الحج و صوم رمضان))۔ [3]

''اسلام کی بنا پانچ باتوں پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں، محمد ﷺ اس کا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔''

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصولِ کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں، جن میں ایک شاخ حیا ہے''۔ [4] ایک دفعہ فرمایا کہ ''بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔'' [5] ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ ''بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔'' یہ بھی فرمایا کہ ''اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔'' [6]

غرض اسلام کے تمام اصول وفروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخری ۹ھ ذی الحجہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا: [7]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان:۵۳۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل ...: ۵۰۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب دعاؤکم ایمانکم:۸۔

[4] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان:۹۔ [5] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب أي الاسلام افضل:۱۱۔ [6] بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه......:۱۳۔ یہ تمام حدیثیں صحیح بخاری، کتاب الایمان میں ہیں۔ [7] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: الیوم اکملت لکم......: ٤٦٠٦۔

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ (٥/ المآئدۃ:٣)

''آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔''

عبادات

اوپر یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ان میں سے توحید ورسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ عبادات میں داخل ہیں۔ان میں سب سے اول شے نماز ہے۔نماز کی صحت کے لیے متعدد شرطیں ہیں، سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت

طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس، ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو۔طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ ﴾

(٧٤/ المدثر:١۔٥)

''اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک کر اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔''

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے ''دل کی طہارت'' اور ''ناپاکی'' سے ''بت پرستی'' مراد لی ہے، تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے۔نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے۔تاریخ وسیر اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا تھا [1] حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے بھی وضو فرماتے تھے [2] لیکن قرآن میں وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ میں نازل ہوا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ ﴾ (٥/ المآئدۃ:٦)

''مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو اور گھٹنوں تک پاؤں دوڈالو۔''

---

[1] ابن هشام، ج١، ص: ١٥٥ وفتح الباري، ج١، ص: ٢٠٥ بحواله مغازى ابن لهيعة ومسند امام احمد، ج ٤، ص: ١٦١ وابن ماجه، ابواب الطهارة وسننها، باب ماجاء فى النضح بعد الوضوء: ٤٦٢۔

[2] مستدرك حاكم، ١/ ١٦٣۔

یہ آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتیں ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہیں۔ اس آیت کے متعلق بخاری میں تصریح یہ ہے کہ وہ آیت تیمّم کے ساتھ اتری ہے۔ ❶ آیت تیمّم ۵ھ میں نازل ہوئی اسی بنا پر اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن میں اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابتداءً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے کچھ حصہ بھیگتا تھا کچھ نہیں بھیگتا تھا، ۲ھ میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپ ﷺ مکہ سے واپس آ رہے تھے، کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو لیا، ایڑیاں کچھ بھیگیں کچھ خشک رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوَضُوْءَ))۔ ❷ ''ان ایڑیوں پر دوزخ کی پھٹکار ہے، وضو کو کامل کرو۔''

اس وقت سے ''اسباغِ وضو'' یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار پا گیا۔ اسباغِ وضو کے تمام فضائل آپ ﷺ نے بیان فرمائے۔ ابتداءً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے، لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری نہ رہا ❸ اور اس کا اعلان آپ ﷺ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔ ❹

تیمّم

وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے، نیز بیماری کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے، اس لیے ۵ھ میں تیمّم کی آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

(۵/ المآئدۃ:۶)

''اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے، یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے تو طاہر مٹی لے کر اس سے تیمّم یعنی منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو، اللہ تم پر کسی طرح تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک وصاف کر دے، اور اپنا احسان تم پر پورا کر دے، تاکہ تم شکر گزار بنو۔''

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق ۵ھ سے آپ واپس آ رہے تھے، ام المؤمنین

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: فلم تجدوا ماء...... : ۴۶۰۷، ۴۶۰۸۔
❷ صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھما: ۵۶۶ تا ۵۷۵۔
❸ فتح الباری، ج ۱، ص: ۲۰۴؛ ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب السواک: ۸۴؛ احمد، ۵/ ۲۲ ۵۔
❹ صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد: ۶۴۲۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنین رضی اللہ عنہا کا ہار کہیں گر گیا، سارا قافلہ وہیں اتر پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہ پریشان خاطر تھے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی، مسلمانوں کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی نے کہا: ''اے آلِ ابی بکر! تم لوگوں کے لیے سرمایہ برکت ہو۔'' [1]

نماز

نماز آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی، [2] چنانچہ دوسری ہی وحی میں حکم ہوا:

﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ (۷٤/ مدثر:۳) ''اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر۔''

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے اعلانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا، دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی، چنانچہ سورۂ مزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے ہے یہ حکم بتصریح مذکور ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ ﴾

(۷۳/ المزمل:۱، ۸)

''اے کملی اوڑھ کر سونے والے! رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، ہم تجھ پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں، رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور یہ وقت دعا کے لیے مناسب بھی زیادہ ہے، دن کو تجھ کو زیادہ شغل رہتا ہے اپنے پروردگار کا نام لے، اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہ۔''

اس کے بعد صبح وشام کی دو دو رکعتیں اور فرض ہوئیں۔

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ ﴾

(۷٦/ الدھر:۲۵۔۲٦)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب قول اللہ عزوجل: فلم تجدوا ماء ...: ٤٦٠٧۔

[2] نماز کے بیان تاریخ میں محدثین مختلف الرائے ہیں، ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد ۱، ص: ۳۹۳ میں جو خلاصہ مباحث نقل کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے: ''ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی، حربی کی رائے ہے کہ صبح وشام دو دو رکعتیں فرض تھیں، امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی بعد ازیں ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی اس کے بعد نماز پنجگانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا۔'' ہم نے نماز کی تاریخ بیان کی ہے وہ انہی چند سطروں کی تفصیل ہے جس کی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتوں سے کر دی گئی ہے۔ اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اوقات نماز کے مختلف بیانات کیوں ہیں۔ ''س''۔

''صبح وشام خدا کا نام لیا کر اور رات کے وقت دیر تک اللہ کے آگے سجدہ کیا کر اور اس کی تسبیح بیان کر۔''

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہوگئی [1] اور حکم ہوا:

﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ ﴾

(۷۳/ المزمل:۲۰)

''تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ، خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے، تم پر اس نے مہربانی کی، اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن، نماز میں پڑھو، اس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے، مسافر بھی ہونگے اور جو خدا کی روزی ڈھونڈھنے کو سفر کریں گے اور لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔''

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد، فجر، مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ ﴾ (۱۱/ هود:۱۱٤)

''دن کے دونوں (ابتدائی اور انتہائی) کناروں میں (یعنی فجر و مغرب) اور تھوڑی رات گزرنے کے بعد نماز پڑھا کرو۔''

معراج میں جو نبوت کے پانچویں سال ہوئی [2] پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں [3] اور سورۂ اسراء میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے یہ آیت اتری:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۷۸، ۷۹)

[1] ابو داود، كتاب الصلوة، باب في صلوة الليل:۱۳٤۲ ومسند احمد، ج٦، ص: ٥٤۔

[2] ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نویں سال ہوئی۔ ''س''۔ [3] فتح الباري، ج ۷، ص: ۱۵۵۔

”نماز کے اوقات زوالِ آفتاب سے لے کر ظلمت شب تک ہیں۔ (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور صبح کی نماز کہ صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھ یہ تیرے لیے مزید ہے۔“

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں، مدینہ منورہ میں آ کر جب نسبتاً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہوگئیں۔ ❶

بااین ہمہ نماز میں خضوع وخشوع اور تمکین ووقار کے جو ارکان ضروری ہیں ان کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا، اس لیے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی، پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، بالآخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَرْفَعُوْنَ اَبْصَارَهُمْ اِلَى السَّمَاءِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ)) ❷

”یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔“

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آ جاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے، جب مہاجرین حبش ۶ ھ میں واپس آ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے، معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا، لیکن جواب نہیں ملا، نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو۔“ ❸ اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو چھینک آئی میں نے ”یرحمك الله“ کہا، لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا، میں نے کہا ”آپ لوگ کیا دیکھتے ہیں؟“ لوگوں نے زانو پر ہاتھ مارے، اس وقت میں سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، میں چپ ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر (خلق احمدی سے) مجھ کو نہ سزا دی نہ ڈانٹا، نہ برا کہا، صرف یہ فرمایا کہ ”نماز تسبیح وتکبیر اور قراءت کا نام ہے۔ اس میں بات چیت جائز نہیں۔“ ❹

تشہد کا جو طریقہ اب ہے، پہلے نہ تھا، بلکہ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے ”السلام علی فلان وفلان“ بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز میں معمول بہا ہیں۔ ❺

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ چھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے، سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے، دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باہر سے آتیں

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء: ۳۵۰، ۱۰۹۰، ۳۹۳۵۔

❷ بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ: ۷۵۰۔

❸ ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب رد السلام فی الصلوۃ: ۹۲۳۔ ❹ ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب تشمیت العاطس: ۹۳۰۔ ❺ ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب التشهد: ۹۶۸۔

اور دروازہ کھٹکھٹاتیں، آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہوئے عین اسی حالت میں جا کر دروازہ کھول دیتے [1] ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہا کی یہ رائے ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں۔ نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازوں میں آنحضرت ﷺ نے افعال کیے وہ فرض نہ تھیں بلکہ نفل تھیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں۔ ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ امامہ بنت ابو العاص کو کندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے اور نماز ادا کی۔ [2] ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اسی زمانہ کی ہیں جب کہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہیں قرار پائیں تھے۔ رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمام تر خضوع وخشوع ومراقبہ ومحویت بن گئی۔

قرآن مجید میں آیت اتری: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾ (۲۳/ المؤمنون: ۱، ۲) ''فلاح پانے والے مسلمان، وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔'' اس بنا پر نماز میں ادھر ادھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہو گیا۔ نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کیے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ''تم نے نماز نہیں پڑھی، جا کر پھر پڑھو۔'' اس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی، آپ نے فرمایا کہ ''نماز نہیں ہوئی۔'' تیسری دفعہ اس نے پوچھا کہ کیوں کر پڑھوں، آپ نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیے جائیں، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ [3]

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا۔ بارہ آدمیوں کے سوا جس قدر لوگ نماز میں شریک تھے اٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے۔ اس پر یہ آیت اتری: [4]

﴿ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ ﴾ (٦٢/ الجمعة: ١١)

''اور جب لوگ تجارت، یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے۔''

اور یا آنحضرت ﷺ کی تربیت وتعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ (ایک انصاری نماز کی حالت میں تین

---

[1] ابو داود، کتاب الصلوۃ، باب العمل فی الصلوٰۃ: ۹۲۲۔ [2] ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب العمل فی الصلوٰۃ: ۹۱۷۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراۃ للامام والماموم……: ۷۵۷۔
[4] صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب اذا نفر الناس عن الامام فی صلاۃ……: ۹۳۶۔

دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں، لیکن نماز نہیں توڑتے کہ جو سورہ انہوں نے شروع کیا تھا، اس کی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی، ❶ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز میں زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں، ❷ یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں دیکھتا کیونکہ خشیتِ الٰہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین

مکہ میں چار شخصوں کا یکجا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا، اس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ) جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے، لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آ چکے تھے، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی تحریک سے بنی بیاضہ کے محلّہ میں انہوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی ❸ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ امام تھے، ❹ کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ ❺ اس کے بعد آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں قیام فرمایا، یہاں سے روانگی کے لیے آپ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا۔ بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی یہ اواخر ربیع الاول ۱ھ کا واقعہ ہے ❻ مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی یک جا تعداد سب سے زیادہ جواثی میں تھی، جو بحرین میں واقع تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں قائم ہوئی۔ ❼ لیکن بظاہر نمازِ جمعہ کا اہتمام مسلمانوں میں پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیے۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آ گئے، سب لوگ اٹھ کر ادھر چلے گئے، جماعت میں صرف بارہ آدمی ❽ اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی ❾ رہ گئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُواْ فِى ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُواْ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْاْ تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا ٱنفَضُّوٓاْ إِلَيْهَا

❶ بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء: رقم الباب (۳۴)؛ ابن ھشام، ج۲، ص:۱۵۳۔

❷ طبری، ج۵، ص: ۲۷۲۳۔ ❸ ابوداود: ۱۰۶۹؛ ابن ماجہ: ۱۰۸۲؛ دار قطنی: ۱۵۶۹؛ ابن خزیمہ: ۱۷۲۴۔ ❹ ابن اسحاق بحوالہ سیرت ابن ھشام، ج۱، ص: ۲۶۲۔

❺ ابو داود، کتاب الجمعۃ: ۱۰۶۹؛ ابن ماجہ، کتاب الجمعۃ، باب فی فرض الجمعۃ: ۱۰۸۲۔

❻ طبری، ج۳، ص: ۱۲۵۶۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن: ۸۹۲۔

❽ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب اذا نفر الناس عن الامام: ۹۳۶۔

❾ دار قطنی، کتاب الجمعہ، باب ذکر العدد فی الجمعۃ: ۱۵۶۷، ۱۵۶۸۔

وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ ﴾

(٦٢/ الجمعه:٩ تا ١١)

''ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے تو یاد الٰہی کی طرف دوڑو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین میں چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو، تا کہ فلاح پاؤ جب لوگ تجارت اور کھیل تماشا دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں، اور تجھ کو اے پیغمبر! کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔''

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی ان کے آگے ہیچ ہو گیا۔ خدا نے ان کی مدح فرمائی:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ﴾ (٢٤/ النور:٣٧)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آ کر قائم ہوئی، لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہیں ہوئی بلکہ ۲ ھ میں مسنون ہوئی [1] جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز، روزہ رمضان کے تابع ہے، اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔

صلوٰۃ خوف

نماز کسی حالت میں قضا نہیں کی جا سکتی، خوف کی حالت میں مثلاً: جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں، پہلے ایک جماعت تمام ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور قصر نماز ادا کرے، پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی، وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے، امام اپنی جگہ پر قیام کرے، روایتوں میں ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے، یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت میں فرض ہے، ابوداؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتیں بروایت صحابہ الگ الگ لکھ دی ہیں۔ [2] ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے، امام جس وقت جو مناسب سمجھے کرائے، اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو، تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا۔ سورۂ نساء میں صلوٰۃ الخوف کی صورت بتفصیل مذکور ہے۔ [3] صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوۂ ذات الرقاع ۵ ھ میں نازل ہوا، اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوہ نجد بتایا ہے۔ ابوداؤد میں ابوعیاش زرقی کی ایک روایت ہے جس سے

[1] طبری، ج۳، ص: ۱۲۸۱، یورپ۔ [2] ابو داود، کتاب صلاۃ السفر، باب صلوٰۃ الخوف: ۱۲۳۶۔
[3] دیکھو آیات: ۱۰۱ تا ۱۰۳۔

معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان میں نازل ہوئی، یعنی ۶ ھ میں، لیکن زیادہ تر رواۃِ حدیث اور اہلِ سیر غزوہ ذات الرقاع ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ ❶

روزہ

اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے۔ (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا ❷ آنحضرت ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپ ﷺ کی تبعیت میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی روزہ رکھتے ہوں۔ ۵ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا، اس کے بعد) جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، آپ نے لوگوں سے وجہ پوچھی لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقلید کا زیادہ حق ہے۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے (یہاں بھی) عاشورا کا روزہ رکھا (اور صحابہ کو رکھنے کا حکم دیا۔) پھر ۲ ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ مستحب ہوگیا، یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا، ❸ لیکن آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا۔ ۱۱ ھ میں لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں، فرمایا کہ آئندہ سال ۱۰ کے بجائے ۹ کو روزہ رکھوں گا لیکن افسوس کہ آپ ﷺ نے اسی سال وفات پائی۔ ❹

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشاء کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے اور اس کو حرام سمجھتے تھے، عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے اسلام کے تمام احکام میں سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۸۵)

''خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔''

((لا صرورة في الاسلام))۔ ❺ ''اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔''

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

❶ دیکھو ابوداود، کتاب صلاۃ السفر صلوۃ الخوف: ۱۲۳۶؛ طبری، ج۳، ص: ۱۴۵۴ واقعات: ۴ ھ؛ ابن سعد، ج۲، ص: ۴۳۔ ❷ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص: ۲۴۴۔

❸ ابو داود، کتاب الصیام، باب فی صوم یوم عاشوراء: ۲۴۴۲۔ ❹ یہ تمام واقعات صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء: ۲۰۰۲ تا ۲۰۰۴؛ صحیح مسلم، کتاب الصوم: ۲۶۳۷ تا ۲۶۶۶ اور ابوداود، کتاب الصوم، باب ما روی ان عاشوراء الیوم التاسع: ۲۴۴۵ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

❺ ابوداود، کتاب المناسك، باب لا صرورة فی الاسلام: ۱۷۲۹؛ مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۱۲۔

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ۞ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۸۷)

''روزے کی راتوں میں تمہارے لیے عورتوں سے لطف اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے، جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی) سیاہ لکیر سے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو۔''

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے۔ اول اول روزہ ان پر شاق ہوا، ❷ اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اول اول آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر روزے میں فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری۔

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۸۵)

''جو رمضان کا مہینہ پائے، وہ ضرور روزہ رکھے۔''

اب بالیقین روزہ فرض ہو گیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ چھوڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے چونکہ اور تمام قوموں میں خصوصاً عیسائیوں میں رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لیے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزہ میں زیادہ سختی برداشت کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سفر میں تھے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے، سبب پوچھا، معلوم ہوا سخت گرمی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں۔'' ❸ بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھیں بیچ میں افطار نہ کریں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ ❹

روزہ کا مقصد عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ثواب کی بات ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ہر طرح کی آسانیوں کا حکم دیا، سفر میں اور بیماری میں روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔ راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی، سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔ ❺

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کفِ نفس تھا اور روزہ اس کا معین تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے

❶ ابو داود، کتاب الصیام، باب مبدء فرض الصیام: ۲۳۱۳، ۲۳۱۴ واسباب النزول للسیوطی، ص: ۲۷۔

❷ صحیح بخاری، میں ہے نزل رمضان فشق علیھم، کتاب الصوم، رقم الباب: ۳۹۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیه: ۱۹۴۶۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الوصال: ۱۹۶۲۔ ❺ بخاری کی شرح فتح الباری میں تاخیر سحر کی وجہ یہی بتائی گئی ہے۔ کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور، ج ٤، ص: ۱۱۹۔

فرمایا کہ ''جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں۔'' [1]

زکوٰۃ

خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتدا ہی سے معمول بہ تھی۔ مکہ میں جو سورتیں اتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والے پر نہایت عتاب ہے:

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ ﴾ (۱۰۷/ الماعون:۱، ۳)

''تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے، یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں کرتا۔''

مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں۔ ۲ھ میں عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار پایا [2] ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے۔ حدیثوں میں صحابہ کے فقر و تنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں، اسی زمانہ کے ہیں، اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے، ورنہ عذاب ہوگا، چنانچہ خاص آیت نازل ہوئی: [3]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (۹/ التوبۃ:۳٤)

''جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خیرات نہیں کرتے۔''

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۝ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۱۹)

''لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات دیں کہہ دو کہ جو کچھ مصارفِ ضروری سے بچ رہے۔''

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے، بے کار، یا ردّی چیزیں خیرات میں دیتے تھے، اس پر حکم ہوا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲٦۷)

''مسلمانو! اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا، اچھا حصہ خیرات دو۔''

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا، اس کو ثواب نہ ملے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور: ۱۹۰۳۔ [2] طبری، ج۳، ص:۱۲۸۱۔
[3] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ عزوجل: ﴿یوم یحمی علیها فی نار......﴾: ٤٦٦١۔

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ﴾ (۳/ آل عمران:۹۲)

''تم لوگ ثواب نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیز خیرات نہ کرو جو تم کو عزیز ہے۔''

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لیے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔ ❶ بااین ہمہ ۸ھ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آنحضرت ﷺ نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم ۹ھ میں) محصلین مقرر کیے ❷ زکوٰۃ کے مصارف حسب ذیل تھے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

(۹/ التوبة:۶۰)

''زکوٰۃ ان مصارف کے لیے ہے، فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے وصول کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، غلام، جن کو آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر اور خدا کی راہ میں، یہ خدا کا فرض ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔''

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامین نبوی ﷺ میں منقول ہے فقہ میں کتاب الزکوٰۃ انہیں فرامین سے ماخوذ ہے۔

حج

دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہاں آ کر عبادت کرنے کی دعوت دی:

﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْــــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ﴾

(۲۲/ الحج:۲۶۔۲۸)

''اور جب کہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھ اور حج کی منادی کر دے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئیں گے، کچھ پیدل اور کچھ

❶ بخاري، كتاب الزكوٰة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة: ۱۴۱۶۔

❷ طبری، مطبوعہ یورپ، ج ۴، ص: ۱۷۲۲؛ ابن سعد، قسم اول، جزء ثانی مغازی، ص: ۱۱۵۔

اونٹنیوں پر سوار، تا کہ فائدہ اٹھائیں اور تا کہ ایام مقررہ میں خدا کا ذکر کریں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا، وہ تین سو ساٹھ بتوں کا تماشا گاہ بن گیا، دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔ بالآخر ظہورِ حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا اور جانشینِ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کو موقع ملا کہ شعارِ ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے، چنانچہ سنہ ۹ھ میں حج فرض ہوا، [1] تاہم آنحضرت ﷺ نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب ننگے ہو کر طوافِ کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایامِ حج میں روانہ کیے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ ”آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔“ [2]

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ میں آ گیا تھا، چنانچہ سنہ ۹ ھ کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا، لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آ گیا۔ [3]

حج کے اصلاحات

حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اس کی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس میں اس قدر بدعات اضافہ کر دیئے تھے کہ وہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہل عرب جب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے اس بنا پر یہ آیت اتری:

﴿ فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ ﴾ [4]

(۲/ البقرۃ: ۲۰۰)

”پھر جب حج کے ارکان پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو، جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر۔“

---

[1] زاد المعاد، ج ۱، ص: ۱۸۰۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب لا یحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان: ۳۲۸۷۔ [3] آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے تھے الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السموات والارض، السنۃ اثنا عشر شھرا، منھا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان" اس سے اسی طرف اشارہ تھا۔ بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: ۴۴۰۶۔ [4] اسباب النزول للواحدی۔

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بت تھا، اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار ہے، اسی بنا پر یہ آیت اتری:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۵۸)

''صفا اور مروہ خدا کی یادگار ہیں، اس لیے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونوں مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہیے۔'' ❶

ایک طریقہ یہ جاری ہوگیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زاد سفر نہیں ہوتا تھا، یوں ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں، ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دستگیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا، اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ﴾ ❷ (۲/ البقرۃ:۱۹۷)

''اور گھر سے زاد سفر لے کر چلو، کیونکہ اچھا زاد سفر تقویٰ ہے۔''

احرام حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس میں اہل جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہوگیا، تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے۔ اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اس کی عبادات اور احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں، اس لیے یہ حکم ہوا:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ ﴾

(۲/ البقرۃ:۱۹۶)

''تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈا لے) تو فدیہ ادا کرے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی۔''

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ❸

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ ﴾ (۲۲/ الحج:۳۷)

❶ قرآن مجید میں جناح کا جو لفظ ہے اس کا عام ترجمہ ''حرج'' یا ''نقصان'' ہے اس بنا پر ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کچھ حرج نہیں لیکن لا جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ (بخاری: ۱۶۴۳)۔

❷ بخاری، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالی: وتزودوا فان خیر الزاد التقوی: ۱۵۲۳۔ ❸ تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص: ۵۲ مطبع نول کشور ۱۲۸۲ھ (یہ رسم یہودیوں سے آئی تھی، لاویین ۱۷۔۶۔ تاریخ دوم ۲۹۔۲۲)

''خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پرہیز گاری اس تک پہنچتی ہے۔''

اس آیت میں صرف اس فعل سے نہیں روکا گیا بلکہ یہ بھی بتادیا گیا کہ قربانی خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ اصل چیز جس کو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

رسوم حج میں ایک بڑی چیز جو قریش نے اصولِ اسلام کے خلاف قائم کردی تھی، یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا، نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں ہم حدودِ حرم سے باہر نہیں جاسکتے، یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے، اس لئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے، باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ میں آتے تھے چونکہ اسلام کا اصول اصلی، مساوات عامہ ہے اور عبادت میں سب یکساں ہیں اس لیے حکم آیا کہ [1]

﴿ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۞ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ ﴾ (٢/ البقرہ:١٩٨۔١٩٩)

''پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بیشک تم گمراہ تھے، پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو، وہ غفور اور رحیم ہے۔''

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے، اس لیے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ یہ رسم اسلام کے آنے تک قائم رہی ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جارہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''سوار ہولو'' بولے، یہ قربانی کے اونٹ ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا، انہوں نے دوبارہ وہی عذر کیا، آپ ﷺ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ ''بیٹھ لو'' [2]

ایک قسم کا حج ایجاد کرلیا تھا، جس کو حج مُصْمِتْ کہتے تھے یعنی جو شخص حج کرتا تھا، وہ آغاز حج سے اخیر تک منہ سے کچھ بولتا نہ تھا، اسلام نے اس تکلیف مالا یطاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احمس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مُصْمِتْ کی نیت کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''یہ جائز نہیں، یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔'' [3]

(سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ثم افیضوا من حیث افاض الناس: ٤٥٢٠۔ [2] بخاری، کتاب الحج، باب رکوب البدن: ١٦٨٩، ١٦٩٠۔ [3] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاھلیۃ: ٣٨٣٤۔

طواف کرتے تھے۔ حدودِ حرم میں آ کر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے، اور عاریتاً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے، اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے۔ عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں:

اَلْیَوْمَ یَبْدُوْ بَعْضُہٗ اَوْ کُلُّہٗ　　وَمَا بَدَا مِنْہُ فَلَا اُحِلُّہٗ

''آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھلے گا　　اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: [1]

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (۷/ الاعراف: ۳۱)

''اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔''

اس بنا پر ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کو بھیجا، انہوں نے عین موسمِ حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا)۔ [2]

معاملات

شریعت کی تکمیل میں جو تدریج ملحوظ رہی، اس کے لحاظ سے وارثت، نکاح وطلاق وقصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام، بعثت سے بہت بعد آئے (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجرا کے لیے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی جو اب تک اسلام کو حاصل نہیں ہوئی تھی، غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشوونما شروع ہوا) ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں جو احکام نازل ہوئے وہ تحویلِ قبلہ، فرضیتِ روزہ، زکوٰۃ فطر، نمازِ عید اور قربانی تھی، تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید میں نازل ہوا۔

وراثت

(مسلمان جب ابتداءً مدینہ آئے ہیں تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے اس حالت میں اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہو سکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ (برادری) قائم کردی، جس کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصاری مرتا تو اس کی وراثت مہاجرین کو ملتی [3] عرب

---

[1] یہ پورا واقعہ اور شانِ نزول نسائی، كتاب مناسك الحج، باب قوله عزوجل خذوا زينتكم عند كل مسجد: ۲۹۵۹ میں ہے۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الحج: باب لا يحج البيت مشرك: ۳۲۸۷ وصحيح بخاري، كتاب الحج، باب لا يطوف بالبيت عريانا: ۱۶۲۲ اور تمام حدیث کی کتابوں میں باب لا يطوف بالبيت عريانا میں مذکور ہے۔

[3] یہ مفسرین کا بیان ہے لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہوا ﴿ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ ۭ ﴾ (۴/ النسآء: ۳۳) دیکھو صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر آیت مذکور: ۴۵۸۰۔

میں پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا لیکن ۳ھ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا:

﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ﴾ (۸/ الانفال:۷۵)

''قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔''

اس کی رو سے مواخاۃ کی بنا پر وراثت موقوف ہوگئی اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہوگئی۔

(آیتِ توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا، یعنی مرنے والا اپنے مال وجائیداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے) مرنے کے بعد اسی طریقہ سے اس کی جائیداد تقسیم کر دی جاتی، مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۸۰)

''مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے بطریقِ مناسب وصیت کر جائے، متقی لوگوں پر یہ فرض ہے۔''

جو لوگ حالت مسافرت میں مر جاتے، ان کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوتی گئی، خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے، اس لیے وراثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی، پھر وصیت کے قاعدہ میں بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائیداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا، مثلاً: جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائیداد پر قبضہ کر لیتا، چنانچہ غزوۂ احد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ جو بہت دولت مند صحابی تھے، (اس جنگ میں) شہید ہوئے ان کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں کہ سعد رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں شہید ہوئے، انہوں نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں، لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا

''خدا فیصلہ کرے گا'' (پھر غالباً ۴ھ میں) یہ آیت نازل ہوئی [1] جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ ﴾ (٤/ النسآء:١١)

''خدا تم کو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے (آخر تک)۔''

آنحضرت ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعد کے متروکہ میں سے دو تہائی ان کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو، اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔ [2]

اہلِ عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے، دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا۔ یہ پہلا دن ہے کہ اس صنفِ ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیت

احکامِ وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقین وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اس لیے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی ۱۰ھ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ (عامر کے والد) بیمار ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے، انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے، چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال خیرات کر دوں، آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی، انہوں نے کہا تو نصف، آپ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، انہوں نے کہا: ایک تہائی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی بہت ہے وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں۔'' [3] تاہم یہ مقدار آپ نے جائز رکھی اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہوگئی۔

وقف

وقف، شریعت کا بہت بڑا مسئلہ ہے، اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا

---

[1] آیت میراث کے شان نزول میں احادیث میں تین واقعے مروی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ۱۰ھ میں بیمار پڑے تو آیت اتری۔ یہ روایت تمام صحاح ستہ میں ہے، لیکن درحقیقت اس روایت میں راویوں سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے، کیونکہ وراثت ۱۰ھ سے پہلے جاری ہو چکی تھی اور دوسرے یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس وقت تک لاولد تھے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت یعنی (کلالہ) سے متعلق ہے جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتوں (کتاب الفرائض، باب میراث الکلالۃ: ٤١٤٥ تا٤١٤٨) میں اس کی تصریح ہے دوسرا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی عبدالرحمن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کحہ کی فریاد پر یہ آیت اتری، یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے (تفسیر ابن جریر، ج ۴، ص: ۱۷۱ مطبع میمنیہ مصر) جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہوں۔ تیسرا شان نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے جو ابو داود، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی میراث الصلب: ٢٨٩١؛ ترمذی، (٢٠٩٢)؛ حاکم، (٤/ ٣٣٣) اور مسند احمد (٣/ ٣٥٢) میں مذکور ہے۔ ''س''

[2] اسد الغابۃ، ج ٢، ص: ٢٧٨۔

[3] بخاری، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثته اغنیاء: ٢٧٤٢۔

ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے۔ [1] اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے، آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین میں رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی، آپ ﷺ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

لا و اللہ لا نطلب ثمنه الا الی اللہ۔ [2] ''نہیں ہم خدا کی قسم! قیمت نہ لیں گے ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے۔''

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو وقف مشاع (مشترکہ جائیداد کا وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں، اس کے بعد ۴ھ یا ۵ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۟ ﴾ (۳/ آل عمران:۹۲)

''تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ میں نہ دے دو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔''

تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! بیرحا [3] مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں، آپ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں۔ چنانچہ آپ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔ [4]

اب تک وقف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ ''وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا'' لیکن ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔ خیبر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک زمین ملی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو وقف کرنا چاہا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان شئت حبست اصلها و تصدق بها)) [5] ''اگر چاہو اصل جائیداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔''

یہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائیداد وقف ہوئی:

انه لا يباع اصلها و لا يوهب و لا يورث۔

''اصل جائیداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹی جائے۔''

نکاح وطلاق

نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیلات اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی، یہاں

---

[1] حجة الله البالغة، الوصية والوقف، ص:۳۰۴۔ [2] بخاری، کتاب الوصایا، باب وقف الارض للمسجد: ۲۷۷٤۔ [3] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔ [4] بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الاقارب: ۱٤٦۱؛ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقة و الصدقة علی الأقربين ...: ۲۳۱۵۔

[5] یہ تمام حدیثیں بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الوقف: ۲۷۳۷ میں ہیں۔

صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقہ جاری تھے، جن میں سے ایک کے سوا، سب زنا کے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا۔ متعہ (محدود الوقت نکاح) جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا، بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۷ھ غزوۂ خیبر میں قطعاً حرام ہو گیا [1] اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں منبر پر کہا کہ ''میں متعہ کو حرام کرتا ہوں۔'' یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہیں ہو سکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں۔ [2]

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً: محرماتِ شرعی کا بیان، منہ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرتِ ازواج کی تحدید، تعدادِ طلاق کی تعیین، زمانۂ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقہ طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغ گوئی کا دعویٰ کرنا، یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت میں آئیں گی، یہاں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں، اور ان کے نزول کا زمانہ ۴ھ اور ۵ھ ہجری ہے۔

حدود و تعزیرات

دنیا [3] کے مادی خزانہ میں انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین، ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں اتر چکا تھا۔ معراج کے سلسلہ میں جو اخلاقی احکام بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۳۳)

''خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق نہ مارو، اور جو ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا، چاہیے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے، اس کی مدد کی جائے۔''

عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل و قصاص کے کچھ قوانین موجود تھے۔ یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، تورات کے حدود و تعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی، اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصلِ مقدمات کے لیے بارگاہِ نبوت کی طرف رجوع کیا۔ آپ ﷺ ان کے مقدمات عموماً تورات کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة اخيراً: ۵۱۱۵؛ مسلم، كتاب النكاح، باب نكاح المتعة: ۳۴۳۳؛ ترمذی، ابواب النكاح، باب في تحريم المتعة: ۱۱۲۱۔

[2] ابن ماجه، كتاب النكاح: ۱۹۶۳؛ مسلم: ۳۴۱۶ (میں اس مفہوم کی روایات ہیں) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ تلخيص الحبير: ۳/ ۱۵۴۔ [3] اضافہ تا ختم باب حلال و حرام۔

عرب میں ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا، اس لیے غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آ چلا تھا قصاص کا حکم نازل ہوا۔ یاد ہوگا کہ اطرافِ مدینہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے۔ ان دونوں میں بنونضیر معزز سمجھے جاتے تھے اس لیے کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کر ڈالتا تو اس کو بنونضیر مار ڈالتے تھے اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہو جاتا تو چھوہاروں کے سووسق خون بہا دے دیتے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، لوگوں نے اس کا مرافعہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتیں اتریں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے: [1]

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ﴾ (۵/ المآئدۃ:۴۵)

''ہم نے ان کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔''

یہ حکم گو یہودیوں کے لیے تھا لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۷۸)

''مسلمانو! تم پر مقتولین میں مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے۔''

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلے کو دنیا میں ہمیشہ کے لیے برابر کر دیا۔ یہودیوں میں خون بہا (دیت) کا قانون نہ تھا [2] لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا:

﴿ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ﴾

(۲/ البقرۃ:۱۷۸)

''اس کے بھائی (یعنی اولیائے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے، تو اس کی پابندی خوبی کے ساتھ کرنا اور بطورِ احسن اس کو ادا کر دینا چاہیے۔''

اب تک قتلِ عمد اور قتلِ شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی ۶ھ میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا، ایک اور مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا، آنحضرت ﷺ نے مقتول کے بھائی کو خون بہا دے کر راضی کر لیا، اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

[1] ابو داود، کتاب الدیات، باب النفس بالنفس: ٤٤٩٤۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: یایها الذین امنوا کتب علیکم القصاص: ٤٤٩٨۔

وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝﴾ (٤/ النسآء: ٩٢، ٩٣)

’’کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے لیکن غلطی سے، اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خون بہا اس کے وارثوں کو ادا کرنا چاہیے لیکن یہ کہ وہ معاف کریں تو خیر، اگر مقتول خود مسلمان ہو، وہ کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرو اور اگر ایسی قوم سے ہو جس سے تم نے معاہدہ کیا ہو تو خون بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا چاہیے، اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے چاہیں کہ خدا اس کی طرف رجوع ہو خدا علم اور حکمت والا ہے اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا خدا اس پر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور اس کے لیے بڑا عذاب اس نے مہیا کیا ہے۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قصاص وقتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم ہے۔ حفاظتِ جان کا اعلان فتحِ مکہ کے موقع پر ہوا، جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ ’’زمانۂ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔‘‘ اس کے بعد قتل خطا مشابہ بہ قتل عمد کے خون بہا کی تحدید فرمائی [1] قتل خطا کا خون بہا اہل قریہ کے لیے ۴۰۰ دینار مقرر کیا۔ [2]

۶ ھ تک رہزنوں کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ۶ ھ میں عکل وعرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے، یہاں کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی، آنحضرت ﷺ نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک موقع پر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے، وہ گرفتار ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا، گو یہ برابر کا انتقام تھا، تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی، اس لیے خدائے پاک کی طرف سے عتاب ہوا اور ڈاکوؤں کے لیے علیحدہ احکام نازل ہوئے: [3]

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ﴾

(٥/ المآئدة: ٣٣)

[1] ابو داود، کتاب الدیات، باب فی دیة الخطأ شبه العمد: ٤٥٤٧۔ [2] ابو داود، دیات الاعضاء: ٤٥٦٤۔

[3] ابو داود، کتاب الحدود، باب ما جاء فی المحاربة: ٤٣٦٤؛ بخاری: ٢٣٣۔

''ان لوگوں کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ادھر کے ہاتھ اور ادھر کے پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے الگ کر دیے جائیں (یعنی قید ہوں یا جلا وطن کیے جائیں)۔''

جان کے بعد مال کا درجہ ہے، اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لیے قطع ید کی سزا جاری تھی، اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا﴾ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا، چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی اس لیے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کے بہت چہیتے تھے، ان سے سفارش کرائی گئی، آپ ﷺ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ ''تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگزر کرتے، خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔'' اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کی۔ [1]

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی، یہودیوں میں تورات کی رو سے زانی کی سزا ''رجم'' یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس قانون کو جاری نہیں رکھ سکے تھے۔ اطراف مدینہ میں جو یہودی آباد تھے، رجم کے بجائے انہوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کالک لگا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، غالباً یہ ۳ھ کے اندر کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے اپنا رواج بتایا، آپ ﷺ نے تورات منگوا کر ان سے پڑھوایا، انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی، آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خداوندا! یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے، میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا۔'' [2] چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کیا گیا۔

۵ھ میں سورۂ نور نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا سو (۱۰۰) درے قرار دی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی [3] بہر حال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے سو (۱۰۰) درے اور بیاہوں کے لیے رجم کا حکم ہے۔ [4] چنانچہ ۷ھ میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اس نے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۴۷۵۔ [2] ابو داود، کتاب الحدود، باب فی رجم الیھودیین: ۴۴۴۶، ۴۴۴۷۔ [3] صحیح بخاری، کتاب المحاربین، باب رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت: ۶۸۳۰۔
[4] تمام کتب حدیث میں یہ مذکور ہے۔

ترجیح دی اور مجمع عام میں آکر بارگاہِ نبوت ﷺ میں عرض پرداز ہوا کہ ''یا رسول اللہ! میں گناہ گار ہوں! مجھے پاک کیجئے۔'' آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا۔ ❶

شراب ۵ھ میں حرام ہوئی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شراب خوری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی، چالیس درے تک لوگوں کو اس جرم میں مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسی (۸۰) درے کردیے تھے۔ ❷ قذف یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا ۵ھ میں نازل ہوئی: ❸

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ﴾ (۲۴/ النور: ۴)

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی درے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔''

دنیا میں تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو، جن حدود وتعزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ انہی تین چیزوں کے تحفظ کے لیے ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان قوانین کے نزول کے بعد، ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہِ حرام کی تاریخوں میں فرمایا۔

''مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابلِ حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر میں اس احاطہ حرم کے اندر، یہ مقدس دن قابل حرمت ہے۔'' ❹

حلال وحرام

ماکولات میں حلال وحرام

عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی، مردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے البتہ بعض بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں، اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد وعورت دونوں کھاسکتے ہیں اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائیں، اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے سورۂ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے لیکن ماکولات کی حلت وحرمت کے احکام مکہ ہی میں اترنے شروع ہوچکے تھے، چنانچہ سورۂ انعام میں مشرکین کے ان رسوم کی

❶ بخاری، کتاب المحاربین، باب رجم المحصن: ۶۸۱۴۔ ۵ھ کی تحدید میں کہیں بہ تفصیل مذکور نہیں ہے یہ سنہ اس قیاس سے شارحینِ حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بزمانہ فتح خیبر مدینہ میں آئے تھے۔ ❷ ابو داود، کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر: ۴۴۸۸، ۴۴۸۹۔

❸ واقعہ افک اسی سال ہوا تھا اور یہ آیت اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اس لیے اس کے لیے ۵ھ کا زمانہ متعین کیا گیا۔

❹ بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: ۴۴۰۶۔

تردید کے بعد یہ حکم آیا:

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ . (٦/ الانعام:١٤٥)

''کہہ دے کہ مجھ پر جو وحی اتری ہے، اس میں کسی کھانے والے پر کوئی شے حرام نہیں ہے۔ ہاں اگر حرام ہے تو مردار یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ یہ چیزیں ناپاک ہیں یا وہ گناہ کا جانور جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے لیکن جو بھوک سے لاچار ہو کر، نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہیں، ان میں سے کچھ کھا لے تو تیرا پروردگار معاف کرنے والا اور رحم والا ہے۔''

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مر جائے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود اپنے ہاتھ سے ماریں اس کو حلال جانتے ہیں حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری:

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ ﴾ (٦/ الانعام:١١٨: ١١٩)

''جو جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ، اگر تم اس کے احکام پر ایمان لاتے ہو۔ جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا وہ کیوں نہ کھاؤ، خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے اس کو تو وہ بیان ہی کر چکا۔''

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی میں سورۂ نحل کی آیت ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ (١٦/ النحل:١١٤) نازل ہوئی جس میں اسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا اور یہی چار چیزیں مردار، خون، سور اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں۔ مدینہ طیبہ آ کر پہلے سورۂ بقرہ میں ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ ﴾ (٢/ البقرۃ:١٧٣) تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیے گئے۔ عرب میں حلال وحرام کی تمیز کم تھی، وحشت و جہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب عام غربت اور افلاس تھی، اس لیے مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی، لوگ عموماً مردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مر جائے، اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مر جاتا تو اس کو حرام نہ سمجھتے، ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورہ مائدہ میں مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی، یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو ''والمنخنقة'' یا گردن ٹوٹنے سے مرا ہو، ''الموقوذة'' یا اوپر سے گر کے مرا ہو، ''والمتردية'' یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو، ''والنطيحة'' ۔ یا کسی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا ہو ''وما اكل السبع'' صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا الا ماذكيتم۔

۷ھ میں جب مسلمانوں کو خیبر کی فتوحات اور جاگیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہیں۔ ۸ھ میں فتح مکہ

کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا، اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے۔ اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا، اس پر یہ آیت اتری: [1]

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ ﴾ (٥/ المآئدة:٤)

''تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا کہہ دے کہ تمام ستھری چیزیں۔''

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔ [2]

شراب کی حرمت

مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً: تعداد ازواج وغیرہ) نفس پرستی کے مؤید تھے اس لیے عرب کو اس کے قبول کرنے میں کوئی ایثار درکار نہ تھا، بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی، یہاں صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے۔

عرب کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی، تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا، عرب کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے، مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہیں، اس لیے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی۔

مدینہ میں شراب خوری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا، بڑے بڑے شرفا اعلانیہ شراب پیتے تھے، عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقا سمجھتے تھے ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللّٰهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا۔ [3]

''اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان کر دے۔''

اس پر یہ آیت اتری:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ ﴾ (٢/ البقرۃ:٢١٩)

---

[1] یہ واقعہ لباب النقول فی اسباب النزول علامہ جلال الدین سیوطی، برحاشیہ تفسیر القرآن العظیم، ج۱ص:۱۰۰ پر درج ہے۔
[2] حوالوں کے لیے ان آیتوں کے شان نزول تفسیروں میں دیکھو تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورة المائدة: ٤۔
[3] فتح الباري، ج٨، ص:٢١٠۔

''لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لیکن فائدہ سے گناہ بڑھ کر ہے۔''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی کھانے کے بعد مغرب کا وقت آ گیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے) اس پر یہ آیت اتری:

﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ (٤/ النسآء:٤٣)

''نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو سمجھ بھی سکو۔''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا، تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ ''کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے'' لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی دعا کی۔ [1] اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت پہنچ گئی، [2] اس پر یہ آیت اتری: [3]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ (٥/ المائدة:٩٠، ٩١)

''مسلمانو! بے شبہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں، تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو بولو! تم باز آتے ہو؟''

(ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی) اسی وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی گلی کوچوں میں منادی کرا دی کہ آج سے شراب حرام ہے، لیکن بایں ہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی ۸ھ میں یہ بھی حرام ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے اس کا اسی وقت اعلان کیا۔ [4] اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت

---

[1] یہ پورا واقعہ ابو داود، کتاب الاشربة، باب تحریم الخمر: ٣٦٧٠ میں مذکور ہے۔ [2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن وقاص: ٦٢٣٨۔ [3] ابوداود میں پوری آیتیں مذکور نہیں ہیں بلکہ چند الفاظ نقل کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے (رقم الحدیث: ٣٦٧٢)۔ [4] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب یمحق الله الربو: ٤٥٤١ وصحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الخمر: ٤٠٤٧ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اواخر سورۂ بقرہ کے نزول کے بعد جس میں حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا، یہ آیتیں ۸ھ میں نازل ہوئی ہیں۔'' س''

فرمائی جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام)) ❶

”خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام کردی۔“

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل میں آئی، بایں ہمہ ابھی تک یہ نہیں متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے۔ محدثین اور ارباب روایت اس امر میں نہایت مختلف الآراء ہیں۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، فتح الباری، کتاب التفسیر، سورۃ مائدۃ باب لیس علی الذین امنوا میں لکھتے ہیں:

والذی یظہر ان تحریمہا کان عام الفتح سنۃ ثمان کماروی احمد من طریق عبدالرحمن بن وعلۃ قال سالت ابن عباس عن بیع الخمر فقال کان لرسول اللہ ﷺ صدیق من ثقیف اودوس فلقیہ یوم الفتح براویۃ خمر یہد یہا الیہ فقال: ((یا فلان اما علمت ان اللہ حرمہا))۔ (الخ)

”اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے زمانہ ۸ھ میں ہوئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمن بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک دوست تھے جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ سے تھے، وہ آنحضرت ﷺ سے فتح مکہ میں ملے اور ایک مشک شراب تحفہ میں پیش کی آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کو معلوم نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کردیا ہے۔“

ہماری رائے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوا تھا۔ ❸ یہ کہاں ثابت ہوتا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والاصنام: ۲۲۳۶، ومسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ: ۴۰۴۸۔ ❷ سیرت النبی ﷺ جلد اول میں حرمت شراب کی دو تاریخیں دو مختلف مقامات پر لکھی گئی ہیں ۴ھ اور ۸ھ۔ پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے دوسرا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے لیکن مصنفین سیرت النبی ﷺ کی اصلی تحقیق یہاں مذکور ہوتی ہے اور وہ اس باب میں عام محدثین کے ساتھ ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ”س“

❸ مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے، ثقیف کا قبیلہ ۸ھ میں مسلمان ہوا اور دوس گو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے، اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جس کی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہیں کی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ شراب کا پینا گو ۴ھ میں حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے، شراب کی خرید وفروخت ممانعت ربا کی حرمت کے ساتھ عمل میں آئی ہے اور ربا کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے یعنی ۸ھ میں، شراب فروشی کی ممانعت مدینہ میں اسی وقت کردی گئی لیکن اس کا عام اعلان آپ نے فتح مکہ کے زمانہ میں فرمایا جیسا کہ احادیث صحیح میں بتصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والاصنام: ۲۲۳۶ اور صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر: ۴۰۴۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ اس وقت تک حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی، بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی۔ علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہوچکی تھی یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ ھ تک حلال رہتی اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی، حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہوچکی تھی۔ [1]

سود خواری کی حرمت

سود خواری [2] بھی ان اخلاق ذمیمہ میں سے ہے جو اہل عرب کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئے تھے اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے۔ قریش عموماً تجارت پیشہ تھے، ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے، وہ غریبوں اور کاشتکاروں کو بھی شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہوجاتا، اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے [3] خود آنحضرت ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے [4] آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا، سب سے پہلے آپ ﷺ نے چاندی اور سونے کے ادھار خرید وفروخت کو سود قرار دیا [5] پھر دو گنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری:

(گزشتہ سے پیوستہ) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۸ ھ میں نازل ہوئی وہ خود جلد ۱۰، ص: ۱۴۱ میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے جواب میں لکھتے ہیں: قلت ويحتمل ان يكون تحريم التجارة فيها تاخر عن وقت تحريمها والله اعلم یعنی "ممکن ہے کہ شراب پینے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو" صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (باب تحریم بیع الخمر: ۴۰۴۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اس کی خرید وفروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی لیکن اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے جو روایتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یا ان کے بعد کے راویوں سے کسی قدر تسامح ہوا ہے وهذا هو الحق علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کی جس حدیث سے فتح مکہ میں شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحريم بيع الخمر: ۴۰۴۴) میں بھی ہے لیکن اس میں فتح مکہ کی تعیین نہیں)

[1] سب سے بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد میں شریک ہوئے اور اسی حالت میں مارے گئے ان کا کیا حال ہوگا، اس پر یہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا اور جنگ احد کا زمانہ یہی ہے، بخاری کتاب التفسیر، تفسیر آیت مذکورہ: ۴۶۱۸ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

صبح اناس غداة احد الخمر فقتلوا من يومهم جميعا شهداء وذالك قبل تحريمها۔
"غزوہ احد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی اور یہ سب اسی دن شہید ہوئے یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔"

اس روایت کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت ایضا: ۴۶۲۰ کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہے:

فقال بعض القوم قتل قوم وهي في بطونهم قال فانزل الله ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ
"حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مارے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی اس پر یہ آیت اتری کہ مومن پر کچھ حرج نہیں" س۔

[2] اضافہ تا ختم سود۔ [3] مؤطا امام مالك، كتاب البيوع، باب ما جاء في الربوا في الدين: ۱۳۷۸۔

[4] ابن جرير تفسير آيت ربو: ج ۳، ص: ۶۵۔

[5] صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الصرف، بيع الذهب بالورق نقدا: ۴۰۵۹ تا ۴۰۷۰۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

(۳/ آل عمران: ۱۳۰)

''مسلمانو! دگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو، اور خدا سے ڈرا کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ منع فرمایا ❶ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ''سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے۔'' ❷ سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت اتری:

﴿ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۷۵)

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھوکر مخبوط بنا دیتا ہے اس لیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے۔ خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا، پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا۔''

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے، جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے؟ اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گا۔ یہاں صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے، بہرحال اس آیت میں بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

''مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔''

یہ آیت جب اتری تو آپ ﷺ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا ❸ ۹ھ میں اہل

❶ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بیع الطعام مثلا بمثل: ۴۰۸۱۔

❷ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب بیع القلادۃ فیھا خرز: ۴۰۷۶۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب تحریم التجارۃ فی الخمر: ۲۲۲۶؛ مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر: ۴۰۴۶۔

نجران سے جو معاہدات صلح ہوئے ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ''سود نہ لیں گے ❶ ذی الحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملکِ عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے آپ ﷺ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔ ❷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔ ❸

❶ ابو داود، کتاب الخراج والامارة، باب فی اخذ الجزیة: ۳۰۴۱۔

❷ ابن ہشام، ج۲، ص:۳۹۰۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب واتقوا یوما...... : ٤٥٤٤۔

سال اخیر، حجۃ الوداع، اختتام فرضِ نبوت

ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق فروری ۶۳۲ء

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ (۱۱۰/ النصر: ۱، ۳)

''جب خدا کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں، تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر، خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی، تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اسی بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے معنی پوچھے، لوگوں نے مختلف معنی بتائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھا، وہ کمسن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا کہ ''آیت آنحضرت ﷺ کے قربِ وفات کا اعلان ہے، [1] کہ استغفار موت کے لیے مخصوص ہے۔''

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا [2] کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت [3] کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سدِ راہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا، لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

بہرحال [4] ذوقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ نصر: ۴۹۷۰۔ [2] واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ سورۃ آنحضرت ﷺ کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ۱۰ھ میں اور عین ایام تشریق میں اتری ' (یہ دوسری روایت اصل میں بیہقی کی ہے ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ ''اس کی سند ضعیف ہے'' ج ۳ ص: ۱۱۹۔ اس لئے واحدی کی روایت صحیح ہے سیوطی نے بھی اسباب النزول میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورۂ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی، تصریحات ائمہ اور اشاراتِ حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کے طرزِ بیان نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے۔ یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو یونے دو برس پہلے جن روایتوں میں وفات سے چند روز پہلے اس سورۃ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ضعیف ہیں۔'' س' [3] سنن ابن ماجہ میں ہے (كتاب المناسك باب حجة رسول الله ﷺ: ۳۰۷۶) کہ ہجرت سے پہلے آپ ﷺ نے دو حج فرمائے بعض حدیثوں میں جو یہ ہے کہ آپ نے ایک ہی حج کیا تھا (ترمذی، ابواب الحج، باب كم حج النبي ﷺ: ۸۱۵ اور ابو داود، كتاب المناسك، باب وقت الاحرام: ۱۷۷۰) اس سے مقصود بعد ہجرت ہے۔

[4] ابو داود، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ: ۱۹۰۵، اور صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي: ۲۹۵۰ میں حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب وہ نابینا ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ کے حج کا حال پوچھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آلِ رسول کی محبت سے امام باقر رحمہ اللہ کے گریبان کے تکمے کھولے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا: بھتیجے! پوچھو! کیا پوچھتے ہو؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں۔ یہ خبر دفعتہً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب اُمنڈ آیا۔ (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا، ❶ اور چادر اور تہبند باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے، جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر (شب بھر) اقامت فرمائی اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کے جسم مبارک میں عطر ملا ❷ اس کے بعد آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:

لبيك اللّٰهم لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد و النعمة لك و الملك لك لا شريك لك۔

''اے خدا! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے خدا! تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ ❸ آنحضرت ﷺ جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں، آنحضرت ﷺ ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ سرف پہنچ کر غسل فرمایا، دوسرے دن (اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت) مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپ ﷺ نے فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا ❹ کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ ''اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے۔'' پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (۲/ البقرة:۱۲۵)

''اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔''

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

(۞۞ گزشتہ سے پیوستہ) پھر نہایت تفصیل سے حج نبوی کے تمام حالات بیان کئے، اوقات کی تعیین بھی بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباس، انس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں میں ہے اور امام نسائی نے کتاب المناسک میں آنحضرت ﷺ کے اوقات وتاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے۔ باب الوقت الذی خرج فیه النبی ﷺ: ۲۶۵۱۔ ❶ غسل کا ذکر طبقات ابن سعد ذکر حجة الوداع میں ہے (جز ثانی قسم اول ص:۱۲۴) ❷ بخاری، کتاب الحج، باب الطیب عند الاحرام: ۱۵۳۹ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الطیب قبیل الاحرام: ۲۸۲۴۔

❸ کم وبیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے۔ ❹ نسائی، کتاب المناسك الحج، باب استقبال الحج: ۲۸۹۷۔

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۵۸)

''صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔''

(یہاں سے) کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِى وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ اَنْجَزَ وَعْدَهُ نَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ)) [1]

''خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے سلطنت اور ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے، کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔''

صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لائے، یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔ اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے، صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا، بعض صحابہ نے گزشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔'' [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیے انہوں نے احرام نہیں اتارا، جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا، دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔ [3] قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آ جائے گا لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی، اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس لیے (خدا نے حکم دیا) ﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۹۹)

آپ ﷺ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے [4] اور یہ اعلان کرا دیا۔ [5]

((قفوا علی مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم))

''اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت ہو۔''

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور ان ہی نے اس مقام کو اس غرض خاص

---

[1] ابوداود، کتاب المناسک، باب صفة حجة النبی ﷺ:۱۹۰۵ وسنن ابن ماجه، ابواب المناسک، باب حجة رسول الله ﷺ: ۳۰۷۴۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب من اهل فی زمن النبی ﷺ:۱۵۵۸۔

[3] ابو داود، حواله سابق۔ [4] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الوقوف بعرفة: ۱۶۶۵۔

[5] ابو داود، کتاب المناسک، موضع الوقوف بعرفة: ۱۹۱۹۔

کے لیے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے وہاں آپ ﷺ نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا، دو پہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((الا کل شیء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع)) [1]

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔''

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی تمام قوموں نے تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا، سلاطین سایۂ یزدانی تھے، جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی، آئمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفاء، رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام فرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔ [2]

((ايها الناس !الاان ربكم واحد وان اباكم واحد الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على اسود ولا لا سود على احمر الا بالتقوى)) [3]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ: ۲۹۵۰؛ ابوداود، کتاب المناسك، باب صفة حج النبی ﷺ: ۱۹۰۵۔ یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت ﷺ کے خطبہ کے ٹکڑے ہیں یہ جملے کسی حدیث میں یکجا بیان نہیں ہوئے ہیں اس لیے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم (باب حجة النبی ﷺ وباب الدیات) اور ابو داود (باب الاشهر الحرم وحجة النبی ﷺ) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت جابر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں مثلاً ((ان دمائکم واموالکم حرام علیکم کحرمة)) الخ اور بعض باتیں الگ ہیں، مغازی وسیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا، ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اسی کی اس نے روایت کر دی، اس بنا پر مختلف ماخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا ہے اور اس کے جا بجا حوالے دیے گئے ہیں، خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیے ہیں، روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں، بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ، ترمذی اور مسند احمد میں خطبہ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپ نے یہ فرمایا بہر حال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو، ۱۰ ذی الحجہ کو اور تیسرا خطبہ ایام التشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو، ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں، یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لیے آپ نے اپنی تقریر کے بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے'' س۔

[2] امام احمد نے مسند میں ابونضرہ تابعی کے واسطہ سے اور تابعی مذکور نے ایک صحابی سے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے سنا تھا یہ فقرہ نقل کیا ہے، (بحواله منتقى الاخبار ابن تيمية، ج ۲، ص: ۲۸۶ مطبع حجازی، ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء)

[3] مسند احمد، ج ۵، ص: ۴۱۱۔

''لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔''

((ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوۃ)) [1]

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔''

((ارقاء کم ارقاء کم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون)) [2]

''تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔''

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا، تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پرفخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے، (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے):

ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم أضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ بن الحارث۔ [3]

''جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں۔''

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے، اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

((وربا الجاھلیۃ موضوع واوّل ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب)) [4]

''جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس [5] بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔''

آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں، جو قمار بازیوں میں داؤں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک، قدر دانی کا تاج پہنتا ہے:

---

[1] مستدرك حاكم، ج ١، ص: ٩٣ وطبری ج ٤، ص:٧٥٤ وابن اسحاق۔ [2] ابن سعد بسند زید بن خطاب، قسم اول جزء ثانی، ص:١٣٣۔ [3] ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا (ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ربیعہ خلافت فاروقی تک زندہ رہے اور ٢٣ھ میں وفات پائی، صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا وہ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا، دیکھو ابو داود:١٩٠٥، وصحیح مسلم باب حجة النبی ﷺ: ٢٩٥٠ اور زرقانی، ج ٨، ص: ٢٠١)
[4] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ: ٢٩٥٠؛ ابو داود:١٩٠٥۔ [5] آنحضرت ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے، بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا، دیکھو تفسیر آیت ربوٰ۔

((فاتقوا اللّٰہ فی النساء)) [1]

''عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔''

((ان لکم علی نسائکم حقا ولھن علیکم حقا)) [2]

''تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔''

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے:

((ان دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی شھر کم ھذا فی بلدکم ھذا الی یوم تلقون ربکم)) [3]

''تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔''

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں، بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ تھی، خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے:

((وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب اللّٰہ)) [4]

''میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ!''

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا: [5]

((ان اللّٰہ عزوجل قد اعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث))

''خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا، اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔''

---

[1] صحیح مسلم: ۲۹۵۰ وابو داود: ۱۹۰۵۔ اس کے بعد آپ نے زن و شوہر کے فرائض کی تفصیل فرمائی۔

[2] طبری، ج ٤، ص: ۱۷۵٤؛ ابن ہشام، ج ۲، ص: ۳۹۰ وغیرہ۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی: ۱۷٤۱ ومسلم: ۲۹۵۰ وابوداود: ۱۹۰۵ وغیرہ۔

[4] مسلم، ایضًا، ابوداود، ایضًا۔

[5] سنن ابن ماجه، باب الوصایا، باب من لا وصیة لوارث: ۲۷۱۳ ومسند ابو داود طیالسی: ۱۳۱۳؛ ابوداود کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث: ۲۸۷۰ میں مختصراً ہے، ابن سعد، جزء ۲، قسم ۱، ص: ۱۳۱ اور ابن اسحاق نے بھی اس کی بسند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

((الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله)) [1]

''لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، زنا کار کے لیے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔''

((من ادعى الى غير ابيه وانتمى الى غير مواليه فعليه لعنة الله)) [2]

''جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔''

((الا لا يحل لامرأة ان تعطى من مال زوجها شيئا الا باذنه الدين مقضى والعارية موداة والمنحة مردودة والزعيم غارم)) [3]

''ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے عطیہ لوٹایا جائے ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔''

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا:

((انتم مسؤلون عنى فما انتم قائلون)) [4]

''تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

((اللّٰهم اشهد))۔ [5] ''اے خدا تو گواہ رہنا۔''

عین اس وقت جب آپ ﷺ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے، یہ آیت اتری: [6]

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔'' (۵/المآئدۃ:۳)

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا، اس کے تختِ شہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ [7]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف

[1] بخاری: ٦٧٤٩؛ مسلم: ٣٦١٣؛ ابوداود: ٢٢٧٤۔ [2] ابن ماجه: ٢٦٠٩؛ ابن حبان: ٤١٨۔

[3] مسند ابوداود الطيالسى، ص: ١٥٤۔ [4] صحيح مسلم: ٢٩٥٠ وابو داود: ١٩٠٥۔

[5] صحيح بخارى: ١٧٤١؛ مسلم: ٢٩٥٠؛ ابوداود: ١٩٠٥۔

[6] صحيح بخارى: ٤٥؛ صحيح مسلم: ٧٥٢٥ تا ٧٥٢٧ وابو داود حوالہ سابق وغیرہ، طبقات ابن سعد جز ۲، قسم اول، ص: ۱۳۵، میں تصریح خاص ہے۔ [7] طبقات ابن سعد، جز ٢، قسم: ١، ص: ١٢٧۔

رہے، جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ ﷺ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا، آپ ﷺ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آ کر لگتی تھی، لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا، لوگوں کو دست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپ ﷺ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ''آہستہ آہستہ'' اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے:

((السكينة ياايها الناس السكينة يا ايها الناس)) ❶

''لوگوں! سکون کے ساتھ، لوگو! سکون کے ساتھ۔''

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی، اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے، فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریوں کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی عشاء کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیے بیدار نہ ہوئے۔ ❷ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ ﷺ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی، صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ کفارِ قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اس وقت بآواز بلند کہتے تھے: ''کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا۔'' آنحضرت ﷺ نے اس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ فرمایا یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے برادرِ عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہل حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آ رہے تھے، آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے ❸ وادی محسر کے راستہ سے آپ جمرہ کے پاس آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو اس وقت کمسن تھے فرمایا: ''مجھے کنکریاں چن کر دو۔'' آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ❹

((اياكم و الغلو فى الدين فانما اهلك من كان قبلكم الغلو فى الدين))

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔''

اسی اثنا میں آپ ﷺ یہ بھی فرماتے:

---

❶ بخاری، کتاب الحج، باب امر النبی ﷺ بالسكينة: ١٦٧١ ومسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ: ٢٩٥٠؛ ابو داود: ١٩٠٥؛ ابن ماجه: ٣٠٧٤۔ نوٹ: مذکورہ کتب میں ''یا'' کے بغیر ہے۔

❷ ابو داود، کتاب المناسك، باب صفة حجة النبی ﷺ: ١٩٠٥؛ بخاری: ١٣٩؛ مسلم: ٢٩٥٠۔

❸ ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور اقامت میں ادا کی اور لیٹ گئے اور طلوع فجر تک بیدار نہ ہوئے۔ (کتاب المناسك، باب حجة رسول الله ﷺ: ٣٠٧٤۔ ❹ سنن نسائی، کتاب المناسك، باب التقاط الحصى: ٣٠٥٩؛ ابن ماجه، ابواب المناسك، باب قدر حصى الرمى: ٣٠٢٩۔

((لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی هذه)) [1]

''حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا، شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔''

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے اور داہنے بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائضِ نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائضِ تبلیغ کے کارناموں پر ختمِ رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول اللہ ﷺ کے کام و دہن میں زمزمہ پرداز ہوئی۔

اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا:

((ان الزمان قد استدار کهیئته یوم خلق اللّٰه السموات و الارض)) [2]

''ابتدا میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا۔''

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا، اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔ [3] اس لیے عربوں کے خون آشام جذبات حیلہ جنگ کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے اشہر حرم کی تعیین کر دی جائے، آپ نے فرمایا:

((السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاثة متواليات ذو القعدة و ذو الحجة ومحرم ورجب شهر مضر الذی بین جمادی و شعبان)) [4]

''سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین تو متواتر مہینے ہیں، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔''

---

[1] مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة: ۳۱۳۷؛ ابوداود، کتاب المناسك، باب فی رمی الجمار: ۱۹۷۰۔ [2] ابوداود، کتاب المناسك، باب الاشهر الحرم: ۱۹۴۷۔

[3] حج کے ان مہینوں کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب میں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں سب برابر ان کی عزت کرتے تھے، ان مہینوں میں جنگ و جدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے، قدیم اشعار عرب میں اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے، رومیوں کی تاریخ میں بھی عربوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ ۵۴۱ء میں رومیوں کو شام اور فلسطین میں کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی اور ساتھ ہی عربوں کے حملہ کا خوف لگا تھا، سپہ سالار روم جو عربوں کے اندرونی حالات سے واقف تھا، اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں عربوں سے کوئی خوف نہیں کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آ رہے ہیں جن میں اہل عرب عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لگاتے۔ نتائج الافہام محمود پاشا فلکی ص: ۳۵ بحوالہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جنرل اپریل ۱۸۴۳ء'' س۔''

[4] ابو داود، کتاب المناسك، باب الاشهر الحرم: ۱۹۴۷ بروایت ابوبکرہ۔

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو۔ آنحضرت ﷺ کل کے خطبہ میں گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ ﷺ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔

لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا: ''کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ دیر تک چپ رہے لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، دیر تک سکوت کے بعد فرمایا: ''کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہاں بے شک ہے۔ پھر ارشاد ہوا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا! ہاں بے شک ہے۔ پھر پوچھا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا: ''کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟'' لوگوں نے عرض کی ہاں بے شک ہے۔ جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن، اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں، تب فرمایا:

((فان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا))۔ [1]

''تو تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو، (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔''

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ وجدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے، وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا، اس نے اپنے پیروؤں سے بآواز بلند کہا:

((وستلقون ربکم فیسألکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض))۔ [2]

''ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔''

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا، جو مدت سے دنیا میں حکمراں تھا، اگرچہ قرآن مجید نے ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی﴾ کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کردی تھی لیکن

[1] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی: ۱۷٤۱۔ بروایت ابوبکرہ
[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع: ٤٤٠٦۔ بروایت ابوبکرہ

اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظامِ سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الا لا یجنی جان الا علی نفسه الا لا یجنی جان علی ولده ولا مولود علی والده)) [1]

''ہاں! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔''

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا، ارشاد ہوا:

((ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللّٰه فاسمعوا له واطیعوا)) [2]

''اگر کوئی حبشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔''

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکیں تھیں، اس بنا پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الا ان الشیطان قد أیس ان یعبد فی بلدکم هذا ابدا ولکن سیکون له طاعة فیما تحقرون من اعمالکم فیرضی به)) [3]

''ہاں، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی، لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔''

سب سے آخر میں آپ ﷺ نے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے:

((اعبدوا ربکم فصلوا خمسکم وصوموا شهرکم واطیعوا اذا آمرکم تدخلوا جنة ربکم)) [4]

''اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کے روزے رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

---

[1] ابن ماجه، ابواب المناسك، باب الخطبة یوم النحر: ٣٠٥٥۔ (معناه)

[2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة: ٣١٣٨۔

[3] ابن ماجه، ابواب المناسك، باب الخطبة یوم النحر: ٣٠٥٥۔(معناه)

[4] مسند احمد، ج ٥، ص: ٢٥١ ومستدرك حاكم، ج ١، ص: ٤٧٣؛ ترمذی:٦١٦۔

((الا ھل بلغت؟)) ''کیوں میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟'' سب بول اٹھے ہاں، فرمایا: ((اللھم اشھد)) ''اے خدا! تو گواہ رہنا۔'' پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ((فلیبلغ الشاھد الغائب)) ''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔'' خطبہ [1] کے اختتام پر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع [2] کہا۔

اس کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ ''قربانی کے لیے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔'' آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیے کہ وہ ذبح کریں، اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو، سب خیرات کر دیا جائے، یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے، [3] بلکہ الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرطِ محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا اور بعض ان لوگوں کو جو پاس بیٹھے تھے، [4] عنایت فرمائے اور باقی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیے اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔'' [5]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا، آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔ [6]

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ:۳۱۳۸ میں روایت ہے کہ قال قولا کثیرا ''آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: ۴۴۰۲ میں ہے کہ آپ نے اس میں دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا لیکن یہ تعیین نہیں کہ کس دن کے خطبہ میں یہ فرمایا۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی:۱۷۴۲۔ [3] بخاری، کتاب الحج، باب لا یعطی الجزار۔۔۔: ۱۷۱۶۔

[4] مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم النحر أن یرمی: ۳۱۵۲ تا ۳۱۵۵؛ ابوداود، کتاب المناسك، باب الحلق والتقصیر: ۱۹۸۱، ۱۹۸۲۔ [5] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ: ۲۹۵۰۔

[6] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بخاری، باب این یصلی الظھر: ۱۶۵۳؛ مسلم: ۳۱۶۶، دونوں میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن بھی منیٰ میں پڑھی لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو طویل حدیث قصہ حجۃ الوداع میں ہے اس میں تعیین ہے کہ آپ نے مکہ میں نماز ظہر پڑھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اس بنا پر محدثین میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک آپ ﷺ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ (ابوداؤد باب الخطبۃ بمنٰی) میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ ذی الحجہ کو بھی منٰی میں ایک خطبہ دیا تھا، جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گزر چکے ہیں۔ ۱۳ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب ❶ میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا، پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی، اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا، اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، راہ میں ایک مقام خُم پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے، آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

((اما بعد! الا ایها الناس! فانما انا بشر یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب و انا تارك فیكم الثقلین اولهما كتاب اللّٰه فیه الهدی و النور فخذوا بكتاب اللّٰه و استمسكوا به و اهل بیتی اذكركم اللّٰه فی اهل بیتی)) ❷

''حمد و ثنا کے بعد، اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت)۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔''

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا، یہ صحیح مسلم (مناقبِ حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے۔ نسائی مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم، وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:

((من كنت مولاه فعلی مولاه اللّٰهم وال من والاه و عاد من عاداه)) ❸

''جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے، الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ، اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔''

(❶❶ گزشتہ سے پیوستہ) ان دونوں قولوں کی باہمی ترجیح اور وجوہِ ترجیح میں اختلاف ہے، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے، فریقین کے موازنہ دلائل کے بعد ہم نے ابن قیم رحمہ اللہ کا فیصلہ قبول کیا ہے ''س''۔ ❶ اسی کا دوسرا نام ابطح اور خیف بنی کنانہ ہے۔

❷ صحیح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب: ٦٢٢٥۔

❸ مسند احمد: ٤/ ٣٧٠؛ ترمذی: ٣٧١٣؛ ابن حبان: ٦٨٩٢؛ مستدرك حاكم: ٣/ ١١٠۔

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی ۔ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن بھیجے گئے تھے، جہاں سے واپس آ کر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا، ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا'' [1] عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کو کبۂ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا، سوادِ مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے: [2]

((اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علی کل شیء قدیر، ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق اللّٰہ وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ)) [3]

''خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لیے مدح اور ستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرمانبردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر، اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو کر، خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی الی الیمن: ۴۳۵۰۔

[2] حجۃ الوداع کے واقعات تمام تر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی سے لیے گئے ہیں، ہر واقعہ کے لیے ان کتابوں میں کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو۔ [3] صحیح بخاری، کتاب العمرۃ، باب مایقول اذا رجع من الحج: ۱۷۹۷؛ صحیح مسلم ۳۲۷۸؛ ابوداود: ۲۷۷۰؛ ترمذی: ۹۵۰۔

وفات

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ﴾ (۳۹/ الزمر: ۳۰)*

ربیع الاوّل ۱۱ھ مطابق مئی ۶۳۳ء

روح قدسی کو عالمِ جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیلِ شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کام درجۂ کمال تک پہنچ جائے۔ حجۃ الوداع میں یہ فرضِ اہم ادا ہو چکا، توحید کامل اور مکارمِ اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ﴾ (۵/ المآئدۃ: ۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔''

سورۂ فتح کا نزول خاص خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ کے قربِ وفات کی اطلاع دے چکا تھا، [1] اور آپ ﷺ حکم ربانی ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾ (۱۱۰/ النصر: ۳) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل میں بسر فرماتے تھے، [2] آپ عموماً ہر سال رمضان مبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ ﷺ پورا قرآن ناموس اکبر (حضرت جبریل علیہ السلام) کی زبانی سنتے تھے لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا [3] حجۃ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ ''مجھے امید نہیں کہ آیندہ سال تم سے مل سکوں۔'' بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: ''شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں۔'' [4] غدیر خم کے خطبہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

غزوۂ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی، تمام غزوات میں صرف غزوۂ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی، اس لیے ان کی یاد آپ ﷺ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا اور ان کو حسرت کے ساتھ الوداع کیا۔ شہدائے اُحد جو ﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ ﴾ کے مژدۂ جاں فزا سے فیض یاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو الوداع کیا کہ ''جس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: فسبح بحمد ربك: ۴۹۷۰۔ [2] اس قسم کی روایتیں گو طبری، ابن خزیمہ اور ابن مردویہ میں ہیں لیکن مختصر اًصحیح بخاری، تفسیر اذا جاء: ۴۹۶۸ میں بھی مذکور ہیں۔ [3] صحیح بخاری، باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان؛ ۲۰۴۴ و کتاب فضائل القرآن، باب کان جبریل یعرض القرآن: ۴۹۹۸۔

[4] نسائی، کتاب مناسك الحج، باب الرکوب الی الجمار: ۳۰۶۴۔

طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے۔'' [1] اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: ''میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت وخون نہ کرو، تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔'' راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

غزوات میں گزر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا، آنحضرت ﷺ ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے، آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔ [2] (۱۸ یا ۱۹) صفر ۱۱ھ [3] میں آدھی رات کو آپ ﷺ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوة علی الشهید: ۱۳٤٤، ۳۵۹٦ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا: ۵۹٦٦۔ [2] واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی جانے کا حکم دیا تھا لیکن یہ روایتیں بے سند ہیں، اس لئے علامہ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایام علالت میں امام نماز مقرر فرمایا، اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ ﷺ نے مستثنیٰ کر لیا۔

[3] آنحضرت ﷺ کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں امر مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو بتا دینا چاہیے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے اور وہ یہ ہیں (۱) سال وفات ۱۱ھ ہے۔ (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی (۴) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب موت یوم الاثنین: ۱۳۸۷) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات فرمائی تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بروایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے دوشنبہ تک) بیمار رہے اور یہیں وفات فرمائی اس لیے ایامِ علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے عام روایات کی رو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہے۔ علالت کے ۵ دن آپ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے۔ اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ سے ہوتا ہے۔

تاریخ وفات کی تعیین میں راویوں کا اختلاف ہے، کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی مجھ کو کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی، ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں، یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول۔ ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لیے اصول روایت ودرایت دونوں سے کام لینا ہے اور روایت دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابومخنف کے واسطہ سے مروی ہے۔ (طبری ج ۴، ص: ۱۸۱۵) اس روایت کو گو اکثر قدیم مؤرخوں (مثلاً یعقوبی ومسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں مشہور دروغ گو اور غیر معتبر ہیں، یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد وطبری نے نقل کی ہے (طبقات ابن سعد، جز ۲، ص: ۵۷ جز وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے (ایضاً ص: ۵۸) البتہ بیہقی نے دلائل میں بسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے (نور النبراس ابن سید الناس ذکر وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے۔ (فتح الباری، ج ۸، ص: ۹۸) امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (ج ۲، ص: ۳۷۲ ذکر وفات مطبع جمالیہ مصر: ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃ اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری: ۱۳۸۷ وصحیح مسلم: ٦۹٤۵، [illegible]) تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا، یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ❶ کی باری کا دن تھا اور روز چہار شنبہ تھا، پانچ دن تک آپ ﷺ اس حالت میں بھی از راہِ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے، دوشنبہ کے دن، مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمائیں۔ خلق عمیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں طلب کی، بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام فرمانے کا تھا ازواجِ مطہرات نے مرضیٔ اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں قیام فرمائیں ❷ ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں

(گزشتہ سے پیوستہ) تاریخ کو جمعہ کا دن تھا (صحیح بخاری تفسیر ﴿الیوم اکملت لکم دینکم: ٤٦٠٦﴾ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول ذی الحجہ تک حساب لگاؤ، ذی الحجہ، محرم، صفر، ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹-۲۹ خواہ ۳۰-۳۰۔ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے، دوم ربیع الاول کے حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں۔ جب دو پہلی صورتیں صحیح نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے، اس حالت میں یکم ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ اگر ۹ ذی الحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہو سکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں۔	۶	۱۳	
۲	ذی الحجہ، محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں۔	۲	۹	۱۶
۳	ذی الحجہ ۲۹، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو۔	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱	۸	۱۵
۵	ذی الحجہ ۲۹، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱	۸	۱۵
۶	ذی الحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو۔	۷	۱۴	
۷	ذی الحجہ ۳۰، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۷	۱۴	
۸	ذی الحجہ ۲۹ کا اور محرم وصفر ۳۰ کے ہوں۔	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶۔۷۔۸۔۹۔۱۳۔۱۴۔۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں، رہ گئیں یکم اور دوم تاریخیں، دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے جو خلاف اصول ہے یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہو سکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایت ثقات ان کی تائید میں ہیں اس لئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے، اس حساب میں فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد ہے اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہو سکتے ہوں۔ کتب تفسیر میں آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہیں۔ (دیکھو ابن جریر، ج ۶، ص: ۴۴ و ابن کثیر، ج ۲، ص: ۱۳ و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ سے لے کر یکم ربیع الاول تک دو ۲۹ اور ایک مہینہ ۳۰ لے کر جو ہماری مفروضہ صورت ہے پورے ۸۱ دن ہوتے ہیں ابو نعیم نے بھی دلائل میں بسند یکم ربیع الاول تک تاریخ وفات نقل کی ہے۔ صفحہ ۱۴۶ "س" ❶ ابن سعد وعبدالرزاق بسند صحیح وصحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استخلاف الامام: ۹۳۷۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ٤٤٥٠۔ ابن سعد نے بروایاتِ صحیحہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لائے۔

آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب [1] کی نماز تھی، سر میں درد تھا، اس لیے سر میں رومال باندھ کر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورۂ والمرسلات عرفاً قراءت فرمائی۔ عشاء کی نماز کا وقت آیا [2] تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہے، لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو غش آ گیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا، تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی کہ یارسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب ہیں آپ ﷺ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں چنانچہ کئی دن [3] تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ [4] میں تمہارے لیے

(گزشتہ سے پیوستہ) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تھی۔ طبقات ابن سعد، جزء ۲، رقم: ۲، ص: ۲۹۔

[1] یہ حدیث بخاری: ۷۶۳، ۴۴۲۹ ومسلم: ۱۰۳۳؛ ابو داود: ۸۱۰؛ ترمذی: ۳۰۸ اور نسائی: ۹۸۶ میں مذکور ہے آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت آئے گی، جس میں مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد میں ظہر کی آپ ﷺ نے پڑھائی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ مغرب کا واقعہ اندرون حجرۂ نبوی کا واقعہ ہے جیسا کہ نسائی میں ہے (رقم: ۹۸۶) لیکن آگے چل کر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس میں مذکور ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے باہر نکل کر نماز پڑھائی" اس کی تاویل ان کو یہ کرنی پڑی کہ "اس سے مقصود ہے کہ خوابگاہ سے باہر آ کر" (جلد ۴ صفحہ ۲۰۴) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کہ اولاً حجرۂ نبوی ﷺ میں اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے دوسرے یہ کہ خوابگاہ کے علاوہ حجرۂ نبوی ﷺ میں اور جگہ کہاں تھی علاوہ ازیں احادیث میں صلی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے امام بن کر نماز پڑھائی گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہیں آتا۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ نماز مسجد نبوی میں پڑھی گئی جیسا کہ عام روایات کا اشارہ ہے۔ آخری نماز مغرب تھی یا ظہر، اس کی تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آگے عشاء کی نماز کے ذکر میں آئے گا ظہر کی نماز جو آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آ کر ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی اصل میں امام پہلے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، آنحضرت ﷺ آ کر بعد کو شریک ہو گئے تھے، یہ نماز مسجد میں آپ کی آخری نماز تھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مذکور ہے کہ آخری نماز صبح کی تھی، یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے یعنی ان کو آخری بار یہی موقع ملا۔ "س" [2] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب انما جعل الامام لیؤتم به: ٦٨٧ ومسلم، کتاب الصلوٰة، باب استخلاف الامام: ٩٣٦ میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ تخصیص ہے)۔ [3] بخاری، کتاب الصلوٰة، باب اهل العلم والفضل احق بالامامة (٦٨١) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت ﷺ نے نماز نہیں پڑھائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی قائم مقامی کی، اس قائم مقامی کا آغاز شب جمعہ کی نمازِ عشاء سے ہے اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا (بخاری، کتاب الصلوٰة، باب من رجع القهقری فی الصلوٰة: ١٢٠٥) کل یہ ۳ دن میں ۱۷ وقت کی نمازیں ہوئیں۔ ابن سعد نے واقدی سے بعینہ یہی روایتیں کی ہیں، ایک میں ہے کہ ۳ دن امامت کی دوسری میں ہے کہ ۱۷ وقت کی جزء ۲، قسم ثانی ص: ۲۳ "س"۔ [4] یہ روایت صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاته: ٤٤٣١، ٤٤٣٢، موقع وفات کی ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے (صحیح مسلم، کتاب الوصية (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے'' اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے، بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف اور شوروغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا ''اھجر استفھموہ'' خود آپ سے دریافت کرلو، لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔''

(اس کے بعد آپ ﷺ نے تین) وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں دستور تھا، تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی۔ [1] اسی دن [2] ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی) آپ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما تھام

(گزشتہ سے پیوستہ) میں یہ روایتیں یکجا ہیں) جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مثلاً صحیح مسلم) بہ تصریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ترك الوصیۃ: ٤٢٣٤ میں (ان کے) یہ الفاظ ہیں: قد غلب علیہ الوجع وعندکم القران وحسبنا کتاب اللہ ''آپ ﷺ کو مرض کی شدت ہے ہمارے پاس قرآن موجود ہے خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔'' صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں

(۱) فقالوا ان رسول اللہ ﷺ یھجر (ایضاً: ٤٢٣٣)۔ ''تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بے حواس (ہجر) کی باتیں کرتے ہیں۔''

(۲) فقالوا اھجر استفھموہ۔ (ایضاً: ٤٢٣٢؛ بخاری: ٤٤٣١) ''تو لوگوں نے کہا: کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں، آپ سے خود پوچھو تو۔''

اس بنا پر یہ روایت شیعہ و سنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا خود قرآن مجید میں آیت ﴿الیوم اکملت لکم﴾ نازل ہو چکی تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت ﷺ کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے، اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا (اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے، بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ ''خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔'' اس اختلاف کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں جو ضروری بات آپ ﷺ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے)'' س'' مجھ کو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں)۔

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ: ٤٤٣١؛ (صحیح مسلم: ٤٢٣٢)

[2] روایتوں میں بالتصریح یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہے لیکن صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور: ١١٨٨ میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں جو الفاظ آپ نے فرمائے تھے جن کا بیان آگے آتا ہے وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے'' اور چونکہ مرض (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کر مسجد میں لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، یعنی آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔

نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے، یا خدا کے پاس (آخرت میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے، لوگوں نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، یہ رونے کی کون سی بات ہے لیکن رازدار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا، اور فرمایا:

''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں، وہ ابوبکر ہیں، (رضی اللہ عنہ) [1] اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو میں ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر جاتا ہوں۔''

زمانہ علالت میں انصار آپ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا گزر ہوا، انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے بیان کی کہ ''حضور ﷺ کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔'' ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقع تھا، اس لیے اس کے بعد آپ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ''یا ایھا الناس! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے جسم میں (بمنزلہ) معدہ کے ہیں، جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو ان کو

(گزشتہ سے پیوستہ) الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی فیصلہ کیا ہے۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ واصحابه: ٣٩٠٤ ومسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر: ٦١٧٠ اخیر ٹکڑہ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور: ١١٨٨ میں ہے۔

معاف کرے۔" [1]

اوپر گزر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت ﷺ نے تجویز کیا تھا اس کی سرداری اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمائی تھی، اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

"اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔" [2]

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے، چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے، اس لیے ارشاد فرمایا:

"حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔"

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کیلئے کچھ کر لو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔" [3]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں واپس تشریف لائے۔

آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی (اثنائے علالت میں) ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو کہا پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اسی مرض میں انتقال کروں

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، قول النبی ﷺ: اقبلو من محسنهم...: ۳۸۰۰۔

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب زید بن حارثة: ۳۷۳۰، ٤٤٦٩۔

[3] (یہ اور... کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی، باب استقبال القبلة، ص: ١٦؛ کتاب الام امام شافعی اور ابن سعد جزء الوفات، جز ۲ ... ثانی، ص: ٤٢ میں بسند حسن مروی ہے لیکن ان روایتوں میں مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے یہ فرمایا لیکن بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد خطبہ دیا تھا، دوسری غلطی مسند اور ابن سعد کی روایتوں میں یہ ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اس کو بیان کرتے ہیں حالانکہ بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ دوشنبہ کی صبح کو آپ ﷺ نے صرف پردہ اٹھا کر جھانکا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز میں شرکت فرمائی "س")

گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سے پہلے تمہیں مجھ سے آ کر ملو گی'' [1] تو ہنسنے لگی۔

یہود و نصاریٰ نے انبیا کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لیے حالت مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپ ﷺ کے پیش نظر تھی یہی تھی (اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھیں، اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں [2] کا اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی [3] مر جاتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔'') [4] عین کرب کی شدت میں جبکہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے:

((لعنة الله علی الیهود و النصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد)) [5]

''یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔''

اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ دریافت فرمایا:

''عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔'' [6]

(وفات سے ایک دن [7] پہلے اتوار کو) لوگوں نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی، لوگوں نے منہ کھول کر پلا دی، افاقہ کے بعد آپ ﷺ کو احساس ہوا تو فرمایا: ''سب کو دوا پلائی جائے۔'' معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ شامل نہ تھے اس لیے وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے۔ [8] محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا، یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آ جاتی ہے آپ ﷺ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنگ مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔ مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی جس دن وفات ہوئی یعنی (دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے، لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ٤٤٣٣، ٤٤٣٤۔

[2] کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں ہوتی ہیں۔

[3] جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہیں۔ [4] صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ فی البیعة: ٤٣٤ وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور: ١١٨١۔ [5] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ٣٤٥٤، ٤٤٤٤ وصحیح مسلم: ١١٨٧۔ [6] مسند ابن حنبل، ج٦، ص: ٤٩ وابن سعد جزء الوفات بروایت متعدده جزء ثانی، قسم ثانی، ص: ٣٢۔

[7] ابن سعد، جزء ثانی قسم ثانی، ص: ٣١۔ [8] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ: ٤٤٥٨ وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب (کراهة التداوی باللدود: ٥٧٦١)

کہ آپ ﷺ باہر آنا چاہتے ہیں فرط مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور حجرۂ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے [1] (صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ ﷺ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے۔ [2] یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمال اقدس کی زیارت کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق [3] ہے یعنی سپید ہو گیا تھا۔)

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ ﷺ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں: [4] "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ ''پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں۔'' اس حالت میں اکثر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے:

﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ (٤/ النساء: ٦٩) ''ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا''

اور کبھی یہ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى))۔ ''خداوند! بڑے رفیق ہیں۔'' [5]

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے۔ عبدالرحمان کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی، آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا، سہ پہر تھی، [6] سینہ میں سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الاذان، باب اهل العلم والفضل احق بالامامة: ٦٨٠، ٦٨١ وكتب صحاح، كتاب الصلوٰة۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة: ٩٤٧۔

[3] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو صحیح مسلم (کتاب الصلوٰۃ: ۹۴۴-۹۴۷) میں ہے، بیان ہے کہ تین دن کے بعد آپ اس وقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے لیکن جماعت میں شریک نہ ہو سکے اور واپس گئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں اور ابن سعد نے جزء الوفات میں ابن ابی سبرہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ اس نماز میں شریک جماعت ہوئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آپ ﷺ شریک جماعت نہ ہو سکے اور واپس گئے، راوی کو گزشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہوا، تین دن کے بعد سے مراد جمعرات کے روز جس دن آپ ﷺ نے خطبہ دیا تھا اس کے بعد سے جمعہ، سنیچر اور اتوار کے دن ہیں۔ [4] بخاری: ٤٤٦٢۔ [5] بخاری: ٤٤٣٦ تا ٤٤٣٨۔

[6] ابن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے بخاری، کتاب الاذان، باب هل يلتفت لامر...... : ٧٥٤ اور مسلم میں روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں میں اسی طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی اور سہ پہر کا وقت تھا۔ فتح الباری، ج٨، ص: ١١٠۔

میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے:

((الصلوۃ وما ملکت ایمانکم)) ❶ ”نماز اور غلام۔“

پاس پانی کی لگن تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے (چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے، اتنے میں) ہاتھ اٹھا کر (انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ) فرمایا:

((بل الرفیق الاعلیٰ)) ”اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔“

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔ ❷

اللھم صل علیه وعلی اله واصحابه صلوۃً کثیرًا کثیرًا

تجہیز و تکفین

تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ دو ربیع الاول کو شروع ہوا، اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے:

① عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی، اس کا سر اڑا دوں گا۔ ❸

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور ﷺ کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔ ❹

② اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

③ قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا، اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

④ جس حجرہ میں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لیے بھی بڑی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی۔ ❺

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے پردہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے

---

❶ ابوداود، کتاب الادب، باب فی حق المملوک: ۵۱۵۶؛ الادب المفرد امام بخاری: ۱۵۸؛ سنن ابن ماجه، کتاب الوصایا: ۲۶۹۸ اور ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح، ص: ٤٤۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب اخر ما تکلم به النبی ﷺ: ٤٤٦٣۔

❸ طبری، ج ٤، ص: ۱۸۱۷۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ٤٤٥٤۔

❺ ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی لیکن یہ تمام تر کذب اور جھوٹ ہے، خود ابن سعد میں صحیح روایتیں یہ ہیں کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی البتہ چہار شنبہ کی شام شروع ہوگئی تھی، ابن ماجه، (کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه: ۱٦۲۸) کی روایت ہے فلما فرغوا من جهازه یوم الثلثاء ”جب سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی۔“

کہ ان ہی نے پردہ بھی کیا تھا چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میں کسی کا حق نہیں ہے، اس لیے اگر سب کو اجازت دے دی گئی تو کام رہ جائے گا لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو جو اصحاب بدر میں تھے اندر بلا لیا وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل رضی اللہ عنہما جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ [1]

(کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی گئی) [2] اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیئے گئے ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ [3]

(غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔'' چنانچہ نعش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا [4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں، میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی [5] اس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔)

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اختلاف مناسب نہیں دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے'' [6] لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ گھر پر موجود نہ

---

[1] طبقات ابن سعد، ص: ٦٢، ٦٣ جزء الوفات؛ طبری، ج ٤، ص: ٢١٣٠؛ مختصراً ابو داود، کتاب الجنائز، باب کم یدخل القبر: ٣٢٠٩ میں بھی ان صاحبوں کے نام ہیں نیز ابن ماجه، کتاب الجنائز: ١٦٢٨۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز فی کفن المیت: ٢١٨٠۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الکفن بغیر قمیص: ١٢٧١ ومسلم: ٢١٨٠ وابوداود: ٣١٥١۔ [4] ابن سعد جزء الوفات، ص: ٧٠ بروایات صحیحه وابن ماجه، کتاب الجنائز ذکر وفاته: ١٦٢٨۔ [5] صحیح بخاری، کتاب الجنائز ما یکره من اتخاذ المساجد ...: ١٣٣٠۔ [6] ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الشق: ١٥٥٨۔

تھے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی، جو لحدی یعنی بغلی تھی، زمین چونکہ نم تھی اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔ [1]

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ حجرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے) پہلے مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔ [2]

جسم مبارک کو حضرت علی، فضل بن عباس (اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم) نے قبر میں اتارا۔ [3]

[1] ابن سعد، جز ثانی، قسم ثانی، ص:۷۵۔ [2] ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته: ۱۶۲۸؛ ابن سعد بروایت صحیح جزء الوفات، ص:۷۰۔ [3] ابو داود، کتاب الجنائز، باب کم یدخل القبر: ۳۲۰۹؛ ابن ماجه:۱۶۲۸ اورابن سعد، ص:۷۷ میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بجائے قثم بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہیں، ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دو روایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے۔

متروکات

(آنحضرت ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات و جائیداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے، جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے:

((لا نورث ماترکنا صدقة)) ❶

''ہم (انبیا کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے۔'' ❷ یعنی نہ ہوگی نہ پائیں گے، چنانچہ یاد ہوگا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس امانت تھے، آپ نے اسی وقت نکلوا کر خیرات کرا دیے۔

عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ سے جو ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، بخاری میں روایت ہے:

مـا ترك رسول الله ﷺ عـنـد موته درهمًا ولا دينارًا ولا عبدًا ولا امة ولا شيئًا الا بغلة البيضاء وسلاحه وارضًا جعلها صدقة۔ ❸

''آنحضرت ﷺ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام، نہ لونڈی اور نہ اور کچھ صرف اپنا خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔''

ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

ماترك رسول الله ﷺ دينارًا ولا درهمًا ولا بعيرًا ولا شاةً۔ ❹

''آنحضرت ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔''

بہرحال متروکات میں اگر تھیں تو یہی تین چیزیں تھیں کچھ زمین سواری کے جانور اور ہتھیار۔)

زمین

(حضرت عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے وہ مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ تھے۔ مدینہ کی جائیداد سے بنونضیر کی جائیداد مراد ہے۔ یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳ھ میں (غزوۂ احد کے موقع پر) آنحضرت ﷺ کو چند باغ وصیۃً ہبہ کیے تھے، وہ مراد ہیں لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ

---

❶ یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابوں میں ہے، بخاری میں متعدد مقامات میں ہے، کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ: لا نورث...... ٦٧٣٠؛ مسلم: ٤٥٧٧؛ ابوداود: ٢٩٦٣؛ ترمذی: ١٦١٠۔

❷ بخاری، کتاب الوصایا، باب نفقة القیم...... : ٢٧٧٦۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الوصایا: ٢٧٣٩، ٢٨٧٣۔

❹ ابوداود، کتاب الوصایا، باب ما یؤمر به من الوصیة: ٢٨٦٣؛ مسلم: ٤٢٢٩۔

آنحضرت ﷺ نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کر دیئے تھے۔ [1]

فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شیعہ اور اہلسنت میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی ذاتی جائیداد تھی اور وراثت کے طور پر اہل بیت میں تقسیم ہونی چاہیے تھی، اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضے میں تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپ ﷺ نے خود فرما دیا تھا کہ ''ہمارا جو ترکہ ہو وہ صدقہ ہے۔''

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ (آپ کے چچا) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (صاحبزادی) اور اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن [2] مدعی تھیں کہ اس جائیداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے، آنحضرت ﷺ خود اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف کرتے تھے، اس میں تغیر نہ ہوگا [3] آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ حیات میں ان تینوں جائیدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں متعین کر دی تھی۔ بنونضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی، خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے، دو حصے عام مسلمانوں کے لیے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا، [4] اس میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اصرار پر مدینہ کی جائیداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ خیبر اور فدک بدستور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک خلفا کے ہاتھ میں رہے۔ [5]

جانور

ارباب سیر نے آپ ﷺ کے اسپ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اس طرح لکھی ہے۔ جس سے ایک والیٔ ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت میں نہایت دلچسپ تھے لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتیں ہیں سب بلا استثنا واقدی سے ماخوذ ہیں۔ پچھلے مصنفین جن میں بڑے بڑے محدثین ہیں مثلاً: یعمری، مغلطائی، حافظ عراقی، وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہے اور چونکہ یہ مصنفین اکثر سلسلہ سند نہیں لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان کے مستند ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں لیکن جب تفتیش کی

---

[1] بخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس: ۳۰۹۳ میں ہے وصدقته بالمدينة یہ انہیں باغوں کے متعلق ہے تفصیل کے لیے فتح الباری، ج ٦، ص: ١٤٠ دیکھو، نیز صحیح بخاری میں کتاب المغازی، حديث بنی النضير: ٤٠٣٣۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ لا نورث ما تركنا صدقة: ٦٧٢٥، ٦٧٣٠۔

[3] صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے، دیکھو کتاب الفرائض: ٢٩٠٤، ٦٧٢٨۔

[4] سنن ابی داود، کتاب الخراج والامارة، باب فی صفايا رسول الله ﷺ: ٢٩٦٥۔

[5] حوالہ مذکورہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے باغ فدک سادات کو دے دیا تھا۔

جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں کا سلسلۂ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اوپر گزر چکی ہے:

ماترك رسول اللهﷺ دينارًا ولا درهمًا ولا بعيرًا ولا شاةً۔ [1]

''آنحضرت ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔''

صحیح بخاری میں عمرو بن حویرث (ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے) سے روایت ہے:

ماترك النبيﷺ الا بغلته البيضاء وسلاحه وارضا تركها صدقة۔ [2]

''آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں چھوڑا، بجز اپنے سفید خچر اور ہتھیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہوگئی۔''

ان روایتوں سے معلوم ہوگا کہ متروکاتِ خاصہ میں صرف ایک جانور تھا، ان صحیح اور مسلّم روایات کے ہوتے آنحضرت ﷺ کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدارِ سلطنت کے شایانِ حال ہے، کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے۔

احادیث صحیحہ کے استقرا سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ کی مختصر فہرست سے زائد چیزیں بھی آپ ﷺ کے قبضہ میں آئیں لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ عمرو صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہ چیزیں وفات سے پہلے آپ ﷺ نے حسب عادت ہبہ یا خیرات کردی ہوں، بہر حال (از روئے روایتِ صحیح مختلف اوقات میں) حسب ذیل جانور آپ ﷺ کے دائرۂ ملک میں آئے:

لُحیف ایک گھوڑا تھا جو اُبی بن عباس کے باغ میں بندھتا تھا، بخاری نے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [3]

عفیر ایک گدھا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا [4]

عضباء وقصواء نہایت تیز اونٹنی تھی۔ قصواء بھی اسی کا نام ہے۔ [5] اسی کو آپ نے ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس جاکر بیٹھ گئی تھی [6] حجۃ الوداع کا خطبہ بھی آپ ﷺ نے اسی کی پشت پر دیا تھا)۔ [7] یہ ہر معرکہ میں بازی لے جاتی تھی ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا، اس کی سواری میں ایک اونٹ تھا، جو ابھی جوان بھی نہیں ہوا تھا۔ عضباء کا اس سے مقابلہ ہوا، اور وہ آگے نکل گیا۔ صحابہ کو ملال ہوا، آپ ﷺ

[1] مسلم، كتاب الوصية، باب ترك الوصية: ٤٢٢٩؛ ابوداود: ٢٨٦٣؛ ابن ماجه: ٢٦٩٥۔

[2] صحيح بخاري، كتاب الجهاد، باب بغلة النبي ﷺ: ٢٨٧٣۔ [3] بخاري، كتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار: ٢٨٥٥۔ [4] ايضًا: ٢٨٥٦۔ [5] طبري، ج ٤، ص: ١٧٨٤۔ آپ کی اونٹنی قصواء عضباء کا ذکر بخاری، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد: ٢٧٣١، ٢٧٣٢ اور كتاب الجهاد: ٢٨٧١ میں بھی ہے۔

[6] صحيح بخري، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ: ٣٩٠٦۔

[7] صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي: ٢٩٥٠ وابو داود: ١٩٠٥۔

نے فرمایا کہ ''یہ خدا کا فرض ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جب سر اٹھائے تو اس کو پست کر دے۔'' ❶

دُلدُل جس کا ذکر اکثر روایتوں میں ہے اسی خچر کا نام ہے جس کا ذکر عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے چنانچہ بخاری کے شارحین نے تصریح کی ہے یہ خچر مقوقس مصری نے آپ کو تحفہ میں بھیجا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن العلما (رئیس ایلہ) نے بھی آپ ﷺ کو ایک سفید خچر (غزوۂ تبوک کے موقع پر تحفۃً بھیجا تھا)۔ ❷

غزوۂ حنین میں جس سپید خچر پر آپ ﷺ سوار تھے وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھیجا تھا، ارباب سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے لیکن یہ غلط ہے ❸ صحیح مسلم میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ❹

اسلحہ

اس زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانہ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا، نو عدد تلواریں تھیں جن کے یہ نام ہیں، ماثور، عصب، ذوالفقار، قلعی، بتار، حتف، مخذم، قضیب۔

ماثور والد ماجد سے میراث میں ملی تھی، ذوالفقار بدر میں ہاتھ آئی تھی، تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ فتح مکہ میں جو تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی اس کا قبضہ زریں تھا، سات زرہیں تھیں ذات الفضول ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضہ، تبرا، خرنق۔ ذات الفضول وہی زرہ تھی جو تیس صاع پر ایک یہودی کے ہاں سال بھر کے لیے آپ ﷺ نے رہن رکھی تھی۔ ❺ زرہیں سب لوہے کی تھیں اگر چہ عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی ہوتی تھیں۔

چھ کمانیں تھیں، زوراء، روحاء، صفراء، بیضاء، کتوم، شداد۔ کتوم وہ کمان تھی جو غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی اور آپ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی۔ ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے، چمڑے کی ایک پیٹی تھی، جس میں چاندی کے تین حلقے تھے، لیکن ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے مجھ کو یہ نہیں پتہ لگا کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی، ایک ڈھال تھی جس کا نام زلوق تھا۔ پانچ برچھیاں تھیں، لوہے کا ایک مغفر تھا، جس کا نام موشح تھا، ایک اور مغفر تھا جس کو سبوغ کہتے تھے۔ تین جبے تھے جن کو آپ ﷺ لڑائی میں پہنتے تھے، کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دیبائے سبز کا تھا، ایک سیاہ علم تھا جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد و سفید علم تھے۔ ❻

آثار متبرکہ

ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابو

❶ بخاری، کتاب الجهاد، باب ناقة النبي ﷺ: ۲۸۷۲۔ ❷ صحيح بخاري، كتاب الجهاد، رقم الباب: ٦١ رئیس ایلہ ابن العلما کا نام یوحنا بن رد بہ تھا (عمدة القاري، كتاب الزكوة، باب خرص التمر، ج ٤، ص: ٤١٦)۔
❸ فتح الباري ذكر غزوة حنين، ج ٨، ص: ٢٤۔ ❹ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة حنين: ٤٦١٢۔ ❺ صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب شراء النبي ﷺ بالنسيئة: ٢٠٦٨ وكتاب في الرهن، باب من رهن درعه: ٢٥٠٩۔ ❻ زاد المعاد، ج ١، ص: ٣٣۔

طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئے تھے۔ 1 حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بھی موئے مبارک تھے، 2 اُن کے پاس دو چیزیں اور تھیں، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ، جو چاندی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا تھا۔ 3 ذوالفقار جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی۔ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آ کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ یادگار آپ سے چھن نہ جائے اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے لیکن انہوں نے یہ ایثار گوارا نہ کیا۔ 4

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ ﷺ کے وہ کپڑے تھے جن میں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ 5 استحقاق خلافت کی بناپر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے قبضہ میں آئے لیکن انہیں کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں۔ انگوٹھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری 6 نے توڑ ڈالا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آثارِ مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے۔ 7

مسکن مبارک

آنحضرت ﷺ کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے دادا اور چچا کے گھروں میں پرورش پائی اور یہیں سن رُشد کو پہنچے۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، یہ متیقن طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر رہے، لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا، جس پر عقیل رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت ﷺ کے چچازاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، قبضہ کر لیا تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا؟'' 8

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر

---

1 صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنة یوم النحر ان یرمی: ٣١٥٢ تا ٣١٥٥۔

2 صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان: ١٧٠۔

3 بخاری، کتاب فرض الخمس: ٣١٠٧؛ شمائل ترمذی، باب ما جاء فی قدح رسول اللہ ﷺ ١٩٤۔

4 بخاری کی تصریح کے مطابق یہ مطالبہ حضرت مسور بن مخرمہ نے کیا تھا۔ (بخاری: ٣١١٠) ''س''

5 ان تمام آثار مذکورۂ بالا کا ذکر صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب ذکر من درع النبی ﷺ و عصاه وسیفه وقدحه وخاتمه: ٣١٠٦ تا ٣١١٢۔ میں ہے۔ 6 خاتم کا ذکر کتاب الجہاد کے علاوہ بخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضة: ٥٨٦٦ میں ہے، عصائے مبارک کا حال فتح الباری، ج ٦، ص: ١٤٨ سے ماخوذ ہے ''س''۔

7 بخاری، کتاب الجهاد، باب ماذکر من درع النبی ﷺ وعصاه وسیفه وقدمه وخاتمه۔

8 بخاری، کتاب المغازی: ٤٢٨٢۔

قیام فرما رہے۔ اس اثنا میں آپ ﷺ تنہا تھے اہل وعیال مکہ ہی میں تھے جب آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے اور اس وقت آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اور ان ہی حجروں میں اتارا۔ [1]

آخر ایام میں آنحضرت ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا اور ان سے اندر دھوپ آتی تھی، چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمل لپیٹ دیئے جاتے تھے بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔ [2] آنحضرت ﷺ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے میں بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحاب رضی اللہ عنہم کی مجلس میں مسجد میں تشریف رکھتے، جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی۔ ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا، جس کو احادیث میں ''مشربہ'' کہا گیا ہے، ۹ھ میں جب آپ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی تھی [3] اس بالا خانہ پر سامان آرائش کیا تھا ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، اور ادھر ادھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ [4]

کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا تاہم اس میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا۔ [5] گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرائش بھی پسند خاطر نہ تھی۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے، تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہیں دیا گیا ہے۔'' [6] یہ حجرہ ہائے مبارک آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے قبضہ میں رہے۔ ان میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا، تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت میں چلا جاتا۔ جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا تھا۔ [7] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر لیے گئے، تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے۔ ۸۸ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے والی تھے، تمام

---

[1] ابن سعد جزء اول، قسم اول، ص: ۱۶۱۔ [2] یہ پوری تفصیل الادب المفرد بخاری، باب التطاول فی البنیان: ۴۵۰، ۴۵۱ میں ہے۔ [3] ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الامام یصلی من قعود: ۶۰۲۔

[4] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ماکان النبی ﷺ یتجوز من اللباس والبسط: ۵۸۴۳۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب التطوع خلف المرأۃ: ۳۸۲، ۵۱۳۔

[6] ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الصور: ۴۱۵۳۔

[7] ابن سعد جزء نساء جزء ۸، ص: ۱۱۸۔

حجرے، بجز حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہ وہ مدفن نبوی ﷺ ہے، توڑ کر مسجد نبوی میں ملا دیے گئے۔ جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہیں تمام مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا، کہ حضور انور ﷺ کی ایک اور یادگار مٹ گئی۔ [1]

دایہ

آنحضرت ﷺ کو جو ترکہ والد سے ملا تھا اس میں ایک حبشیہ کنیز بھی تھیں جن کا نام ام ایمن تھا، آنحضرت ﷺ کی اصلی انا یا دایہ وہی تھیں۔ [2] آنحضرت ﷺ کی وفات تک زندہ رہیں۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے، اور جب ان کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ ''اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں۔'' جب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا تو اُن کو آزاد کر کے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جو آپ کے متبنیٰ اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، شادی کر دی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے مزاح کا یہ واقعہ جو کتابوں میں منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے ایک اونٹ مانگا آپ نے فرمایا میں اونٹ کا بچہ دوں گا، بولی کہ بچہ لے کر میں کیا کروں گی، آپ نے فرمایا کہ ''جتنے اونٹ ہیں اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں۔'' انہی کا واقعہ ہے۔

یہ اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ جنگ احد میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، جنگ خیبر میں بھی شریک تھیں۔ [3]

خدّامِ خاص

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض عقیدت مند ایسے تھے، جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور خاص خاص کام انجام دیتے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

1. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، فقہ حنفی کے بانی اول گویا وہی ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا سلسلہ انہی کی روایت اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے۔ مکۂ معظّمہ میں قرآنِ مجید کی اشاعت آنحضرت ﷺ کے ابتدائی زمانے میں ان ہی نے کی۔ ستر (۷۰) سورتیں خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔

یہ آنحضرت ﷺ کے راز دار بھی تھے اور جب آنحضرت ﷺ سفر میں جاتے تو خواب گاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا جب آپ مجلس سے اٹھتے تو جوتے پہناتے۔ راہ میں آگے آگے عصا لے کر چلتے۔ جب آپ کہیں کسی مجلس میں جا کر بیٹھتے تو نعلین مبارک اتار کر بغل میں رکھ لیتے پھر اٹھنے کے وقت سامنے لا کر رکھ دیتے، جلوت و خلوت میں ساتھ رہتے تھے، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن

---

[1] ایضًا، ص: ۱۲۰۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب رد المهاجرين الى الانصار منائحهم: ٤٦٠٣۔

[3] یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جزء۸، تذکرة ام ایمن، ص: ۱٦٢ سے ماخوذ ہیں۔

گئے تھے۔ ❶

❸ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دنیا ان کو مؤذن کے لقب سے جانتی ہے (یہ حبشی نژاد غلام تھے مکہ میں ایمان لائے تھے اور جس جوش وخروش سے ایمان لائے تھے، اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کرا دیا تھا، اس وقت سے برابر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے،) آپ کا خانگی انتظام انہی کے سپرد تھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا، پھر ادا کرنا، مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا یہ تمام باتیں ان ہی سے متعلق تھیں۔ ❷

❹ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی آپ کے خادم خاص تھے، آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے ان کی ماں خدمتِ اقدس میں ان کو لائیں اور عرض کی ''یارسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، لائی ہوں کہ خدمت گزاری کرے۔'' ❸

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس برس تک آپ کی خدمت کی۔ لوگوں کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا، ان کے فرائض تھے چونکہ ابھی کمسن تھے ان سے کام بن نہیں آتے تھے لیکن آپ نے ان سے کبھی باز پرس نہ فرمائی۔ ❹

---

❶ یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد، جزء ۳، قسم اول، ص: ۱۰۸ میں ہے مجملاً صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عبداللہ بن مسعود: ۳۷۶۷ میں بھی یہ مذکور ہے۔ ❷ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین: ۳۰۵۵۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس: ۶۳۷۲ تا ۶۳۷۶۔
❹ ابو داود، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ: ۴۷۷۳، ۴۷۷۴۔

شمائل

شکل ولباس وطعام ومذاق طبیعت

حلیہ اقدس

آپ ﷺ میانہ قد اور موزوں اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے، بینی مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ تھا اور فراخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ وسرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانے پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی، شانوں اور کلائیوں پر بال تھے، ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔ [1]

صحابہ رضی اللہ عنہم پر آپ کے حسن وخوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے: ''خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔'' [2] جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں ان سے کسی نے پوچھا آپ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے: ''نہیں ماہ وخورشید کی طرح۔'' [3] یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا، میں کبھی آپ کو دیکھتا تھا کبھی چاند کو دیکھتا تھا تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے۔ [4] حضرت براء رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں، میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ [5]

آپ کے پسینہ میں ایک قسم کی خوشبو تھی [6] چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے، [7] جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کا رنگ نہایت کھلتا تھا آپ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا میں نے دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک وعنبر میں آپ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔ [8]

---

[1] یہ حلیہ بہ تفصیل شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ: ١، مسند احمد بن حنبل، ج ١، ص: ١١٦، ١١٧ میں اور مختصر اً بخاری، کتاب الفضائل، باب صفة النبی ﷺ: ٣٥٥١، ٥٨٤٨، مسلم، باب صفة النبی ﷺ: ٦٠٦٤ تا ٦٠٦٦ میں ہے۔

[2] ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب حديث أفشوا السلام: ٢٤٨٥۔

[3] مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة: ٦٠٨٤۔

[4] ترمذی: ٢٨١١؛ سنن الكبرىٰ للنسائی: ٩٥٦٢۔

[5] صحیح مسلم: ٦٠٦٥۔

[6] مسلم، باب طيب عرقه ﷺ: ٦٠٥٥ تا ٦٠٥٧۔

[7] بخاری، کتاب المغازی، حديث الافك: ٤١٤١۔

[8] بخاری: ٣٥٦١ ومسلم: ٦٠٥٢۔

عام طور سے مشہور ہے کہ آپ ﷺ کے سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

مہر نبوت

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی، یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور) شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رایت الخاتم بین کتفی رسول اللہ ﷺ غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ۔ [1]

''میں نے آنحضرت ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔''

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی، اسی کو مہر نبوت کہتے تھے [2] تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا، جس پر تل تھے اور بال اگے ہوئے تھے۔

موئے مبارک

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے، فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔ [3] مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ کفار کے مقابلہ میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتدا میں آپ ﷺ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے پھر مانگ نکالنے لگے یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا اخیر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے۔ [4]

(بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے ریش مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے)۔ [5]

رفتار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں۔ [6] ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا، لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

---

[1] شمائل ترمذی: ١٧؛ مسلم: ٦٠٨٤۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوۃ: ٦٠٨٨ مشہور ہے کہ پشت پر جو خاتم نبوت تھی اس میں گویا قدرتی طور پر کلمہ طیبہ تحریر تھا۔ یہ بالکل بے سند بات ہے، احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بعض بہت ہی ضعیف ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لم یثبت منها شیٔ (زرقانی بر مواھب، ج١، ص: ١٨٤) البتہ کلمہ اس نقرئی خاتم میں منقوش تھا جو انگشت مبارک میں خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپ ﷺ پہنا کرتے تھے، لوگوں نے غلطی سے اس کو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔ ''س''۔

[3] شمائل ترمذی: ٢٨۔ [4] بخاری: ٣٥٥٨، ٣٩٤٤؛ مسلم: ٦٠٦٢؛ شمائل ترمذی: ٣٠۔

[5] شمائل ترمذی: ٣٣، ٣٤۔ [6] شمائل ترمذی: ١٢٢، ١٢٣، ١٢٤۔

گفتگو اور خندہ و تبسم

گفتگو نہایت شیریں اور دلآویز تھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے 1 جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے، حالت گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی، آواز بلند تھی 2 حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کعبہ میں قرآن مجید پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔ 3

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ہند تھا، وہ نہایت خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے، حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا: "آنحضرت ﷺ کیونکر تقریر فرماتے تھے۔" انہوں نے کہا: "آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے، کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رخ پلٹ دیتے، تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ کی ہنسی تھی۔" 4 جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ ہنسی آتی تو داڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے 5 لیکن ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرز ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ اس زور سے نہیں ہنسے کہ نواجذ نظر آئیں۔ 6

لباس

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا، عام لباس چادر، قمیض اور تہبند تھی، پاجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہو گا۔ 7 موزوں کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ ﷺ نے استعمال فرمائے۔ 8 بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوشِ مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا، کبھی تحت الحنک کی طور لپیٹ لیتے تھے عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، 9 عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا، فرماتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین

---

1 شمائل: ۲۲۳۔ 2 شرح زرقانی، ج ٤، ص: ١٠٤۔ 3 ابن ماجه، باب اقامة الصلاة، باب ماجاء فی القراء ة فی صلوٰة اللیل: ۱۳۴۹۔ (کعبہ کا ذکر نہیں) 4 شمائل ترمذی: ۲۲٤۔ 5 شمائل ترمذی: ۲۲۹، ۲۳۰۔ 6 یہ بحث تفصیل سے شرح زرقانی، ج ۴، ص: ۲۱۶ میں امام سیوطی کی نسبت سے بیان کی گئی ہے۔

7 شرح زرقانی، ج ٥، ص: ٥٢۔ 8 شرح زرقانی، ج ٥، ص: ٥٣۔ 9 ایضًا، ص: ٤۔

میں یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں)۔ ❶

چادر

لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادریں ❷ پسند تھیں جن کو عربی میں حبرہ کہتے ہیں۔

عبا

بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جس کی آستین اس قدر تنگ تھی کہ جب وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی، اور ہاتھ کو آستین سے نکالنا پڑا۔ نوشیروانی قبا بھی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف تھی، استعمال کی ہے۔ ❸

کمبل

جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہبند نکال کر دکھائی کہ انہی کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔ ❹

حلۂ حمراء

روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے حلۂ حمراء بھی استعمال کیا ہے، حمراء کے معنی سرخ کے ہیں اس لیے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لیے ہیں لیکن ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ سرخ لباس آپ ﷺ نے کبھی نہیں پہنا اور نہ آپ ﷺ مردوں کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے، حلۂ حمراء ایک قسم کی یمنی چادر تھی، جس میں سرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں، اس بنا پر اس کو حمراء کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، عام محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں، زرقانی (ج ۵، ص:۲۷) میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاہ، سرخ، سبز، زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب تھا ❺ (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی) ❻

نعلین

نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی، جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔ ❼

---

❶ ابو داود کتاب اللباس. باب فی العمائم:۴۰۷۸۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحبر والشملة: ۵۸۱۲ تا ۵۸۱۴۔ ❸ بخاری: ۵۷۹۸۔

❹ بخاری، کتاب اللباس، باب الاکسیة:۵۸۱۸۔

❺ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی البیاض:۴۰۶۱؛ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص: ۲۴۷۔

❻ ابو داود، کتاب اللباس، باب لبس الصوف والشعر:۴۰۳۲۔

❼ شرح زرقانی، ج۵، ص: ۵۴، ۶۲۔

انگوٹھی

جب آپ ﷺ نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کی کہ سلاطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے، اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جس میں اوپر تلے تین سطروں میں محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ ﷺ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔ [1]

خود و زرہ

لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے۔ اُحد کے معرکہ میں جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔ [2]

غذا اور طریقۂ طعام

اگر چہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پرتکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہاں تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ باب الخبز المرقق: ۵۳۸۵ میں ہے) تمام عمر آپ ﷺ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی، تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے۔

مرغوب کھانے

سرکہ، شہد، حلوہ، روغن زیتون، کدو، خصوصیت کے ساتھ پسند تھے سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے، [3] ایک دفعہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے، بولیں کہ سرکہ ہے، فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو اس کو نادار نہیں کہہ سکتے۔ عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جس کو حیس کہتے ہیں، یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے آپ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سلمٰی کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا، بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں، پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی محبوب ترین غذا تھی۔ گوشت کے اقسام میں سے آپ ﷺ نے دنبہ، مرغ، بٹیر، (حباری) اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہٖ آپ ﷺ کو چنداں مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا، اس لیے جب کبھی مل جاتا تو آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ اسی کی فرمائش

---

[1] بخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۳؛ مسلم: ۵۴۷۸ تا ۵۴۸۸؛ ابو داود: ۴۲۱۴۔

[2] شرح زرقانی، ج ۵، ص: ۴۳۵۔ [3] بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب من تتبع حوالی القصعۃ: ۵۳۷۹۔

کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ ﷺ کو یہ گوشت پسند تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا، تو صرف کھجور اور ستو تھا، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پتلی ککڑیاں پسند تھیں، ایک دفعہ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں، (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)۔

پانی، دودھ، شربت

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا، دودھ کبھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس میں پانی ملا دیتے، کشمش، کھجور، انگور پانی میں بھگو دیا جاتا، کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے، کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا، روایت میں اسی قدر ہے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا اس لیے تاروں سے جوڑ دیا ہوگا۔

معمولاتِ طعام

دستر خوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو برا نہ کہتے، جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے، کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے میز یا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی، عجم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امرا اور اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا، کھانا صرف تین انگلیوں سے کھاتے [1] گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ [2] ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ اہل عجم کا شعار ہے لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اس حدیث کے ایک راوی ابومعشر نجیح ہیں جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور انہی منکرات میں حدیث مذکور بھی ہے۔ [3]

خوش لباسی

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ ﷺ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب حروریہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے۔ حروریہ نے کہا: کیوں ابن عباس! یہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر

---

[1] غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی باب ماجاء فی صفة اکل رسول اللہ ﷺ: ۱۳۶ تا ۱۴۱ وباب ما جاء فی صفة خبر رسول اللہ: ۱۴۲ تا ۱۴۹ وباب ماجاء فی ادام رسول اللہ ﷺ: ۱۵۰ تا ۱۸۳: ۱۳۶ تا ۱۸۳ اور زادالمعاد ابن قیم، ج ۱، ص: ۳۷ فصل طعام سے ماخوذ ہیں۔ [2] بخاری، کتاب الاطعمة، باب قطع اللحم بالسکین: ۵۴۰۸۔ [3] قسطلانی شرح صحیح بخاری، ج ۸، ص: ۲۵۲ مصر۔

معترض ہو، میں نے آنحضرت ﷺ کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہایت متقشف تھے ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا، گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں، جا کر واپس کر آئے، کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن سے کہا، انہوں نے آنحضرت ﷺ کا جبہ منگوا کر لوگوں کو دکھایا جس کی جیبوں اور آستینوں اور دامن پر دیبا کی سنجاف تھی۔ [2] (بعض امراو سلاطین نے آنحضرت ﷺ کو بیش قیمت کپڑے ہدیہ بھیجے، آپ ﷺ نے قبول فرمایا، اور کبھی زیب تن کیے)۔

مرغوب رنگ

رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا۔ حدیثوں میں ہے کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے۔ [3] (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے؟)

نامرغوب رنگ

سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سرخ کپڑے پہن کر آئے، تو فرمایا: ''یہ کیا لباس ہے۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جا کر آگ میں ڈال دیا، آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا: ''جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیا ہوتا۔'' [4]

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو ''مغرہ'' کہتے ہیں، اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے، یہ رنگ آپ ﷺ کو نہایت ناپسند تھا۔ ایک دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں، آپ ﷺ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے، حضرت زینب سمجھ گئیں، کپڑے دھو ڈالے، آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا۔ [5]

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا، تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک دفعہ صحابہ نے سواری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے۔'' فوراً صحابہ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک دیں۔ [6]

خوشبو کا استعمال

خوشبو آپ ﷺ کو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہے جس کو سکّہ کہتے ہیں، یہ ہمیشہ آپ ﷺ کے استعمال میں رہتا تھا، صحابہ کہتے ہیں کہ

---

[1] ابوداود، کتاب اللباس، باب لباس الغلیظ: ٤٠٣٧۔ [2] ابو داود، کتاب اللباس، باب الرخصة فی العلم وخیط الحریر: ٤٠٥٤۔ [3] ابو داود، کتاب اللباس، باب فی المصبوغ: ٤٠٦٤۔

[4] ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الحمرة: ٤٠٦٦، ٤٠٦٨۔

[5] ایضا: ٤٠٧١۔ [6] ایضا: ٤٠٧٠۔

جس گلی کوچہ سے آپ ﷺ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا، اکثر فرمایا کرتے: ''مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے۔'' ❶

لطافت اور نفاست

مزاج میں لطافت تھی، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔ ❷ ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کو کچھ مقدور ہے؟'' بولا ہاں ارشاد ہوا کہ ''خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے۔'' ❸ عرب تہذیب وتمدن سے کم آشنا تھے، مسجد میں آتے تو عین نماز میں دیواروں پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے، آپ ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے، دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے۔ ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لا کر ملی، آپ ﷺ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین کی۔ ❹

کبھی کبھی مجلسِ عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا ❺ ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بولیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن میں اس لیے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے حبیب (رسول اللہ ﷺ) کو حنا کی بو ناگوار تھی۔ ❻

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا: ''اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بالوں کو درست کر لے۔'' ❼

ایک دفعہ اون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اتار کر رکھ دی۔ ❽ ایک دن لوگ مسجد نبوی میں آئے چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں چلے آتے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد میں بو پھیل گئی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہا کر آتے تو اچھا ہوتا۔'' ❾ اسی دن سے غسلِ جمعہ ایک شرعی حکم بن گیا۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے کا التزام تھا، ام محجن نامی ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ مساجد میں بچے اور مجنوں نہ جانے پائیں اور خرید وفروخت نہ ہونے پائے، یہ بھی حکم دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جائیں۔ ❿ اہل عرب بدویت کے اثر سے

---

❶ شمائل ترمذی، باب ما جاء فی تعطر رسول اللہ ﷺ: ۲۱۵ تا ۲۱۸؛ ترمذی: ۲۷۸۸؛ ابوداود: ۴۱۷۲۔

❷ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقان: ۴۰۶۲۔ ❸ ایضًا: ۴۰۶۳۔ ❹ نسائی، کتاب المساجد، باب تخلیق المساجد: ۷۲۹۔ ❺ نسائی، کتاب الزینۃ، باب البخور: ۵۱۳۸۔ ❻ نسائی، کتاب الزینۃ، باب کراھیۃ ریح الحنا: ۵۰۹۳۔ ❼ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقان: ۴۰۶۲۔

❽ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی السواد: ۴۰۷۴۔ ❾ اس مضمون کی متعدد حدیثیں بخاری شریف (غسلِ جمعہ) میں باختلافِ الفاظ وواقعات مذکور ہیں۔ ❿ ابن ماجہ، ابواب المساجد، باب مایکرہ فی المساجد: ۷۵۰۔

لطافت اور صفائی کا نام نہیں جانتے تھے، اس بنا پر اس خاص باب میں آپ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا۔

عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویوں میں عموماً پائی جاتی ہے) کہ راستہ میں بول و براز کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ احادیث میں کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو راستہ میں یا درختوں کے سایہ میں بول و براز کرتے ہیں۔ امرا کا دستور ہے کہ کاہلی کی وجہ سے کسی برتن میں پیشاب کر لیا کرتے ہیں، اس سے بھی منع فرماتے تھے۔ ❶

عرب میں پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا، آپ ﷺ ایک دفعہ راہ میں جا رہے تھے دو قبریں نظر آئیں، فرمایا: ''ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔'' ❷

ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے دیواروں پر جا بجا تھوک کے دھبے تھے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ میں فرمایا: ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آکر تمہارے منہ پر تھوک دے۔ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے داہنی جانب ہوتے ہیں اس لیے انسان کو سامنے یا دائیں جانب تھوکنا نہیں چاہیے۔'' ❸

ایک صحابی نے عین نماز میں (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت ﷺ دیکھ رہے تھے، فرمایا: ''یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے۔'' نماز کے بعد یہ صاحب خدمت اقدس میں آئے اور پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے فرمایا: ''ہاں تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیت دی۔'' ❹

بودار چیزوں مثلاً: پیاز، لہسن اور مولی سے نفرت تھی، حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔ بخاری میں حدیث ہے کہ ''جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔'' ❺ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کھا کر مسجد میں آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع پہنچا دیا جائے۔ ❻

---

❶ الترغیب والترھیب للمنذری، کتاب الطھارۃ، باب الترھیب من البول فی المآء...: ۲۵۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغیبة والبول: ۱۳۶۱۔

❸ کتاب الصلاۃ، باب الترھیب من البصاق فی المسجد: ۴۳۱۔ ❹ ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی کراھیة البزاق ...: ۴۸۱۔ ❺ بخاری، کتاب الاذان، باب ماجاء فی الثوم: ۸۵۳، ۸۵۴۔

❻ مسلم، کتاب المساجد، باب نھی من اکل الثوم: ۱۲۵۸ وابن ماجه، ابواب اقامة الصلاۃ، باب من اکل الثوم: ۱۰۱۴۔

سواری کا شوق

گھوڑے کی سواری آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھی (آپ ﷺ فرمایا کرتے: ((**الخیل معقود فی نواصیها الخیر**)) [1] گھوڑوں کے علاوہ گدھے، خچر، اونٹ پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لحیف تھا۔ گدھے کا نام عفیر اور خچر کا نام دُلدُل اور تیہ اور اونٹنیوں کا نام قصواء اور عضباء تھا)۔

اسپ دوانی

مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جس کی سرحد حصباء سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی، یہاں گھڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی۔ گھوڑے جو مشق کے لیے تیار کرائے جاتے تھے ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ گھانس کھلاتے تھے، جب وہ موٹے تازے ہو جاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر میں باندھ کر چار جامہ کستے۔ پسینہ آتا اور خشک ہوتا روزانہ یہ عمل جاری رہتا، رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا، خشک ہو کر ہلکا پھلکا، چھریرا بدن نکل آتا، یہ مشق چالیس دن میں ختم ہوتی۔

آنحضرت ﷺ کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام سبحہ تھا، ایک دفعہ اس کو آپ ﷺ نے بازی میں دوڑایا، اس نے بازی جیتی تو آپ ﷺ کو خاص مسرت ہوئی۔ [2]

گھوڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، انہوں نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کیے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: [3]

① گھوڑوں کی صفیں قائم کی جائیں اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی یا بچہ کو ساتھ رکھنا یا زین الگ کر دینی ہو الگ کر لے۔

② جب کوئی آواز نہ دے تو تین دفعہ تکبیریں کہی جائیں، تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان میں ڈال دیے جائیں۔

③ گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ وہ آگے نکل گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیوں کو دونوں کناروں پر کھڑا کر دیتے۔ گھوڑے انہی دونوں کے درمیان سے ہو کر نکلتے۔

اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا۔ ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا اور مسابقت میں عضباء سے آگے نکل گیا تمام مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔

---

[1] نسائی، کتاب الخیل والسبق، باب الخیل معقود فی...: ۳۵۹۱۔

[2] دار قطنی، کتاب السبق بین الخیل: ۴۷۷۸؛ مسند احمد: ۳/ ۱۶۰ اور بیہقی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

[3] یہ پوری تفصیل دار قطنی، کتاب السبق بین الخیل: ۴۷۹۰ میں ہے لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردن اٹھائے اس کو نیچا دکھائے۔" ❶
رنگوں میں صندلی، مشکی اور کمیت بہت پسند تھا ❷ گھوڑوں کی دم کاٹنے سے منع فرمایا، کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل ہے۔ ❸

❶ صحیح بخاری:۲۸۷۲ونسائی:۳۶۲۲ ودار قطنی، ج ٤، ص:۳۰۱۔
❷ نسائی ، کتاب الخیل والسبق ، باب مایستحب من شیة الخیل: ۳۵۹۵۔ ❸ کتب سنن کتاب الادب۔

معمولات

(ترمذی نے شمائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیے تھے، ایک عبادت الٰہی کے لیے، دوسرا عام خلق کے لیے اور تیسرا اپنی ذات کے لیے)۔ [1]

صبح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا [2] (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا۔ لوگ پاس آ کر بیٹھتے اور آپ ﷺ ان کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے) [3]

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے آپ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے، [4] کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے، [5] اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے ہنسی خوشی کی باتیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ صرف مسکرا دیتے، [6] اکثر اسی وقت مال غنیمت اور وظائف وخراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے۔ [7]

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار، کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے۔ گھر جا کر گھر کے دھندے میں مشغول رہتے، [8] پھٹے کپڑوں کو سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، دودھ دوہتے۔

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے، پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے۔ تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں۔ عشاء تک صحبت رہتی [9] پھر نماز عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آ کر سو رہتے، ازواج رخصت ہو جاتیں، نماز عشاء کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔ [10]

خواب

عام معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے۔ سوتے وقت التزاماً

---

[1] شمائل ترمذی، ص:۲۵۹ لم اقف علیه۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تبسمه ﷺ:۶۰۳۵۔
[3] جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الاخذ بالسنة:۲۶۷۶۔ [4] صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی تأویل الرؤیا:۵۹۳۱۔ [5] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب القصر فی المنام:۷۰۲۳۔
[6] نسائی، کتاب السهو، باب قعود الامام فی مصلاه:۱۳۵۹۔
[7] بخاری اور حدیث کی کتابوں میں متعدد جزئی واقعات مذکور ہیں۔ [8] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کیف یکون الرجل فی اهله:۶۰۳۹۔ [9] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب القسم بین الزوجات:۳۶۲۸۔
[10] بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰة، باب مایکره من السمر بعد صلوٰة العشاء:۵۹۹۔

قرآن مجید کی کوئی سورۃ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ) پڑھ کر سوتے۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے:

((اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی))۔ ''خدایا تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔''

جاگتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ)) [1]

''اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا، اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔''

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے، مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اٹھ کر پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے، آپ ﷺ کی سجدہ گاہ [2] آپ ﷺ کے سرہانے ہوتی تھی۔ ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آ جائے، [3] نیند میں کسی قدر خراٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔ [4]

عبادتِ شبانہ

آنحضرت ﷺ کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے برابر کوئی واقف نہ تھا۔ ان سے مروی ہے کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آ گیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیامِ لیل جو اب تک فرض تھا نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے، جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے اور اس میں بھی جلسہ کرتے، پھر دو رکعتیں اور ادا کرتے اس طرح گیارہ رکعتیں ہو جاتیں۔ لیکن جب عمر زیادہ ہو گئی اور جسم ذرا بھاری ہو گیا تو سات رکعتیں پڑھتے، جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ [5]

ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

''عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلے آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت

---

[1] بخاری: ٦٣١٢؛ شمائل ترمذی: ٢٥٥۔ [2] یعنی سجدہ کا مقام جہاں بحالتِ نماز آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے''س''۔
[3] ترمذی: ٣٣٩٨؛ شمائل ترمذی: ٢٥٣۔ [4] یہ پوری تفصیل زرقانی، ج ٥، ص: ٧٩، ٨٠ میں حدیث کی متعدد کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے۔ [5] سنن ابو داود، کتاب التطوع، باب فی صلوٰۃ اللیل: ١٣٤٢۔

فرماتے، وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی، سو کر اٹھتے پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آ کر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔'' ❶

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں، زمین پر فرش بچھا ہوا تھا، آپ نے اس پر آرام فرمایا، میں سامنے آڑا سویا، قریباً رات ڈھلے آپ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ آل عمران کی اخیر دس آیتیں پڑھیں، پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی، اس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا ہو گیا، آپ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا۔ تیرہ (۱۳) رکعتیں پڑھ کر آپ سو رہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، صبح ہوتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، آپ ﷺ اٹھے فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔ ❷

معمولاتِ نماز

ابتدا میں آپ ﷺ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا، تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی۔ فتح مکہ میں آپ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں ❸ تاہم عادتاً آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ وضو میں عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے، اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے، سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے ❹ بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔ ❺

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے، اذان صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی یا نہیں، ❻ لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ میں نماز فجر میں سورۂ مؤمنون پڑھی اسی طرح کبھی واللیل اذا عسعس اور کبھی سورۂ ق پڑھتے۔ صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔ ❼

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے تاہم ابتدا کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں جا کر شامل ہو جاتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اندازہ کیا، تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دو رکعتوں

---

❶ ابو داود، ایضاً:۱۳۴۶۔ ❷ ابو داود، ایضاً:۱۳۵۳۔ ❸ مسلم، کتاب الطهارة، باب جواز الصلوات کلها بوضوء واحد:۶۴۲۔ ❹ مسلم، کتاب الطهارة، باب صفة الوضوء:۵۳۸۔

❺ مسلم، کتاب الطهارة، باب آخر في صفة الوضوء:۵۵۵، ۵۵۸۔ ❻ مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما:۱۶۸۴، ۱۶۸۵۔ ❼ مسلم:۱۰۲۲، تا۱۰۲۵۔

میں آپ ﷺ اس قدر قیام فرماتے ہیں، جس میں الٓمٓ تنزیل السجدۃ کے برابر سورہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر، اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ [1] جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپ ﷺ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ پڑھتے تھے۔ایضاً:۱۰۳۰۔ مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورۂ طور پڑھتے تھے۔ [2]

عشاء کی نماز میں ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، مثلاً: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور نساء۔ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ اور کبھی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ عیدین میں بھی دو پچھلی سورتیں یعنی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰىكَ﴾ پڑھتے تھے اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑ جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھا کرتے تھے، جمعہ کے دن کی نماز صبح میں الٓمٓ تنزیل السجدۃ اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ پڑھنے کا معمول تھا۔ [3]

معمولاتِ خطبہ

وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپ ﷺ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمعہ کے لیے تو خطبہ لازمی تھا، جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے مسجد میں داخل ہوتے تو لوگوں کو سلام کرتے پھر منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیتے، پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا۔خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے: ''نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے۔'' جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورہ ''ق'' پڑھتے تھے [4] اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آ جاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے، پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے۔ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اسی

---

[1] مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراۃ فی الظهر والعصر: ۱۰۱۴ تا ۱۰۲۱۔ [2] ایضاً: ۱۰۳۳۔

[3] یہ تمام روایتیں صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، کتاب الجمعۃ، والعیدین: میں مذکور ہیں۔

[4] صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ: ۲۰۱۲ تا ۲۰۱۵۔

حالت میں ایک آدمی نے آ کر کہا: ''یا رسول اللہ! میں مسافر آدمی ہوں اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں۔'' آپ ﷺ منبر سے اتر آئے، ایک کرسی رکھ دی گئی، اس پر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی، پھر جا کر خطبہ کو پورا کیا ❶ ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آ گئے، چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا، منبر سے اتر آئے اور گود میں اٹھا لیا اور یہ آیت پڑھی: ❷

﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (٦٤/ التغابن:١٥)

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا آپ نے پوچھا: ''کیا تم نے نماز پڑھی؟'' اس نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو اور پڑھو۔'' ❸

میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے لیکن ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ کی حالت میں کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی۔ ❹ وعظ و ارشاد کے لیے عموماً ناغہ دے کر خطبہ دیا کرتے تھے، تاکہ لوگ گھبرا نہ جائیں۔ ❺

معمولات سفر

حج، عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ ﷺ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہمسفر ہوتیں ❻ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے ❼ اور صبح کے تڑکے روانہ ہو جاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اس کے بعد یہ آیت پڑھتے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ ﴾ ❽

''سب تعریف اس خدا کی جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔'' (۴۳/الزخرف:۱۳،۱۴)

❶ ادب المفرد للبخاری، باب الجلوس علی السریر:١١٦٤۔ ❷ جامع ترمذی، کتاب المناقب:٣٧٧٤۔
❸ بخاری، کتاب الجمعة، باب اذا رای الامام رجلا جاء وهو یخطب امره ان یصلی رکعتین:٩٣٠، ٩٣١۔
❹ زادالمعاد، ج ١، ص:١٢٠ فصل فی هدیه فی خطبه۔ ❺ بخاری، کتاب العلم، باب ماکان النبی ﷺ یتخولهم بالموعظة:٦٨۔ ❻ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافك:٤١٤١۔
❼ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی ای یوم یستحب السفر:٢٦٠٥ وباب فی الابتکار فی السفر:٢٦٠٦۔
❽ ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے، پھر یہ دعا پڑھتے (سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ) ابو داود، کتاب الجهاد، باب مایقول الرجل اذا رکب:٢٦٠٢۔

پھر یہ دعا فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِ نَاهٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَاسَفَرَنَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ)) ❶

''خداوندا! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، پرہیز گاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں، خداوندا! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کردے۔ خداوندا! سفر میں تو رفیق ہے، بال بچوں کے لیے تو ہمارا قائم مقام ہے۔ خداوندا! میں سفر اور واپسی کے آلام، مصائب اور گھر بار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کردیتے ((اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ))۔ راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے: ❷

((يَا اَرْضِ! رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَاخَلَقَ فِيْكِ وَشَرِّ مَا يَدُبُّ عَلَيْكِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَسَدٍ وَّاَسْوَدٍ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ سَاكِنِي الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ)) ❸

''اے زمین! میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے، میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں، خداوند تجھ سے شیر، سانپ، بچھو اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔''

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا))۔ ❹

''خداوندا! اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ افگن ہیں، اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں، اے شیاطین اور ان تمام

❶ ابوداود: ۲۵۹۹؛ زاد المعاد، ج ۱ ص: ۱۳۰۔ ❷ ایضاً۔

❸ ابو داود، کتاب الجهاد، باب مایقول الرجل اذا نزل المنزل: ۲۶۰۳۔

❹ زادالمعاد، فصل فی هدیه فی السفر، ج ۱، ص: ۱۳۱؛ حاکم، ۱/ ۴۴۶۔

نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔''

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے ❶ پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے۔ تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں، تاکہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلیں۔ ❷

معمولاتِ جہاد

جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیز گاری اختیار کرنے اور اپنے رفقا کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے:

((اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ اُغْزُوْا وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا))

''خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو۔ خیانت اور بدعہدی نہ کرنا، مردوں کے ناک کان نہ کاٹنا بچوں کو قتل نہ کرنا۔''

اس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین کرتے۔ ❸

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے:

((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِیْنَکُمْ وَاَمَانَتَکُمْ وَخَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ)) ❹

''میں تمہارے دین کو امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔''

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے، ❺ اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے ❻ جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامت عدل وانصاف کے لیے وہاں تین دن تک قیام فرماتے ❼ جب فتح وظفر کی خبر آتی تو سجدۂ شکرانہ بجالاتے۔ ❽ جب میدان جہاد میں شریک کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ)) ❾

❶ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی اعطاء البشیر:٢٧٧٣۔ ❷ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الطروق: ٢٧٧٨۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث: ٤٥٢٢۔
❹ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الدعاء عند الوداع:٢٦٠٠، ٢٦٠١۔ ❺ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر: ٤٢٠٠۔ ❻ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی ای وقت یستحب اللقاء:٢٦٥٥۔
❼ ابو داود، کتاب الجهاد باب فی الامام یقیم عند الظهور علی العدو بار ضهم:٢٦٩٥۔ ❽ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی سجود الشکر:٢٧٧٤، ٢٧٧٥۔ ❾ ابو داود، کتاب الجهاد، باب ما یدعی عنداللقاء:٢٦٣٢۔

''خداوندا! تو میرا دست و بازو ہے، تو میرا مددگار ہے تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں، حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔''

معمولاتِ عیادت وعزا

بیماروں کی عیادت وغم خواری آپ ﷺ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ ''عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے۔'' [1] ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آ جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو اس کی اطلاع دیتے آپ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک دم واپسیں کے انتظار میں آپ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی۔ صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول ہو گیا کہ جب کوئی شخص مر چکتا تو آپ کو اس کی موت کی خبر دیتے، آپ اس کے مکان پر تشریف لے جاتے اس کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی، اس لیے خود جنازہ آپ ﷺ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہو گیا۔ [2]

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے، پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے [3] اور کہتے: ''اِنْ شَاءَ اللّٰهُ طَهُوْرٌ'' ''خدا نے چاہا تو خیریت ہے۔'' کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے۔ ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آ کر بیمار پڑ گیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرمائے، اس نے کہا: ''تم نے خیریت کہا، شدید تپ ہے، جو قبر ہی میں ملا کر چھوڑے گی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں اب یہی ہو۔'' [4]

معمولاتِ ملاقات

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے، کوئی شخص اگر جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے، تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ [5]

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے ''السلام علیکم'' کہتا پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (خود بھی آپ ﷺ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقے کے خلاف

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب وجوب عیادۃ المریض: ٥٦٤٩ میں مریض کی عیادت کا حکم ہے۔

[2] مسند ابن حنبل، ج ٣، ص: ٦٦۔ [3] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب وضع الید علی المریض: ٥٦٥٩۔ [4] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب عیادۃ الاعراب: ٥٦٥٦۔

[5] ترمذی، ابواب صفة القیامة، باب تواضعه مع جلیسه: ٢٤٩٠؛ ابن ماجه: ٣٧١٦۔

کرتا، تو آپ اس کو واپس کر دیتے ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو“ یعنی پہلے سلام کر لے تب اجازت مانگے۔

ایک دفعہ صفوان بن اُمیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ، دودھ ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، کلدہ یوں ہی بے اجازت چلے آئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔“ [1]

ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کون ہے؟“ بولے ”میں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں، میں“ یعنی یہ کیا طریقہ ہے؟ نام بتانا چاہیے۔ [2] جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور السلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے (راوی کا بیان ہے کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لیے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہا: سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں سنا۔ حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے، حضرت سعد نے کہا: چپ رہو، رسول ﷺ اللہ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہو گا۔ آنحضرت ﷺ نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعد نے پھر اسی طرح جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا (کہ آپ ﷺ بار بار سلام فرما دیں)۔ [3]

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مکان پر تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا، لیکن آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرت ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان آ گیا۔) [4]

---

[1] یہ دونوں روایتیں ابو داود، کتاب الادب، باب کیف الاستئذان: ۵۱۷۷، ۵۱۷۶ میں ہیں۔

[2] ابو داود، کتاب الادب، باب الرجل یستاذن بالدق: ۵۱۸۷۔

[3] ابو داود، کتاب الادب، باب کم مرۃ یسلم الرجل: ۵۱۸۵۔

[4] ادب المفرد: ۱۱۷۶۔

معمولات عامہ

(تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ ﷺ کو محبوب تھا، [1] جوتا پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے، مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے، مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے)۔

[1] بخاری، کتاب الوضوء، باب التیمن فی الوضوء: ۱٦۸۔

مجالسِ نبوی ﷺ

دربارِ نبوت

شہنشاہِ کونین ﷺ کا دربار نقیب و چاؤش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا، دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے، تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، یعنی کوئی شخص ذرا جنبش بھی نہیں کرتا تھا گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا لیکن یہ امتیازِ مراتب نسب و نام یا دولت و مال کی بنا پر نہیں بلکہ فضل و استحقاق کی بنا پر ہوتا تھا سب سے پہلے آپ ﷺ اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے معروضات کو سن کر ان کی حاجت براری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے خود بھی آپ ﷺ مؤدب ہو کر بیٹھتے، جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا، کوئی شخص بولتا تو جب تک وہ چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا، اہل حاجت عرضِ مدعا میں ادب کی حد سے بڑھ جائے تو آپ کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے۔ آپ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے، کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ بھی اس میں شامل ہو جاتے، ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے خود بھی مذاقیہ باتیں فرماتے۔ کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آ جاتا تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے، اور فرماتے: ((اکرموا کریم کل قوم))۔ مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے، یہ بھی فرماتے: ''جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔''

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آ جاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امرا جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے۔ آپ ﷺ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ ''جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں، اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھنی چاہیے۔'' [1] البتہ جوش محبت میں آپ کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے، چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جب کبھی آ جاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چومتے۔ (حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیے بھی آپ ﷺ نے اٹھ کر چادر بچھا دی تھی، اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا)۔ [2]

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی، کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہیں آنے پاتا کہ دوسرا شخص

[1] ابوداود، کتاب الادب، باب الرجل یقوم للرجل: ٥٢٢٩۔

[2] ابو داود، کتاب الادب، باب فی برالوالدین: ٥١٤٥۔

اس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص اچھی بات کہتا تو آپ ﷺ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اس کو مطلع فرما دیتے۔ [1]

ایک دفعہ دو شخص مجلسِ اقدس میں حاضر تھے، ان میں ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا، معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن انہوں نے اسلامی شعائر کے موافق الحمد للہ نہیں کہا، دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا آنحضرت ﷺ نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا، معزز صاحب نے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کیا، تم نے خدا کو بھلا دیا تو میں نے بھی تم کو بھلا دیا۔'' [2]

صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ تک نہ پہنچائیں، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ''میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے صاف جاؤں۔'' [3]

مجالسِ ارشاد

آنحضرت ﷺ [4] کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت، نشست، برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کر دیے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو وہ آسکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں، مسجد نبوی میں ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپ وہاں نشست فرماتے، ابتداءً آنحضرت ﷺ کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ ﷺ کو پہچاننے میں دقت ہوتی، صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا۔ آپ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونوں طرف صحابہ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ [5]

آدابِ مجلس

ان مجالس میں آنے والوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی، عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے۔ خلق نبوی کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے آپ ﷺ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں، صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں، ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔ لوگوں سے پوچھتا ہے ''محمد ﷺ کون ہے؟'' صحابہ بتاتے ہیں کہ ''یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں'' وہ کہتا ہے: ''اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا خفا نہ

---

[1] یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ: ۳۳۱، ۳۳۵ کی دو مفصل روایتوں سے ماخوذ ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔ [2] الادب المفرد، باب اذا لم یحمد اللہ لا یشمت: ۹۳۲۔ [3] ابو داود، کتاب الادب، باب فی رفع الحدیث: ۴۸۶۰۔

[4] اضافہ از مجالس ارشاد تا قبل اوقات مجلس۔ [5] ابو داود، کتاب السنة، باب القدر: ۴۶۹۸۔

ہونا'' آپ ﷺ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔ [1]

باایں ہمہ سادگی و تواضع، یہ مجالس رعب و وقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ، اخلاق، مذہب، اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا، اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں، لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے، مثلاً: یارسول اللہ! میرے باپ کا نام کیا ہے؟'' میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ آپ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیے گئے تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا کہ ''جو پوچھنا ہو پوچھو، میں سب کا جواب دوں گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا۔ رضیت الخ۔ [2]

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا، ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔ بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوتے کوئی صحرا نشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعتاً آ جاتا، اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا آپ سلسلۂ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے، ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا کسی نے کہا ''سنا'' لیکن آپ کو ناگوار ہوا، آپ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا: ''پوچھنے والا کہاں ہے؟'' بدو نے کہا ''میں یہ حاضر ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے۔'' بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہو گی؟ فرمایا: ''جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا۔'' [3]

اوقاتِ مجلس

اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا، نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوضِ روحانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی، چنانچہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجالس میں آ کر آنحضرت ﷺ کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے، خود ان کے الفاظ یہ ہیں:

وآتی رسول اللّٰہ ﷺ فاسلم علیه وهو فی مجلسه بعد الصلوٰة فاقول فی نفسی هل حرك شفتیه برد السلام علی ام لا۔ [4]

---

[1] بخاری، کتاب العلم، باب القراءة والعرض: ٦٣۔ [2] بخاری، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظة: ٩٢۔ [3] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سئل علما ...: ٥٩؛ ٦٤٩٦۔

[4] بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك: ٤٤١٨۔

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا تھا اور آپ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپ نے جواب سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔''

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپ ﷺ وعظ فرماتے۔ ترمذی اور ابوداؤد میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وعظنا رسول اللہ ﷺ یومًا بعد صلوة الغداة موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب۔ [1]

''رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کہا، جس سے آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔''

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی، اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی، لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ ﷺ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے، یہی مجالس ہیں، جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

كان يومًا بارزًا للناس۔ [2]

''آنحضرت ﷺ ایک دن عام طور پر لوگوں کے لیے باہر نکلے تھے۔''

چونکہ افادۂ عام ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے، اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آ کر واپس چلے جاتے، ان پر آپ نہایت ناراض ہوتے، آپ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہیں بیٹھ گئے، دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہیں ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے، لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے، آنحضرت ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ''ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے اس کو بھی پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا، ایک نے خدا سے منہ پھیرا خدا نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔'' [3]

پند و نصائح کتنے ہی مؤثر طریقہ سے بیان کیے جائیں لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔ بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان النبي ﷺ يتخولنا بالموعظة في الايام كراهة السآمة علينا۔ [4]

---

[1] ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء في الاخذ بالسنة: ٢٦٧٦؛ ابوداود: ٤٦٠٧۔ [2] سنن ابن ماجه، باب في الايمان: ٦٤۔ [3] بخاری، كتاب العلم، باب من قعد حيث ينتهي به المجلس: ٦٦، ٤٧٤۔

[4] بخاری، كتاب العلم، باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة: ٦٨۔

"آنحضرت ﷺ ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔"

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس

ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا، اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ وارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ ❶

اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے ہیں تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرط حیا سے آپ ﷺ کو ناگوار ہوتا اس قسم کے پردے کی بات مرد بھی مجمع عام میں پوچھتے تو آپ ﷺ کو تکدر ہوتا، ایک دفعہ ایک انصاری نے (جن کا نام عاصم تھا) مجلس عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کو ملامت کی۔ ❷

طریقۂ ارشاد

کبھی کبھی آپ ﷺ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگوں کی جودت فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا: "وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے؟" لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا، میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن میں کمسن تھا اس لیے جرأت نہ کر سکا، بالآخر لوگوں نے عرض کی حضور بتائیں، ارشاد فرمایا: "کھجور۔" عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔ ❸

ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو حلقے قائم تھے، ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہو رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: "دونوں عمل خیر کر رہے ہیں، لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔" یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔ ❹

ان مجالس میں دقیق مباحث کو جن کی تہ تک عوام نہیں پہنچ سکتے ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی آپ ﷺ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے، آپ کا چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا گویا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیے ہیں۔ آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو، گزشتہ امتیں انہی باتوں سے برباد ہوئیں۔" ❺

❶ بخاری، کتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم .....: ١٠١، ١٢٤٩۔ ❷ بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان ومن طلق.....: ٥٣٠٨۔ ❸ بخاری، کتاب العلم: ١٣١۔ ❹ سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب فضل العلماء: ٢٢٩۔ ❺ ایضًا، باب فی القدر: ٨٥۔

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے آنحضرت ﷺ ان کا صحیح فیصلہ کر دیتے، مثلاً: شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوصِ عمل کے منافی سمجھی جاتی ہے اور خود صحابہ کے زمانہ میں بھی سمجھی جاتی تھی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں دو شخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی، ایک نے کہا: ''اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص نے فخریہ یہ کہہ کے نیزہ مارا کہ ''میرا وار لینا میں غفاری جوان ہوں'' تو اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا میری رائے میں کچھ ثواب نہ ملے گا، تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سن کر کہا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، اس پر دونوں میں اختلاف ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا: ''ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔'' [1]

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عملیہ کے بیکار کر دینے کا نام تقدیر ہے، تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوگا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہیں سکتی لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً منعقد ہوگئی تھی، اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ ''اعمال تو خود تقدیر ہیں، انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشتۂ تقدیر ہیں، اس لیے توکل قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں۔'' چنانچہ صحابہ ایک جنازہ میں شریک تھے، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا: ''تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی جگہ جنت یا دوزخ میں لکھی نہ جا چکی ہو۔'' ایک شخص نے کہا: ''تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں، جو شخص سعادت مند ہوگا وہ خود بخود سعادت مندوں میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص بدبخت ہوگا وہ بدبختوں سے مل جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''سعادت مند وہ لوگ ہیں جن کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور بدبخت وہ ہیں جن کے لیے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔'' [2]

مجالس میں شگفتہ مزاجی

باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیۂ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے کأن الطير فوق رؤوسهم۔ تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا: ''جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی، خدا نے کہا: کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے، چنانچہ اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اگا، بڑھا اور کٹنے کے قابل ہو گیا۔'' ایک بدو بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا: یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو

---

[1] ابو داود، كتاب اللباس، باب ما جآء في اسبال الازار: ٤٠٨٩۔

[2] بخاری، كتاب التفسير، باب وكذب بالحسنى: ٤٩٤٨۔

زراعت پیشہ ہیں لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہیں، آپ ﷺ ہنس پڑے۔ [1]

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہو گیا، ارشاد ہوا: ''کیوں؟'' بولے میں نے رمضان میں بیوی سے ہم بستری کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کرو۔'' بولے غریب ہوں، غلام کہاں سے لاؤں، ارشاد ہوا: ''دو مہینے کے روزے رکھو۔'' بولے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا، فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔'' بولے اتنا مقدور نہیں، اتفاق سے کہیں سے زنبیل بھر کر کھجوریں آ گئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لو غریبوں کو خیرات کر آؤ۔'' عرض کی اس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں، آپ ﷺ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا: ''اچھا تم خود ہی کھا لو۔'' [2]

فیض صحبت

(ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔'') [3]

ایک دفعہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں منافق ہو گیا ہوں، میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ ﷺ دوزخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں لیکن بال بچوں میں آ کر سب بھول جاتا ہوں ارشاد ہوا: ''اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔'' [4]

---

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب مع اهل الجنة: ۷۵۱۹۔

[2] بخاری، کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان: ۱۹۳۶۔

[3] ترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة الجنة ونعیمها: ۲۵۲۶، امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث قوی نہیں۔

[4] ترمذی، ابواب الزهد: ۲۴۵۲ وصحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فضل دوام الذکر: ٦٩٦٦۔

خطابتِ نبوی ﷺ

خطابت [1] اور تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے، اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا، تو ان کو یہ دعا مانگنی پڑی:

﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِي ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۲۷، ۲۸)

''خداوند میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں۔''

لیکن سید الانبیا ﷺ کو خود بارگاہِ الٰہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا:

((انا افصح العرب، بعثت بجوا مع الکلم)) [2]

''میں فصیح ترین عرب ہوں، میں کلمات جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔''

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا، تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے، قریش اور بنو ہوازن، قریش خود آنحضرت ﷺ کا قبیلہ تھا اور بنو ہوازن کے قبیلہ میں آپ نے پرورش پائی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر)) [3]

''میں تم میں فصیح تر ہوں، قریشی ہوں اور میری زبان بنوسعد [4] کی زبان ہے۔''

طرزِ بیان

آنحضرت ﷺ نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے، آپ ﷺ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ ﷺ کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے، نہ آپ خطبا کا لباس پہنتے تھے، ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے [5] ابن ماجہ میں ہے کہ مسجد میں جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو دست مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدان جنگ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے۔ [6] جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا، لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب ضرورت پیش آتی آپ ﷺ فی البدیہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے خطبہ دیا ہے، ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا تاہم آپ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔

---

[1] اضافہ تا ختم باب۔ [2] بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ: بعثت بجوامع الکلم: ۷۲۷۳۔
[3] طبقات ابن سعد ج ۱ قسم اول ص: ۷۱۔ [4] بنوسعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔ [5] ابو داود، کتاب الصلوۃ الرجل یخطب علیٰ قوس: ۱۰۹۶۔ [6] ابن ماجہ، باب ما جاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ: ۱۱۰۷۔

عام نصائح اور پند کی باتیں گو آپ ﷺ اخباری فقروں میں بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر مؤثر بنانا ہوتا تھا، تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع فرماتے تھے، غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اول سے آخر تک سوال و جواب ہے، حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات میں جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی، غصہ بڑھ جاتا تھا، انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں، گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کسی فوج کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں [1] جوش بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا، [2] ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی [3] کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس قسم کی پرجوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

> سمعت رسول اللہ ﷺ علی المنبر یقول یأخذ الجبار سمٰواتہ وارضیہ بیدہ وقبض یدہ فجعل یقبضھا ویبسطھا ...... قال و یتمائل رسول اللہ ﷺ عن یـمینہ وعن شمالہ حتی نظرت الی المنبر یتحرك من اسفل شیء منہ حتی انی لا قول اساقط ھو برسول اللہ ﷺ۔ [4]

> ’’آنحضرت ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا فرمارہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا، یہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے...... آپ ﷺ کا جسم مبارک کبھی دائیں، کبھی بائیں جھکتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا، میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔‘‘

آنحضرت ﷺ کے خطبات کی نوعیت

احادیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے خطبات اور ان کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کر دیے گئے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپ کے طرز بیان پر پڑتا تھا۔ آپ داعی مذہب تھے، فاتح تھے، واعظ تھے، امیر الجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے، اس اختلاف حیثیت نے آپ کے خطابت اور زور بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے آپ بحیثیت داعی مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی، چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ (۲٦/ الشعراء: ۲۱٤)۔ ’’اپنے اقربا کو ڈراؤ۔‘‘ آپ ﷺ نے تمام قریش کو جمع کر کے ایک خطبہ دینا چاہا ابولہب

[1] صحیح مسلم، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ: ۲۰۰۵۔ [2] ابن ماجہ، ابواب الزھد، ذکر البعث: ٤۲۷۵۔
[3] مسند احمد بن حنبل، ج ٦، ص: ٤۰۲۔ [4] ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب ذکر البعث: ٤۲۷۵۔

کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو پورا نہیں ہونے دیا تاہم آپ ﷺ کی زبان سے اس موقع پر جو چند جملے نکل گئے، اس سے آپ کے زور بیان کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ آپ نے صفا پر چڑھ کر پہلے پکارا ((یا صباحاہ!)) یہ وہ لفظ ہے، جو عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر دفعۃً غارت گری کے لیے ٹوٹ پڑتا ہے، تمام لوگ یہ لفظ سن کر چونک اٹھے اور آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((ارأیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح هذا الجبل اکنتم مصدقیّ))

''بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟''

سب نے جواب دیا، اب تک آپ ﷺ کی نسبت ہم کو کسی قسم کی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں ہوا ہے، جب آپ ﷺ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا:

((انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید))

''میں تمہیں ایک ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔''

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا، کیا ہم سبھوں کو اسی لیے جمع کیا تھا یہ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔ [1]

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دے دیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانوں کو یہ نہایت ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا: خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے، حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی۔ لوگوں نے کہا: چند نوجوانوں نے یہ کہا ہے، لیکن ہم میں جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہیں، انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اب آپ ﷺ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا:

((یا معشر الانصار! لم اجدکم ضلالا فهداکم الله بی و کنتم متفرقین فالفکم الله بی و عالة فاغناکم الله بی))

''اے گروہِ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔''

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے: خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد ﷺ! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے ہم نے تمہاری

[1] بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ تبت: ٤٩٧٢۔

تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے ہم نے تمہاری غم خواری کی۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:

((اترضون ان یذهب الناس بالشاة والبعیر وتذهبون بالنبی الی رحالکم فواللّٰه لما تنقلبون به خیر مما ینقلبون))

''کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کے جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ، خدا کی قسم! تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے، جس کو تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔''

اس پر تمام انصار پکار اٹھے "رضینا" یعنی ہم سب راضی ہیں۔ [1] اس خطبہ کے وجوہِ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ فاتحانہ حیثیت سے آپ ﷺ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا، حرم ایک دارالامان تھا، جس میں کبھی خونریزی نہیں ہو سکتی تھی فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامنِ عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا اس لیے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے۔ آنحضرت ﷺ کو انہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا، چنانچہ آپ نے بہ ترتیب ان ہی کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

((ان اللّٰه حرّم مکّة یوم خلق السموات والارض فهی حرام بحرام اللّٰه الی یوم القیامة لم تحل لا حد قبلی ولا تحل لا حد بعدی ولم تحلل لی قط الا ساعة من الدهر لا ینفر صیدها ولا یعضد شوکها ولا یختلی خلاها ولا تحل لقتطها الا لمنشد)) [2]

''خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا، پس وہ بحرمت خدا حرام ہے وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہوگا اور میرے لیے بھی بجز چند گھنٹوں کے ہرگز حلال نہیں ہوا، نہ اس کے شکاروں کو بدکایا جا سکتا، نہ اس کا کانٹا کاٹا جا سکتا ہے، نہ اس کی گھاس کاٹی جا سکتی، نہ اس کی گم شدہ چیز حلال ہو سکتی ہے، بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈ رہا ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں دیا تھا۔ یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے جس کو قدرتاً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے تاہم سلاست، روانی، اور

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف: ۴۳۳۰، ۷۲۴۵۔

[2] اس کے ہم معنی روایات صحاح میں موجود ہیں۔ بخاری، کتاب جزاء الصید، باب لایحل القتال بمکة: ۱۸۳٤؛ مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکة: ۳۳۰۲۔

شستگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبوں سے کم نہیں آپ ﷺ نے حمد ونعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی:

((ایها الناس! اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی هذا فی موقفی هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا)) [1]

''لوگو! سنو! کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ، اس مہینہ میں، اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔''

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ ''غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے۔'' لیکن اس تفصیل اور اس پیرایۂ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زوردار بنا دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان مال، سب مسلمانوں پر حرام ہے اس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے:

((اتدرون ای یوم هذا؟)) قالوا: اللّٰه ورسوله اعلم قال: ((فان هذا یوم حرام افتدرون ای بلد هذا؟)) قالوا: اللّٰه ورسوله اعلم قال: ((بلد حرام)) قال: ((اتدرون ای شهر هذا؟)) قالوا: اللّٰه ورسوله اعلم قال: ((شهر حرام)) [2]

''کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ یوم الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟'' لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟'' لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''شہر حرام ہے۔''

اس طرح جب لوگوں کے دل میں اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا:

((ان اللّٰه حرم علیکم دماء کم واموالکم واعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض)) [3]

''خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں، اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن مارے۔''

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی ہے:

((ان ربکم واحد وان اباء کم واحد کلکم من آدم وآدم من تراب ان

[1] اس مفہوم کی روایت کنز العمال: ۱۲۹۲۳ میں ہے۔

[2] بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی: ۱۷۴۲۔ [3] ایضا: ۱۷۳۹، ۱۷۴۱۔

اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم)) جامع ترمذی ، کتاب المناقب: ۳۹۵۵، ۳۹۵٦
اورابو داود ، کتاب الادب: ۵۱۱٦ میں اس کے ہم معنی حدیث موجود ہے۔
''تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے، خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔''

عرب کا عام ذریعہ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرم کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہیں رہ سکتے تھے اس لیے ان مہینوں کو ادل بدل لیا کرتے تھے جس کو نسیٔ کہتے ہیں، قرآن مجید نے اس کی ممانعت کی:

﴿ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ ﴾ (۹/ التوبة:۳۷)
''نسیٔ کفر میں اضافہ کرتا ہے۔''

آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:
((ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السموات والارض)) [1]
''زمانہ ہیر پھیر کے پھر اسی مرکز پر آ گیا جیسا کہ اس دن تھا جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔''

ان حیثیتوں کے علاوہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں وہ اگرچہ نہایت سادہ ہیں تاہم ان میں بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے۔ ایک اخلاقی واعظ کے لیے پیچیدہ ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں وہ تمام تر اسی قسم کے ہیں، مدینہ آ کر سب سے پہلا فقرہ جو زبان مبارک سے نکلا یہ تھا:

((یاایھا الناس، افشوا السلام ، واطعموا الطعام، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام)) [2]
''لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو، جب اور لوگ سوتے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپ ﷺ نے پڑھا ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد وثنا کے بعد اس میں آپ ﷺ نے یہ خطبہ دیا تھا:

((امابعد! ایھا الناس! فقدموا لانفسکم تعلمن واللّٰہ لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمہ لیس لھاراع ثم لیقولن لہ ربہ لیس لہ ترجمان ولا حاجب یحجبہ

---

[1] بخاری: ٤٦٦٢۔ [2] طبقات ابن سعد، جزء اوّل، قسم اول، ص:۱۵۹۔ یہ روایت ترمذی: ۲٤۸۵؛ ابن ماجہ: ۱۳۳٤؛ مسند احمد، ج۵، ص: ٤۵۱۔ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی الفاظ سے تھوڑے فرق کے ساتھ موجود ہے۔

دونہ الم یاتك رسولی فبلغك واتیتك مالا فافضلت علیك فما قدمت لنفسك، فلینظرن یمیناً وشمالا فلا یری شیئاً ثم لینظرن قدامه فلا یری غیر جهنم فمن استطاع ان یتقی بوجهه من النار ولو بشق من تمرة فلیفعل ومن لم یجد فبکلمة طیبة فانها تجزی الحسنة بعشر امثالها الی سبع مائة ضعف والسلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته)) [1]

''حمد وثنا کے بعد اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرلو، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی قسم! تم میں سے ایک جب اپنے ہوش و حواس کھو چکے گا اور اپنی بکریوں (مال و دولت) کو چھوڑ جائے گا، جن کا کوئی نگہبان نہ ہوگا، پھر خدا، اس کے لیے بیچ میں نہ کوئی ترجمان ہے نہ دربان ہے جو روکے گا، اس سے کہے گا کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا اور میرا پیغام نہیں پہنچایا اور میں نے تجھ کو دولت نہیں دی اور حاجت سے زیادہ نہیں عطا کیا، تو، تو نے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا، اس وقت وہ بندہ داہنے بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا، اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو، کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ ہفت صد گنا دیا جائے گا، تم پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت و برکت نازل ہو۔''

اس کے بعد دوسری دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الحمد للّٰه احمده واستعینه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهدی اللّٰه فلا مضل له ومن یضلل فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریك له، ان احسن الحدیث کتاب اللّٰه قد افلح من زینه اللّٰه فی قلبه وادخله فی الاسلام بعد الکفر فاختاره علی ماسواه من احادیث الناس انه احسن الحدیث وابلغه، احبوا ما احب اللّٰه احبوا اللّٰه من کل قلوبکم ولا تملوا کلام اللّٰه وذکره ولا تقس عنه قلوبکم فاعبدوا اللّٰه ولا تشرکوا به شیئاً واتقوه حق تقاته وصدقوا اللّٰه صالح ماتقولون بافواهکم وتحابوا بروح اللّٰه بینکم ان اللّٰه یغضب ان ینکث عهده، والسلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته)) [2]

---

[1] ابن ہشام، ج ۱، ص: ۳۰۰۔ [2] ابن ہشام، ج ۱، ص: ۳۰۱۔

''خدا کی حمد ہو، میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کے دامن میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے، اس کی کوئی راہنمائی کرنے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہی تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، بہترین کلام خدا کی کتاب ہے۔ کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو خدا نے اس سے آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا، انسانوں کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا، کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پراثر ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو اور خدا کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام وذکر سے کبھی نہ تھکو اور تمہارے دل اس کی طرف سے سخت نہ ہوں پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور اس سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے سچی بات کہو اور آپس میں ایک دوسرے کو ذاتِ الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے، تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت نازل ہو۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان کیں:

((ان اللّٰه لا ينام ولا ينبغي له ان ينام يخفض القسط ويرفعه اليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل عمل الليل، حجابه النور)) [1]

''ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایانِ شان ہے، وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے، خدا کا پردہ نور ہے۔''

جمعہ کے خطبہ میں عموماً زہد ورقاق، حسن اخلاق، خوفِ قیامت، عذابِ قبر، توحید وصفاتِ الٰہی بیان کرتے تھے۔ ہفتہ میں کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایات فرماتے تھے۔ اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کی کوئی انہیں مضامین کی مؤثر سورت ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے، یہ سورہ آپ ﷺ جمعہ کے خطبہ میں اکثر وبیشتر پڑھا کرتے تھے۔ عید کے خطبہ میں ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے موقعوں پر دیا کرتے تھے اور ان میں مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے، ایک دفعہ آفتاب میں گہن لگا، اتفاق سے اسی دن آپ کے کمسن فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تھی۔ مزعومات عرب کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہے، آپ ﷺ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ دیا:

[1] مسلم، كتاب الايمان، باب في قوله عليه السلام، ان اللّٰه لا ينام: ٤٤٥۔

((اما بعد!یا ایھا الناس!انما الشمس و القمر اٰیتان من اٰیات اللّٰہ وانھما لا ینکسفان لموت احد من الناس ، ما من شیء لم اکن رایتہ الا قد رأیت من مقامی ھذا حتی الجنۃ و النار وانہ قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور مثل فتنۃ الدجال فیؤتی احدکم فیقال ما علمك بھذا الرجل فاما الموقن فیقول ھو محمد ھو رسول اللّٰہ جاء بالبینات و الھدی فاجبنا واطعنا، اما المرتاب فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئًا فقلت۔ انہ عُرِضَ عَلٰی کل شیء تولجونہ فعرضت علی الجنۃ حتی لوتنا ولت منھا قطفا اخذتہ فقصرت یدی عنہ وَعُرِضَتْ علی النار فرأیت فیھا امرأۃ تعذب فی ھرۃ لھا ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تأکل من حشاش الارض ورأیت ابا ثمامۃ عمرو بن مالك یجر قصبہ فی النار وانھم کانوا یقولون ان الشمس و القمر لا یخسفان الا لموت عظیم وانہ اٰیتان من اٰیات اللّٰہ یریکموھما فاذا خسفا فصلوا حتی تنجلی)) [1]

’’حمد وثنا کے بعد،لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دونشانیاں ہیں،وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے۔جس چیز کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اس کو یہیں دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی اور ہاں مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے،جس طرح دجال سے آزمائے جاؤ گے،تم میں سے ہر شخص کے پاس ایک آنے والا آئے گا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت ﷺ) کی نسبت کیا جانتے ہو،یقین والے کہیں گے یہ محمد ﷺ ہیں، یہ خدا کے رسول ہیں، جونشانیاں اور ہدایتیں لے کرآئے ،تو ہم نے ان کوقبول کیا اوران کی پیروی کی اورمتشکک کہیں گے میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سنا وہ کہہ دیا۔میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جن میں تم داخل ہو گے تا آنکہ اگر میں چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا لیکن میرے ہاتھ رک گئے ،دوزخ میرے سامنے رونما کی گئی ، میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کوصرف اس لیے سزادی جارہی تھی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اس کوخود کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز کھائے ، میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا ، یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ تو خدا کی دونشانیاں ہیں، جب تم گہن دیکھوتو نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ تا آنکہ وہ صاف ہوجائے۔‘‘

رد بدعت اوراعتصام بالسنہ میں آپ ﷺ کا یہ مختصر خطبہ بتغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابوں میں منقول ہے:

[1] صحیح مسلم بروایات مختلفہ ، کتاب الکسوف ، باب صلوۃ الکسوف ومابعدہ:۲۱۰۰ تا۲۱۲۲۔

((انما هما اثنتان الكلام والهدى فاحسن الكلام كلام الله فاحسن الهدى هدى محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة الا لا يطولن عليكم الامد فيقسوا قلوبكم الا ان ماهو آت قريب وان البعيد ماليس بآت الا انما الشقي من شقي في بطن امه والسعيد من وعظ بغيره الا ان قتال المؤمن كفر وسبابه فسوق ولا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث الا وایاکم والکذب)) [1]

''صرف دو باتیں ہیں قول اور عملی طریقہ، تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، خبردار (مذہب میں) نئی باتوں سے بچو، نئی باتیں بدترین چیزیں ہیں، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے تم کو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں، جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے، دور وہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے، بدبخت اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوتا ہے، خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرے، خبردار مسلمان سے لڑنا کفر اور اس سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے، مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے، ہاں خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا۔''

اثر انگیزی

خطباتِ نبوی ﷺ تاثیر اور رقت انگیزی میں درحقیقت معجزہ الٰہی تھے، پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں میں موم ہو جاتے تھے، مکہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورۂ والنجم کی آیتیں تلاوت کر کے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان، بڑے بڑے کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔ [2]

آنحضرت ﷺ کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے یہ سن کر کہ نعوذ باللہ آپ کو جنون ہے بغرض علاج آئے، آپ ﷺ نے ان کے سامنے مختصر سی تقریر کی، انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ ذرا اس کو پھر تو دہرانا، غرض آپ نے کئی بار تقریر دہرائی تو اخیر میں انہوں نے کہا: ''میں نے شاعروں کے قصیدے اور کاہنوں کے کلام سنے ہیں لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے۔'' [3]

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا آپ ﷺ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں یعنی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ ﴾ (٤/ النسآء:١)

---

[1] ابن ماجه، باب اجتناب البدع: ٤٦۔ [2] صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب فاسجدوا لله واعبدوا: ٤٨٦٢۔ [3] صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلوة الخطبة: ٢٠٠٨۔

''اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔''

پھر سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ (۵۹/ الحشر:۱۸)

اس کے بعد فرمایا ''درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا، جو ہو، راہ خدا میں دو، مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت جیسی کچھ تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے لیکن بااین ہمہ آپ ﷺ کی رقت انگیز اور مؤثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھ دیا۔ بعضوں نے اپنے کپڑے اتار دیے، کسی نے گھر کا غلہ لا کر دے دیا، ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل ان سے اٹھ سکتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔ [1]

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات میں آپ ﷺ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کر کے جوشِ محبت کا دریا بہا دیتے تھے۔ اوس و خزرج کی سالہا سال کی عداوتیں اس اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبت ہو گئیں۔ غزوۂ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپ ﷺ سوار ہو کر نکلے۔ مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانوں نے تو ادب سے سلام کیا، لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا، یہ چنگاری تھی جس نے خرمن میں آگ لگا دی، قریب تھا کہ جنگ و جدل برپا ہو جائے لیکن آپ ﷺ کے چند فقروں نے آگ پر پانی ڈال دیا۔ [2]

غزوۂ مصطلق سے واپسی میں ایک واقعہ پر بعض منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت ممکن تھا کہ مہاجرین و انصار باہم دست و گریبان ہو جائیں کہ عین وقت پر آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، آپ تشریف لائے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین و انصار پھر شیر و شکر تھے۔ [3] واقعۂ افک میں اوس و خزرج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں، آپ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہریں پھر جاری ہو گئیں۔ [4]

غزوۂ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم پر جب انصار میں آزردگی پیدا ہو گئی تھی، اس وقت آپ ﷺ نے جس بلیغانہ انداز میں تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر سا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور دل کا سارا غبار آب کوثر کے ان قطروں سے دفعۃً دھل گیا۔ [5]

فتح مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپ نے رؤسائے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ:۲۳۵۱۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب السلام فی مجلس فیه اخلاط...... :۶۲۵۴۔ [3] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ منافقین: ۴۹۰۰ وابن سعد غزوۂ مذکور۔ [4] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک: ۴۱۴۱۔
[5] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مکة: ۴۶۲۲۔

میں سے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں خُلقِ نبوی ﷺ کا جلوہ نہ تھا، معترض ہوئے کہ ''آخر آپ کو اپنے وطن و خاندان کی محبت آ ہی گئی۔'' آپ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ ''کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے؟'' عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: ''وطن و خاندان کی پاس داری میرے پیش نظر نہ تھی، میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں، میں نے اللہ کی طرف ہجرت کی اور تمہاری طرف، اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے۔'' یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔ وعظ و نصیحت میں جو خطبات آپ ارشاد فرماتے تھے، وہ بھی اسی قدر مؤثر ہوتے تھے۔ ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

وعظنا رسول اللّٰه ﷺ يومًا بعد الصلوة الغداة موعظة بليغة ذرفت منها العيون و وجلت منها القلوب۔ [1]

''صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا مؤثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔''

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

قام رسول اللّٰه ﷺ خطيبًا فذكر فتنة القبر التى يفتن بها المرء فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجَّةً۔ [2]

''آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنہ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی، جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔''

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: ((والذی نفسی بیدہ)) ''قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔'' یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے۔ لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں۔ [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر مؤثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا۔ اثنائے تقریر میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔'' اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے لگے۔ [4]

---

[1] ابوداود، كتاب السنة، باب لزوم السنة: ٤٦٠٧؛ ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فى الاخذ بالسنة واجتناب البدعة: ٢٦٧٦۔ [2] صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى عذاب القبر: ١٣٧٣۔

[3] سنن نسائی، كتاب الزكوٰة، باب وجوب الزكوٰة: ٢٤٤٠۔

[4] صحيح بخاری، كتاب التفسير، تفسير سورهٔ مائدة، باب قوله لا تسئلوا عن اشياء...... : ٤٦٢١۔

عبادات نبوی ﷺ

﴿ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۸﴾ ﴾ (۹۴/ الانشراح:۷، ۸)

''اے محمد ﷺ! جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے رب سے دل لگاؤ۔''

(دنیا [1] میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس کے متعلق صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ اس کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گزشتہ انبیا میں حضرت نوح علیہ السلام، بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جن کے حالات تورات میں مذکور ہیں، ان کی زندگی کا یہ باب صحائف بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیروؤں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی، جن پر دین و شریعت کا دارومدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکے۔ پیروانِ اسلام کو یہ فخر ہے کہ انہوں نے اول سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادات، اس کے طریقے، اس کے انواع، اس کی کیفیات غرض اس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے)۔

دعا اور نماز

آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور غار حرا میں جا کر مہینوں قیام اور مراقبہ کرتے تھے۔ [2] نبوت کے ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا، کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابوطالب آ نکلے انہوں نے دیکھا تو پوچھا ''بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟'' آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ [3]

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب [4] میں بھی جائز تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور رؤسائے قریش بیٹھے تمسخر اُڑا رہے تھے ابوجہل نے کہا ''کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا اور محمد (ﷺ) جب سجدہ میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا۔'' چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا، [5] نماز میں جب آپ جہر سے قراءت فرماتے تو کفار برا بھلا کہتے۔ [6] ایک دفعہ آپ حرم میں نماز ادا کر رہے

---

[1] اضافہ تا ختم باب۔ [2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳، ۳۳۹۲۔ [3] مسند احمد: ج ۱، ص: ۹۹۔

[4] ابن اثیر ذکر الاختلاف فی اوّل من اسلم، ج ۲، ص:۴۳ مطبوعہ لیڈن: ۱۸۶۷ء۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب اذا القی علی ظھر المصلی قذر...... ۲۴۰ وکتاب الصلوٰۃ، باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی...... ۵۲۰۔

[6] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، باب قولہ ولاتجھر بصلوتك: ۴۷۲۲۔

تھے، بعض اشقیا نے چاہا کہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں، ❶ ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانسی ڈال دی ❷ لیکن بااین ہمہ مزاحمت، لذت شناسِ یادالٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ ﷺ نمازیں پڑھا کرتے تھے، اس عبادتِ شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ رات بھر نماز میں کھڑے رہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے پھر سو جاتے پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپ اٹھتے تھے اور ۱۳ رکعتیں ادا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے ❸ عام طور پر آخر میں آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی عبادت شبانہ کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فرائض پنجگانہ کے علاوہ آپ ﷺ کم از کم سنن ونوافل کی ۳۹ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایتِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) دو مغرب چھ عشاء، تیرہ تہجد ووتر، ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین سنت تحیۃ مسجد۔ وغیرہ الگ تھیں، تمام سنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپ ﷺ سختی سے پابند تھے ❹ کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضا پڑھتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کے لئے نہیں ایسا واقعہ حضر میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے، ظہر وعصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس میں باریاب ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے، نماز عصر کے بعد آپ ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے حجروں میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی، چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لئے ازواج مطہرات نے استفسار کیا، آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لئے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن چونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا۔ ❺

رمضان کا مہینہ آپ ﷺ کی عباداتوں کے لئے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''آپ ﷺ فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبریل علیہ السلام

---

❶ ابن هشام ذکر ذکر اسلام حمزه، ج ۱، ص: ۱۸۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ما لقی النبی ﷺ واصحابه من المشرکین بمکة: ۳۸۵۶۔ ❸ اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب، جلد ۷، صفحہ ۴۵۵ میں بالتفصیل لکھا ہے۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب تعاهد رکعتی الفجر: ۱۱۶۹۔

❺ بخاری: ۱۲۳۳ وابو داود، کتاب الصلوٰة، باب الصلوة بعد العصر: ۱۲۷۳ وصحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب معرفة الرکعتین اللتین کان یصلیهما...... : ۱۹۳۳، ۱۹۳٤۔

قرآن سنانے آتے تو آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی" آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی [1] رمضان کے آخری عشرہ میں آپ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہل بیت کو نماز کے لئے جگاتے تھے، [2] اس اخیر عشرہ میں آپ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے [3] یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یاد الہی اور عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد تھا۔ [4] روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی اسی تعداد کے موافق آپ ﷺ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے [5] پچھلی رات کو اٹھ کر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ ایک دفعہ رات کو میں نے دیکھا کہ آپ پچھلے پہر بیدار ہوئے، آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے رات کے سناٹے میں تارے جھلملا رہے تھے، آپ نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتیں پڑھیں: [6]

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ﴾

(۳/ آل عمران ۱۹۰ تا ۱۹۵)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب اجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان: ۱۹۰۲۔

[2] بخاری، کتاب الصوم، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان: ۲۰۲٤۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر: ۲۰۲۵، ۲۰۲٦۔

[4] ابو داود، ابواب شهر رمضان، باب تحزیب القرآن: ۱۳۹۳۔

[5] صحیح بخاری، بدء الوحی: ٦، ۱۹۰۲۔

[6] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب قراة القران بعد الوضوء: ۱۸۳ وصحیح مسلم: ۱۷۸۹، بخاری ومسلم کی روایت میں صرف آل عمران کی آخری دس آیات پڑھنے کا ذکر ہے، آیتیں درج نہیں کی ہیں۔

''آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب میں ان دانش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں غور کرتے ہیں کہ خدایا! تو نے یہ (نظامِ عالم) بے نتیجہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، خدایا! جس کو تو دوزخ میں داخل کرے اس کو تو نے رسوا کر دیا، گناہ گاروں کا کوئی مدد گار نہیں، خداوندا! ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے، خداوندا! تو ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیوں پر پردہ ڈال اور نیکوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا، خداوندا! تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کر لی کہ میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے سے ہو، جنہوں نے ہجرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے اور میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور مارے گئے ہیں میں ان سب کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور ان کو جنت میں جگہ دوں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔''

اسی موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سرتا پا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں:

((اللھم لك الحمد انت نور السمٰوات والارض ولك الحمد انت قیام السمٰوات والارض ولك الحمد انت رب السمٰوات والارض ومن فیھن انت الحق ووعدك الحق وقولك الحق ولقاء ك حق والجنة حق والنار حق والساعة حق اللھم لك اسلمت وبك امنت وعلیك توکلت والیك انبت وبك خاصمت والیك حاکمت فاغفرلی ماقدمت واخرت واسررت واعلنت انت الٰھی لآ الٰه الا انت)) [1]

''خداوندا! تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین کا نور ہے۔ تیری حمد ہو تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے۔ تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، تیری بات حق ہے، تجھے ملنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے۔ خداوندا! میں نے تیرے ہی آستانے پر سر جھکایا ہے، تجھی پر ایمان لایا ہوں، تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، تیرے ہی زور سے جھگڑتا ہوں، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں، تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا، ہر ایک گناہ معاف کر۔ تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔''

[1] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل: ۱۸۰۸۔

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے آپ ﷺ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا و مناجاتِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا سمجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اندھیرے میں ہاتھ سے ادھر ادھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے اور آپ سربسجود دعا میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو اپنے شبہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا: سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں اور آپ کس عالم میں۔ [1] کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر آپ تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور دعا و زاری کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہ ؓ گئیں تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔ [2]

دعا اور نماز کے بعد آپ ﷺ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعتہً سپیدہ صبح نمودار ہوتا، آپ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّ مِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّ تَحْتِيْ نُوْرًا وَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا)) [3]

”خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان میں اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا کر، آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر اور مجھے نور عطا کر۔“

ارکانِ نماز میں سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے لیکن حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے آپ سجدہ میں جانا بھول گئے۔ [4] جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے، نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑ گئی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: ”یہ لے جا کر فلاں شخص (ابوجہم) کو دے آؤ اور ان سے انبجانی مانگ لاؤ۔“ حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔ [5]

---

[1] سنن نسائی، کتاب عشرة النسآء، باب الغيرة: ٣٤١٣، ٣٤١٤۔

[2] سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب بالاستغفار للمؤمنين: ٢٠٣٩۔ [3] صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ...: ١٧٩٩۔ [4] مسند ابن حنبل، ج ٣، ص: ١٧٢۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰة، باب اذا صلى في ثوب له اعلام: ٣٧٣۔ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے۔

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا، نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اس کو ہٹادو، اس کے نقش ونگار حضور قلب میں خلل انداز ہوئے۔'' ❶

روزہ

انبیا اور داعیان مذہب نے تکمیل روحانیت کے لیے تقلیل غذا، بلکہ ترک غذا (روزہ) کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے، ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیان مذاہب تو اس راہ میں حد افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعیٔ اسلام کا طرز عمل اس باب میں افراط اور تفریط کے بیچ میں تھا۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے، بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ متواتر کئی کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آکر اس معمول میں فرق آ گیا، مدینہ میں یہود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے آپ ﷺ نے بھی رکھا بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی ❷ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ نفل رہ گیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپ ﷺ نے کبھی نہیں رکھا، صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے، اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ ﷺ روزہ سے رہتے، اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گزرتے تھے، ❸ سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا، کہ اب آپ کبھی روزہ نہ توڑیں گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے، ❹ مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں آپ اکثر روزوں سے رہتے تھے، مہینہ میں تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو آپ معمولاً روزے رکھا کرتے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں سے تھا ان کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورا تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن دوسری سے ساتویں تک آپ روزوں میں گزارتے تھے۔ ❺

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے، آپ کبھی گھر میں تشریف لا کر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے جواب ملتا کچھ نہیں آپ ﷺ فرماتے: ''تو میں آج روزہ سے ہوں۔'' ❻ کبھی کبھی آپ صوم وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب کراهية الصلوة فی التصاویر، ٥٩٥٩ و کتاب الصلوة، باب ان صلی فی ثوب مصلب: ٣٧٤۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم عاشوراء: ٢٦٣٧۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ: ٢٧٢١۔ ❹ ایضاً۔

❺ روزہ کے متعلق یہ حدیثیں تمام کتب حدیث میں ہیں اس وقت ابو داود، صحیح مسلم، کتاب الصوم پیش نظر ہیں۔

❻ ابو داود، کتاب الصیام، باب فی الرخصة فیه: ٢٤٥٥۔

لیتے تھے لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں آپ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ نے منع فرمایا، بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ ﷺ حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں، اس لئے اس ممانعت کے باوجود آپ کے ساتھ انہوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے، آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا تیسرے دن اتفاق سے چاند ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا: ''تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے۔'' بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: ''تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔'' [1]

عام مسلمانوں کے لئے آپ اس قسم کی مذہبی سختیوں کو ناپسند فرماتے تھے اور عام طور پر خود بھی ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے تفصیلی واقعات آگے آتے ہیں۔

زکوٰۃ

آنحضرت ﷺ اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرّات کیا کرتے تھے، جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شہادت دی ہے۔ [2] اسلام کے بعد آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقدا اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے لیکن بااین ہمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا آپ سے ثابت نہیں اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیا علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں ایک مطلق صدقہ و خیرات اور اس باب میں جو آپ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو، ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے۔ یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ کاشانہ نبوت میں کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی، آپ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانہ اقدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ ''یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کیا۔'' [3]

---

[1] صوم وصال کی یہ حدیثیں صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم: ۲۵۶۳ تا ۲۵۷۲ سے لی گئی ہیں۔ [2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳۔

[3] ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین: ۳۰۵۵۔

حج

اسلام سے پہلے آپ ﷺ نے جس قدر حج کیے ان کی صحیح تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمولاً ہر سال حج کیا کرتے تھے ❶ اس لیے قرینۂ غالب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ ترمذی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں آپ نے دو حج کیے تھے ❷ اور ابن ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کیے تھے لیکن یہ سب روایتیں مرسل ہیں۔ ❸ مدینہ کے زمانۂ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا، ❹ یہ وہی حجۃ الوداع ہے، جس کا ذکر بہ تفصیل پہلے گزر چکا ہے۔

حج کے علاوہ آپ نے عمرے بھی ادا کیے ہیں، ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔ ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ میں ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوۂ حنین کے بعد اور چوتھا حجۃ الوداع ❺ کے ساتھ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ نے ذیقعدہ کے مہینہ میں ادا کیے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے عمرے کیے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ”چار عمرے، ان میں سے ایک ماہ رجب میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو کہا: ”خدا ابوعبدالرحمٰن (ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ شریک نہ ہوں، آنحضرت ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔“ ❻

سال حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی، صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی مدافعت میں آپ سے بچھڑ گئے، لیکن آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق وشوق تھا کہ اپنے ہمراہیوں کا انتظار کیے بغیر بے خطر آپ سب سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ آخر جاں نثاروں نے ابوقتادہ انصاری کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ ”آپ ذرا توقف فرمائیں ہمیں یہ ڈر ہے کہ دشمن کہیں ہمارے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔“ آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ ❼

دوامِ ذکرِ الٰہی

قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے:

❶ الكامل في التاريخ، واقعات ٩ھ ذكر حج ابى بكر، ج ٢، ص: ٢٢٢۔

❷ ترمذي، ابواب الحج، باب كم حج النبي ﷺ: ٨١٥۔

❸ زرقاني، ج ٨، ص: ١٦٤۔ ❹ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ: ٢٩٥٠ وابوداود، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ: ١٩٠٦ وترمذي باب كم حج النبي ﷺ: ٨١٥۔

❺ جامع ترمذي، ابواب الحج، باب كم حج النبي ﷺ: ٨١٥۔

❻ بخاري، كتاب العمرة، باب كم اعتمر النبي ﷺ: ١٧٧٦؛ مسلم، كتاب الحج، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن: ٣٠٣٧؛ ترمذي: ٩٣٦۔

❼ صحيح بخاري، كتاب جزاء الصيد، باب اذا راى المحرمون: ١٨٢٢۔

﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۹۱)

''جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے یاد کرتے ہیں۔''

﴿ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (۲۴/ النور:۳۷)

''جن کو اشغالِ دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔''

اور قرآن کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آنحضرت ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے ❶ ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ رات کو آپ ﷺ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا تھا، اور مجھے نیند آجاتی تھی۔ ❷ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و زبان ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ اسی بنا پر احادیث میں مختلف اوقات و حالات کے لیے کثرت سے ادعیہ ماثورمنقول ہیں۔ اخیر زندگی میں جب سورۂ اذا جـــــاء اتری جس میں تحمید و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المؤمنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبان مبارک پر تسبیح وتہلیل جاری رہتی تھی۔ ❸

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ''آپ ﷺ اکثر یہ دعا ((رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ)) تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے گنا تو ایک ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے۔ ❹ سفر اور کوچ کی بے اطمینانی میں بھی آپ ﷺ یادِ الٰہی سے غافل نہیں رہتے تھے سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے، اور اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رخ ہے یا نہیں۔ سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ ﷺ ادھر ہی منہ کیے نماز کی نیت کر لیتے ❺ کہ ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۱۵) ''جدھر رخ کرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔''

ذوق وشوق

آپ ﷺ اصحاب رضی اللہ عنہم کی محفل میں یا امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حجروں میں بات چیت میں مشغول ہوتے کہ دفعتاً اذان کی آواز آتی آپ اٹھ کھڑے ہوتے ❻ رات کا ایک معتد بہ حصہ گوشب بیداری میں گزرتا تھا تاہم صبح کے وقت ادھر مؤذن نے اللہ اکبر کہا ادھر آپ ﷺ بستر سے اٹھ بیٹھے ❼ شب کے وقت

❶ ابو داود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یذکر اللّٰه علی غیر طهر:۱۸۔ ❷ مسند احمد، ج ٤ ص: ٥٩۔
❸ ابن سعد، قسم ثانی جز ثانی جزء الوفاة، ص:۱۔ ❹ ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا قام من مجلسه:۳٤۳٤ وابن ماجه، ابواب الادب، باب الاستغفار:۳۸۱٤؛ مسند عبد بن حمید: ۷۸٦۔
❺ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب التوجه نحو القبلة: ٤۰۰ وصحیح مسلم: ۱۲۰۷۔
❻ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب خدمة الرجل فی اهله: ٥۳٦۳۔
❼ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب من انتظر الاقامة: ٦۲٦۔

جس ذوق وشوق اور وجد کی حالت میں نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں کھینچا ہے ''کبھی پوری پوری رات آنحضرت ﷺ کھڑے رہتے، سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء (قرآن کی سب سے بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے، جب کوئی خوف اور خشیت کی آیت آتی، خدا سے دعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے [1] قراءت اتنی زور سے فرماتے کہ دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ ﷺ کی آواز سنتے [2] کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپ ﷺ اس کے ذوق وشوق میں محو ہو جاتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے نماز میں یہ آیت پڑھی:

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(۵/ المآئدۃ:۱۱۸)

''اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ ﷺ یہی آیت پڑھتے رہ گئے۔ [3]

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب میں آپ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا، (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلے دو رکعتیں معمولی ادا کیں پھر دو رکعتیں بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھیں، پھر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں وتر ادا کی۔ [4] خباب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک شب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے۔ [5]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) میں سمجھا آپ ﷺ سو آیتوں تک پڑھیں گے لیکن آپ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے، میں نے دل میں کہا شاید پوری سورہ آپ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا کہ اب آپ رکوع کریں گے لیکن آپ نے فوراً ہی سورۂ آل عمران شروع کر دی، یہ بھی ختم ہو چکی تو سورۂ نساء شروع کی (یہ تینوں سورتیں مل کر سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ قراءت کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے، اس کے بعد آپ نے رکوع کیا،

---

[1] ابن ماجه: ۱۳۵۱ تا ۱۳۵۲؛ مسند احمد، ج ٦، ص: ۹۲۔ [2] ابن ماجه، ابواب الصلوة، باب ماجاء في القراء ة صلوة الليل: ۱۳٤۹۔ [3] ايضا: ۱۳۵۰۔ [4] صحيح مسلم، كتاب صلوة المسافرين: ۱۸۰٤؛ ابوداود، كتاب التطوع، باب في صلوة الليل: ۱۳٦٦؛ موطا، باب صلوة النبي ﷺ في الوتر: ۲٦۸۔

[5] نسائي، كتاب قيام الليل، باب تسوية القيام والركوع: ۱٦٦٦۔

رکوع میں قیام ہی کے برابر توقف فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر تاخیر فرمائی۔ ❶

میدان جنگ میں یاد الٰہی

عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسرِ پیکار ہوتیں، تیر وسنان اور تیغ وخنجر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہوتیں اور ہر طرف سے شور دارو گیر برپا ہوتا، آپ ﷺ نہایت خضوع وخشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ دعا وزاری اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے۔ سپاہی شجاعت کے فخر وغرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی۔ بدر، احد، خندق، خیبر، تبوک تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپ کی یہی کیفیت تھی۔ معرکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائد اعظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپ ﷺ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن اصلی اعتماد اور بھروسہ اسبابِ کائنات سے ماورا قادر مطلق کی ذات پر تھا۔ بدر میں دو صحابی حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم کو کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں، ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔'' ❷ بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور آپ خشوع وخضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کر رہے ہیں کہ ''خدایا! اپنا وعدہ نصرت پورا کر۔'' محویت اور بے خودی میں ردائے مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور آپ ﷺ کو خبر نہیں ہوتی کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ''خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا جائے گا۔'' ❸ اسی اثنا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دفعہ میدان جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔ ❹

غزوۂ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپ ﷺ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو:

((اللّٰہ مولانا ولا مولی لکم، اللّٰہ اعلٰی واجل)) ❺

''خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں، خدا بڑا اور بلند ہے۔''

---

❶ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلوۃ اللیل: ۱۸۱٤ ونسائی، کتاب قیام اللیل، باب تسویۃ القیام والرکوع: ١٦٦٥۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الوفاء بالعہد: ٤٦٣٩۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللّٰہ: اذ تستغیثون: ۳۹۵۳ یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الامداد بالملائکۃ: ٤٥٨٨۔ ❹ سیرۃ جلد ۱، ص: ٤٣٤ طبع جدید۔ ❺ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ احد: ٤٠٤٣۔

غزوۂ احزاب میں آپ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے اور لب مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

((اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ)) [1]

''خدایا! بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔''

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ ۲۰، ۲۲ دن تک قائم رہا، لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں۔ ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا، آپ کو سخت رنج ہوا حملہ رکنے پر سب سے پہلے با جماعت نماز ادا کی۔ [2]

غزوۂ خیبر میں جب آپ ﷺ شہر کے قریب پہنچے تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: ((اللہ اکبر خربت خیبر)) ۔ اللہ اکبر! خیبر ویران ہو چکا۔ [3] عمارتیں نظر آئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ پھر یہ دعا مانگی:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا)) [4]

''اے اللہ! ہم تجھ سے اس آبادی کی اس آبادی والوں کی اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔''

حنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی لیکن اوّل ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس فوج کا سالار اگر انہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا، لیکن آپ ﷺ کو جس قوت پر اعتماد تھا آپ اس کو اس تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے۔ جس طرح فوج و لشکر کے ساتھ، عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں چند جان نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا آپ سواری سے اتر آئے اور فرمایا: ''میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں۔'' پھر بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو کر نصرتِ موعودہ کی درخواست کی، دفعتہً ہوا کا رخ پلٹ گیا اور نسیم فتح علمِ اسلام کو لہرانے لگی۔ [5] دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ وتنہا مناجات وزاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس مرقع کا سب سے مؤثر منظر غزوۂ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں

[1] بخاری، باب غزوۃ خندق: ٤١٠٠۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق: ٤١١٢۔

[3] بخاری: ٣٧١؛ مسلم: ٤٦٦٥۔ [4] ابن هشام، ج ٢، ص: ٢٢٣۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من صف اصحابه عند...: ٢٩٣٠ ومسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة حنین: ٤٦١٥۔

اورغفلت کے منتظر ہیں کہ دفعۃً نماز کا وقت آ جاتا ہے اور آپ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا روک لیتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ مکہ کے پاس عسفان میں خیمہ زن تھے۔ قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک میں تھے آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ خداوندِ کارساز کی بارگاہ میں قصرِ صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں عصر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہ دو حصوں میں منقسم ہو گئے، ایک حصہ نے آپ کے پیچھے آ کر نماز کی صفیں قائم کر لیں اور دوسرا حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ پہلی جماعت فارغ ہو کر بتدریج دشمنوں کے مقابل آ گئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپ کے ساتھ نماز میں جا ملی۔ یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہو رہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پروا عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوتی۔ [1]

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

(۸/ الانفال:۴۵)

''مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہو گے۔''

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ [2]

خشیتِ الٰہی

آپ ﷺ خاتم الانبیا تھے افضل رسل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیۃ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ ''مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی؟'' حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو آپ ﷺ تعزیت کو گئے لاش دھری تھی ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم کو کیونکر معلوم ہوا۔'' بولیں: ''خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا'' ارشاد ہوا کہ ''ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہو کر بھی یہ نہیں

[1] ابو داود، کتاب صلاۃ السفر، باب من قال یقوم صف...... ۱۲۳۷۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب التکبیر اذا علا شرفا: ۲۹۹۴۔

جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔'' ❶

جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ ﷺ سہم جاتے کسی ضروری کام میں ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہو جاتے اور فرماتے: ''خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں۔'' جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔ ❷ ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''یا رسول اللہ! آپ کیوں مضطرب ہو جاتے ہیں؟'' ارشاد ہوا: ''عائشہ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے جس نے بادل دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا۔'' ❸

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے بال پکنے لگے، فرمایا: مجھے سورۂ ہود و واقعہ والمرسلات اور عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا۔'' ❹ (ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب دو ثلث شب گزر چکتی، بآواز یہ الفاظ ادا فرماتے: ''لوگو! خدا کو یاد کرو، زلزلہ آ رہا ہے اس کے پیچھے آنے والا آ رہا ہے۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی۔'' ❺

فرمایا کرتے تھے: ''لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا۔'' ❻

ایک دفعہ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر طرز سے خطبہ میں فرمایا: ''اے معشر قریش! اپنی آپ خبر لو میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد المناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! رسولِ خدا کی پھوپھی! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔'' ❼

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپ ﷺ پسینے کے قریب ہو گئے، مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا، آپ نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہو گئے اور تقاضائے بشری سے بددعا زبان سے نکل گئی، فوراً قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی: ''خدایا! میں ایک انسان ہوں اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔'' ❽

گریہ وبکا

(خشیت الٰہی) کی وجہ سے اکثر آپ ﷺ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت: ۱۲۴۳۔ ❷ سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء، باب ما یدعو به الرجل اذا رأی السحاب والمطر: ۳۸۸۹۔ ❸ یہ واقعہ بخاری: ۴۸۲۹ و مسلم: ۲۰۸۴ تا ۲۰۸۷ اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے، اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے۔ ❹ شمائل ترمذی، باب ما جاء فی شیبه ﷺ: ۴۱۔
❺ ترمذی: ۲۴۵۷۔ ❻ بخاری، کتاب التفسیر: ۴۶۲۱ ومسلم، کتاب الکسوف، باب صلوة الکسوف: ۲۰۸۹۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب هل یدخل النسآء والولد فی الاقارب: ۲۷۵۳؛ مسلم: ۵۰۱۔ ❽ مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۰۷ و ۱۲۳ دونوں صفحوں میں دو روایتیں ہیں مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے۔

تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ (٤/ النسآء:٤١) تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے ❶ اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف میں آپ ٹھنڈی سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے: ''خدایا! تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔'' ❷

عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار خدمت نبوی میں حاضر ہوا دیکھا تو آپ نماز میں مشغول ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئیں تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔ ❸

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جارہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی پھر فرمایا: ''بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو۔'' ❹

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے راہ میں ایک پڑاو ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تم کون ہو؟'' بولے ہم مسلمان ہیں، ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی پاس ہی اس کا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ کی خدمت میں آئی اور بولی آپ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا: ''ہاں بیشک۔'' پھر اس نے پوچھا: کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک۔'' اس نے کہا: تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی، آپ ﷺ پر گریہ طاری ہوگیا پھر سر اٹھا کر فرمایا: ''خدا اس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکش اور متمرد ہے، خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔'' ❺

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ ﴾ (١٤/ ابراهيم:٣٦)

''پروردگار، ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی میری جماعت میں ہے۔''

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی دعا پڑھی:

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (٥/ المآئدة:١١٨)

❶ صحيح بخاري، كتاب التفسير، آيت مذكور:٤٥٨٢۔ ❷ ابو داود، كتاب صلاة الاستسقاء، باب من قال يركع ركعتين: ١١٩٤۔ ❸ ابوداود، كتاب الصلوٰة، باب البكاء فى الصلوٰة: ٩٠٤؛ شمائل ترمذى: ٣٢١؛ مسند أحمد، ج٤، ص:٢٥۔ ❹ سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب الحزن والبكاء:٤١٩٥۔
❺ سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله: ٤٢٩٧۔

''اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب و دانا ہے۔''

دونوں ہاتھ اٹھا کر ((اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ)) فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ [1]

محبت الٰہی

دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے مثلاً: حضرت نوح و حضرت موسیٰ علیہما السلام دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً: حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام لیکن یہ دونوں افراط و تفریط کے راستے تھے۔ پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک پہنچاتی اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرت مسیح میں ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے لیکن اسلام دونوں جلوؤں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے یہی سبب ہے کہ حامل شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک میں یہ دونوں پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہیں قرآن مجید نے کمال ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۶۵)

''جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔''

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا یہ دیکھ کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے آپ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں؟'' ارشاد ہوا کہ ''کیا میں عبد شکور نہ بنوں؟'' [2] ارباب باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کی یہ عبادت خشیت الٰہی سے ہے اور چونکہ آپ گناہوں سے پاک کر دیے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی آپ نے اپنے جواب میں اسی شبہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبت الٰہی ہے خشیت الٰہی نہیں، اسی لیے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوۃ)) ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' [3]

راتوں کے سناٹے میں اٹھ کر آپ ﷺ کبھی دعا و زاری میں مصروف ہوتے کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے: ''نصف شب کے سکوت میں خدا سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے۔'' [4] عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا جن کی نسبت آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ ''ان کے معاوضہ میں دنیا اور مافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے ہیچ ہیں۔'' [5]

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعا النبی ﷺ لامۃ: ۴۹۹۔ [2] صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ اللیل: ۱۱۳۰۔ [3] مسند احمد بن حنبل، ج۳، ص: ۱۲۸، ۲۸۵۔

[4] بخاری، کتاب التہجد، باب الدعا والصلوۃ من آخر اللیل: ۱۱۴۵۔

[5] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر: ۱۶۸۸۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی اس کا بچہ گم ہو گیا تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگا لیتی اور اس کو دودھ پلاتی آپ ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے۔'' لوگوں نے عرض کی ''ہرگز نہیں'' فرمایا: ''تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے۔'' [1]

اسی طرح ایک اور واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے ایک عورت اپنے بچے کو گود میں لے کر خدمت اقدس میں آئی اور عرض کی ''یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جس قدر محبت ہوتی ہے کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟'' فرمایا: ''ہاں بیشک ہے۔'' اس نے کہا: کوئی ماں تو اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی۔ یہ سن کر فرط اثر سے آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا: ''خدا صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔'' [2]

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے ایک صاحب ایک چادر میں ایک پرندکو مع اس کے بچوں کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا اس کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچوں پر گر پڑی ارشاد ہوا: ''کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے خدا کو اپنے بندوں سے بدرجہا زیادہ ہے۔'' [3]

آپ ﷺ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ایک خطبہ دیا اس میں فرمایا: ''میں خدا کے سامنے اس بات سے براءت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا ''دوست'' ہو کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنا لیا، جس طرح ابراہیم کو اس نے اپنا دوست بنا لیا تھا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا۔'' [4]

وفات کے وقت زبان مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا:

((اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی)) ''خدایا! صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے۔''

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''اب آپ ﷺ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔'' [5]

اس ''رفاقت علوی'' کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں:

''انبیا علیہم السلام چوں از مقام دعوت فارغ می گردند ومتوجہ عالم بقا می

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد: ٥٩٩٩۔ [2] سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب ما یرجی من رحمة الله: ٤٢٩٧۔ [3] ابوداود، کتاب الجنائز، باب الامراض المکفرة للذنوب: ٣٠٨٩۔

[4] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور: ١١٨٨۔

[5] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ٤٤٣٦، ٤٤٦٣۔

شوند و مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام می شوو بشوق تمام ندائے الرفیق الا علیٰ برآوردہ بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ میگردند و درمراتب قرب سیر می نمایند۔'' ❶

توکل علی اللہ

توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعات عالم کے فیصلے کو خدا کے سپرد کر دے۔ اسباب وعلل کے پردے اس کے سامنے سے اٹھ جائیں اور وہ براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں نظر آئے، بظاہر اسباب وعلل گونا موافق ہوں مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرہ بھر مؤثر نہیں ہو سکتے بلکہ اصلی قوت وقدرت عالم اسباب سے ماوراء ہستی کے ہاتھ میں ہے، انسان کا استقلال، عزم، جرأت و بیباکی یہ تمام باتیں اسی ایک اصل کی پرتو ہیں اس کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمام صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی، پرخطر سے پرخطر راستوں میں بھی جبن اور ضعفِ ہمت اس کے قلب میں راہ نہیں پاتا، شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا۔

آنحضرت ﷺ کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو، لیکن آپ ﷺ کا دل کبھی اضطراب وانتشار، مایوسی وناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہ ہوا۔ نہ مکہ کی تنہائیوں میں، مصائب کے ہجوم میں دشمنوں کے نرغہ میں، حنین واُحد کے خون ریز معرکوں میں ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ ''جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ'' آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا، عجم وعرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا۔'' ایک دوسرے جواب میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''خدا مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔'' ❷ مکہ میں ایک مصیبت زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے: ''خدا کی قسم! عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے گا، اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا۔'' ❸

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی یہ تقریریں سن رہی تھیں، وہ روتی ہوئی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ان کو تسکین دی اور وضو کے لیے پانی مانگا، وضو کر کے آپ ﷺ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہو گئے جب خاص صحن حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ پر پڑی، خود بخود نگاہیں جھک گئیں۔ ❹

❶ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ مکتوب ۲۷۲ ج ۱، ص: ۳۴۱ نول کشور پریس۔

❷ یہ دونوں واقع ابن ہشام میں ہیں۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ...... ۳۵۹۵۔ ❹ مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۶۸۔

جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ شب ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن آپ ﷺ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنے عزیز قوت بازو علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا، حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے، بستر خواب نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادر کل ہستی ہے جو تختہ مقتل کو فرش گل بنا سکتی ہے، ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا: ''تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' [1]

گھر کے چاروں طرف دشمنانِ قریش محاصرہ کیے ہوئے تھے اور خیال ہو سکتا تھا کہ صبح امید کے انتظار میں مکہ کے برناو پیر عجب نہیں کوچوں اور گلیوں میں مشتاق خبر چل پھر رہے ہوں لیکن آپ ﷺ نے اذنِ الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا۔ اس وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبان مبارک پر تھیں جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے۔ آخری آیت یہ تھی:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ (۳۶/ یٰسٓ:۹)

''ہم نے ان کے آگے اور ان کے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں، ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔''

مکہ سے نکل کر آپ ﷺ نے مع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غار ثور میں پناہ لی۔ قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لیے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہو گا وہ آپ ﷺ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے کون کہہ سکتا ہے کہ اس پرخطر حالت میں کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھبرا کر عرض کی کہ ''یا رسول اللہ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔'' لیکن آپ ﷺ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا: ''ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو۔'' [2] پھر جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، فرمایا:

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ (۹/ التوبۃ:۴۰) ''غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔''

سینۂ نبوت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آ سکتا ہے۔

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمد ﷺ کو زندہ، یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا، اس کو سو اونٹ ملیں گے، سراقہ بن جعشم نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا، اور اس قدر قریب پہنچ گیا، کہ وہ آپ ﷺ کو پا سکتا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بار بار گھبرا کر ادھر دیکھ رہے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہیں دیکھا کہ

[1] ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۸۹ وطبری ج ۳، ص: ۱۲۳۲؛ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج ۲، ص: ۴۶۸۔

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ: ۳۶۵۳، ۳۹۲۲؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل ابی بکر: ۶۱۶۹۔

سراقہ کس ارادہ سے آ رہا ہے، یہاں دل پر وہی سکینت ربانی طاری تھی اور لب ہائے مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ 1

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آ کر آپ ﷺ کی زندگی ہر قسم کے خطروں سے محفوظ ہوگئی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو اسلام کو یہاں اعوان وانصار کی ایک معتدبہ تعداد مل گئی تھی، لیکن اسی کے ساتھ ان دشمنوں کا سامنا بھی تھا جو دشمنان مکہ سے زیادہ خطرناک تھے مکہ میں قریش گو آپ ﷺ کے دشمن تھے، لیکن ان میں اور رسول اللہ ﷺ میں نسبی تعلقات تھے جو کبھی کبھی کسی کو غمخواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے، لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات وہمدردی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، علاوہ بریں یہود و منافقین مدینہ اور قریش مکہ میں باہم آنحضرت ﷺ کے قتل وجلا وطنی کی سازشیں شروع ہوگئی تھیں، 2 اس بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم جان نثاری کی بنا پر آ کر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ (٥/ المآئدة: ٦٧) ''اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔''

اور آپ نے اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((ایها الناس! انصرفوا فقد عصمنی اللّٰه)) 3

''لوگو! واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔''

غزوۂ نجد سے واپسی میں آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے، دوپہر کا وقت تھا، صحابہ درختوں کے سایہ میں ادھر ادھر سو رہے تھے، آپ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما تھے۔ آپ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار اتار کر نیام سے باہر کی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعتہً آپ ہوشیار ہوئے دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے بدو نے پوچھا: ''اے محمد ﷺ! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟'' ایک پُر اطمینان صدا آئی کہ ''اللہ''! 4

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ ﷺ پر حملہ کی گھات میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو کہ یہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔'' 5 یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔ خیبر میں جس یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا اس سے دریافت کیا کہ ''تم نے یہ حرکت کیوں کی؟'' اس نے جواب دیا کہ ''آپ ﷺ کے قتل کرنے کے لیے'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا تم

1 بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ: ٣٩٠٦۔ 2 سیرت جلد اول، سلسلہ غزوات، ص: ٢٠٧ ومابعد۔ 3 جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة المائدة: ٣٠٤٦۔ 4 صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع: ٤١٣٦۔ 5 مسند ابن حنبل، ج٣، ص:٤٧١۔

کو اس پر مسلط نہ کرتا۔'' ❶

اُحد اور حنین کے معرکوں میں جب میدانِ جنگ تھوڑی دیر کے لیے جان نثاروں سے خالی ہو گیا تھا آپ ﷺ کا استقلال توکل علی اللہ و سکینت روحانی کی معجزانہ مثال ہے۔ یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یک رخی تصویر ہے اس مرقع کا دوسرا رخ بھی کچھ اس سے کم مؤثر نہیں ہے۔ آپ ﷺ پر فقر و غنا کے مختلف دور گزرے کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے اٹھا رکھا جائے لیکن تمام عمر آپ ﷺ کا طرزِ عمل اس کے خلاف رہا کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اٹھا کر نہیں رکھی گئی ضروری اور بقدرِ کفالت اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہل استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا، ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ ﷺ کان لا ید خر لغد۔ ❷

''آنحضرت ﷺ کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر نہیں رکھتے تھے۔''

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوتی تھی، ❸ بلکہ آپ ﷺ اس وقت تک گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہاں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ❹ اس قسم کے متعدد واقعات جود و سخا کے عنوان میں مذکور ہیں۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے آپ ﷺ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، وہ پڑی ہوں گی، اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا، ارشاد ہوا کہ ''عائشہ! کیا محمد (ﷺ) خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ پہلے ان کو خیرات کر دو۔'' ❺

صبر و شکر

رنج و غم کے متعاقب اور توام دور کس کی زندگی میں نہیں آتے لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کر لے اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے کامیابی و ناکامی دونوں کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

❶ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السم: ۵۷۰۵۔ ❷ ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجآء فی معیشۃ النبی ﷺ: ۲۳۶۲۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من صلی بالناس فذکر حاجتہ فتخطاھم: ۸۱۵، ۱۲۲۱ ومسند احمد، ج۶، ص: ۲۹۳۔ ❹ ابو داود، کتاب الخراج والامارۃ، باب قبول ھدایا المشرکین: ۳۰۵۵۔ ❺ مسند احمد، ج۶، ص:۴۹ وابن سعد جزء الوفاۃ، جز ثانی قسم ثانی، ص:۳۳۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡـرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰ لِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۚ لِّـكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ ۙ﴾ (۵۷/ الحدید:۲۲۔۲۳)

''جتنی مصیبتیں زمین پر اور خودتم پر نازل ہوتی تھیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضا میں لکھ لی گئی ہیں، یہ بات خدا کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے کیا گیا، تا کہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔''

رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ تاہم آپ ﷺ کے آئینہ دل میں کبھی فخر وغرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انا سید ولد آدم ولا فخر)) ''میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔'' عدی بن حاتم طائی نے جو مذہبًا عیسائی تھے آپ ﷺ کے جو حالات سنے تھے ان کی بنا پر ان کو یہ شک تھا کہ آپ ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہِ اقدس میں آئی اور مجمع سے ذرا ہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہیں، بادشاہ نہیں۔ [1]

مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور وناز سے بلند ہو جاتا ہے لیکن مکہ وخیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر توقف کیا۔

ان رسول اللّٰہ ﷺ لما انتھی الی ذی طوی وقف علی راحلتہ لیضع رأسہ تواضعًا للّٰہ حین رای ماا کرمہ اللّٰہ بہ من الفتح حتی ان عثنونہ لیکاد یمس واسطۃ الرحل۔ [2]

''جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا، تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں پھر یہاں تک آپ جھکے کہ آپ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔''

آنحضرت ﷺ کثرت سے عبادت اور تسبیح وتہلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

[1] سیرت ابن ھشام، ج۲، ص:۳۷۵۔ [2] سیرت ابن ھشام ذکر فتح مکہ، ج۲، ص:۲۶۹۔

یارسول اللہ! خدا تو آپ ﷺ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا اب آپ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں ارشاد ہوا:

((افلا اکون عبدا شکورا))۔ ❶ ''کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

یعنی اگر یہ تعبد و تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گزاری اور احسان مندی کے اعتراف میں ہے۔

دنیا کے اعاظم رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو، اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب وداب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن مقربینِ الٰہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک و کفر کے ہم پایہ ہے ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر خود قادرِ کل کا دستِ غیر مرئی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے حدیث میں ہے: ❷

انه كان اذا جاءه امر سرور او بشر به خرّ سا جدًا شاكرًا لله تعالى۔

''آنحضرت ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔''

قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے سجدۂ شکر ادا کیا ❸ اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ فوراً سجدۂ الٰہی بجالائے۔ ❹ وحی کے ذریعہ سے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا، تو اس رفعِ منزلت پر آپ ﷺ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ ❺

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام عزورا کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک بارگاہِ الٰہی میں دعا کی پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے۔ پھر سر اٹھا کر بدستور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ میں رہے پھر اُٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی، اس دعا و سجود سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، میں شکر کے لیے سجدہ میں گرا پھر مزید درخواست کی اس نے وہ بھی قبول کی، میں سجدۂ شکر بجالایا اور پھر دعا وزاری کی۔ اس نے اس کو بھی درجۂ استجابت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔'' ❻

سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسی وصف کو نمایاں فرمایا ہے:

﴿وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۗ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۗ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی ﷺ اللیل: ۱۱۳۰۔ ❷ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی سجود الشکر: ۲۷۷٤۔ ❸ زاد المعاد بحواله بیهقی بسند علی شرط البخاری، ج ۱، ص: ۹۷۔

❹ زاد المعاد مذکور بحواله ابن ماجه۔ ❺ مسند احمد عن عبدالرحمٰن بن عوف، ج ۱، ص: ۱۹۱۔

❻ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی السجود الشکر: ۲۷۷۵۔

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝﴾ (۹۳/ الضحیٰ: ۱ تا ۱۱)

''(اے پیغمبر)! دن کے پہلے پہر کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈال دے کہ تیرے پروردگار نے نہ تو تجھ کو چھوڑا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا یقیناً تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے، وہ تجھ کو وہ کچھ دے گا جس سے تو خوش ہو جائے گا، کیا اس نے تجھ کو یتیم نہیں پایا تو اپنی پناہ میں لے لیا، اور تجھ کو راہ حق کا جویاں پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھا دی اور تجھ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا تو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا۔''

آپ ﷺ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپ ﷺ عمر بھر کیونکر اس ارشاد ربانی کی تعمیل کرتے رہے۔

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور آپ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ''یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟'' ارشاد ہوا کہ ''پیغمبروں پر، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر'' [1] واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں آپ سرورِ انبیا تھے اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپ کے دوش مبارک پر تھا اسی لیے قرآن مجید میں بار بار آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۂ احقاف میں ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (٤٦/ الاحقاف: ٣٥)

''(اے پیغمبر)! جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔''

آپ ﷺ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا۔ عہد طفولیت میں تھے کہ سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جن کی نگاہ لطف زخم یتیمی کا مرہم تھی، وفات پائی، نبوت کے بعد ابو طالب نے جو قریش کے ظلم وستم کی سپر تھے، مفارقت کی، محرم اسرار ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو اس ہجومِ مصائب میں آپ کی تنہا مونس وغم خوار تھیں، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ میں آپ ﷺ سے علیحدہ کر دیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے جس کی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہیں ہوتا آپ ﷺ کی اولاد ذکور حسبِ اختلافِ روایت کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی، لڑکیوں کی تعداد چار تھی لیکن ایک (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی میں آپ ﷺ کی

[1] سنن ابن ماجه، ابواب الفتن، باب الصبر على البلاء: ۴۰۲۳۔

نگاہوں کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپ ﷺ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مہر لگی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبان مبارک سے ایسا نہیں نکلا جس سے کارکنان قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو۔

آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپ ﷺ نے خود بہ نفس نفیس ہدایات دیں۔ جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ (ابن عم) دونوں آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے۔ غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آلود ہو گئی، [1] لیکن اسی اثنا میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے منع کر بھیجا، آپ کا ایک نواسہ جس سے آپ ﷺ کو محبت تھی، مبتلائے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بلا بھیجا لیکن آپ ﷺ نے اس کے جواب میں سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا:

((ان للّٰہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل عندہ باجل مسمی فلتصبر و لتحتسب)) [2]

"اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے، اس کا ہر کام وقت مقررہ پر ہوتا ہے، صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو۔"

صاحبزادی نے دوبارہ بہ اصرار بلایا۔ آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے بچہ آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا گیا وہ دم توڑ رہا تھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے" فرمایا: "یہ جذبہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے، خدا اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔" [3]

ایک بار آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لائے اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا: "انتقال کر گئے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ" آپ ﷺ رو پڑے تو آپ کو روتے دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رو پڑے آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کرتا لیکن (زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہے۔" [4] حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جب آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک محبت جاری ہوئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا بات ہے" فرمایا: "یہ رحمت و شفقت ہے۔" حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دوبارہ گزارش کی، ارشاد ہوا: [5]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۲۹۹، ۱۳۰۵ دیکھو۔ [2] بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت...... الخ: ۱۲۸۴۔ [3] ایضاً۔ [4] بخاری، کتاب الجنائز، باب البکاء عند المریض: ۱۳۰۴۔ [5] ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری، کتاب الجنائز دیکھو۔

((ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا مايرضي ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون)) [1]

”آنکھ اشک ریز ہے، دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق میں بہت غمگین ہیں۔“

بہرحال یہ واقعات آنی ہیں یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب وحوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانۂ صبر لبریز نہ ہونے پائے۔ سخت مشکل ہے ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طائف اور مکہ کے اشقیاء نے دعوت حق کا جس تحقیر واستہزاء، سب وشتم، تعذیب وایذارسانی کے ساتھ جواب دیا، اس کے دہرانے کی حاجت نہیں۔ مدینہ منورہ میں آٹھ نو برس تک جن خونی معرکوں کا ہمیشہ سامنا رہا اور دشمنوں نے آپ کی جلاوطنی وقتل وشکست کے جو جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن ان تمام تیروں کی بوچھاڑ صبر کے سوا آپ ﷺ نے کس سپر پر روکی؟

اس سے بھی زیادہ مشکل ان واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہوں، فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ اربابِ حاجت اور فقرا میں لٹ چکا ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر خود آپ ﷺ اور تمام اہل بیت کی زندگی اکثر فقر وفاقہ میں گزرتی تھی۔ جسم مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوانِ نعمت کی خوشگواری اور لباس ہائے فاخرہ کی مسرت سے کہیں زیادہ تھی۔ لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اس تیر کا نشانہ ہے جو دشمنوں کے نہیں بلکہ دوستوں کے ہاتھ سے لگایا جائے، دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانوں نے آپ ﷺ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا اعتراض کیا اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غنائمِ حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا، حق تو ہمارا تھا، آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی۔ فرمایا:

((رحمة الله على موسىٰ قد اوذى اكثر من ذالك فصبر)) [2]

”موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستوں کی طرف سے) ستائے گئے ہیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔“

---

[1] بخاري، كتاب الجنائز، باب انابك لمحزونون: ۱۳۰۳۔

[2] بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة حنين: ٤٣٣٥۔

اخلاقِ نبوی ﷺ

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (۶۸/ القلم:۴)

حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آ کر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے، تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف، اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا، تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح علیہ السلام کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلحِ اعظم (بودھ) عملاً خود کیا تھا؟ کوہِ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیح علیہ السلام) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زریں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ [1] لیکن مکہ کا معلم اُمّی پکار کر کہتا:

﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (۶۱/ الصف:۲)

”جو نہیں کرتے، وہ کہتے کیوں ہو۔“

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمعِ عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا، بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز داں ہوسکتا ہے، چند صاحبوں نے آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ حضرت ﷺ کے اخلاق بیان کیجیے، انہوں نے پوچھا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ان خلق رسول اللہ ﷺ کان القران۔ ”آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔“ [2]

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے، قرآن مجید لاکھوں مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (۶۸/ القلم:۴)

”اے محمد! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔“

بے درد نکتہ چیں آج تیرہ سو برس کے بعد آپ ﷺ کو سنگ دل کہتے ہیں، لیکن اس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

(۳/ آل عمران:۱۵۹)

”خدا کی عنایت سے تم ان سے بہ نرمی پیش آتے ہو، اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو

---

[1] اس عبارت میں اہل کتاب اور دیگر اقوام و مذاہب کے صحیفوں میں انبیا اور بزرگوں کے جو احوال مذکور ہیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی تفسیر کے لیے سیرۃ النبی ﷺ جلد ۱ عنوان ”پیغمبروں پر آنحضرت کی فضیلت حاشیہ ص:۲،۳ دیکھنا چاہیے۔“ض“ [طبع ہٰذا ج ۱ ص: ۲۳،۳۱]

[2] ابوداود، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ اللیل:۱۳۴۲۔

یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے۔‘‘

دوسری جگہ کہتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (۹/ التوبۃ:۱۲۸)

’’تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا، اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔‘‘

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دے دیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے۔

اخلاق نبوی ﷺ کا جامع بیان

اس سے پہلے کہ حضور انور ﷺ کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہوسکتا ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانۂ آغاز وحی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں ’’ہرگز نہیں، خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔‘‘ [1]

امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں: آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے [2] آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا، تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپ ﷺ اس سے بہت دور ہوتے، آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا، [3] (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکامِ ربانی آپ اس پر حد جاری

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳۔

[2] جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی خلق النبی ﷺ: ۲۰۱۶ وشمائل ترمذی: ۳۴۶۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا...... ۶۱۲۶ ومسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدتہ للآثام...... ۶۰۴۵ وابوداود کتاب الادب، باب التجاوز فی الامر: ۴۷۸۵۔

فرماتے تھے) آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، ❶ آپ ﷺ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو، ❷ آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، ❸ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔ ❹

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا: آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپ کلام کرتے صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جب آپ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ ❺ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعتہً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا

---

❶ یہ تفصیل مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ مسلم: ٦٠٥٠؛ ابن ماجه: ١٩٨٤؛ شمائل ترمذی: ٣٤٧۔ ❷ مستدرك حاكم به سند متصل، كتاب التاريخ ذكر خلق رسول الله ﷺ، ج٢، ص: ٦١٣، ٦١٤ اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم: ٢٠٢٨ میں بھی ہیں۔ ❸ ابن سعد جزء اوّل، قسم ثانی، ص: ٩١، ٩٩۔ ❹ صحیح بخاری: ٣٥٦٨؛ صحیح مسلم: ٦٣٩٩؛ ابوداود: ٣٦٥٥۔

❺ یہ پوری تفصیل شمائل ترمذی بیانِ اخلاق: ٣٥٠ میں ہے۔

جاتا، آپ سے محبت کرنے لگتا۔ [1]

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت ﷺ کے آغوش پروردہ تھے وہ بیان کرتے ہیں [2] کہ آپ ﷺ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ ﷺ کو غصہ آجاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔

مداومت عمل

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے، انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کرسکتی ہے اور وہ فطرۃً اسی پر مجبور ہے، آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے، اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہوسکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے، وہ روشنی کی علت نہیں، درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں، حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے ایک سر مو تجاوز نہیں کرسکتا، لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی، اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں، وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلّف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔ لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے، اس کی اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل، پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں، اس کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا، اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت وہ فعل ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ ﷺ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابلِ انکار مثالیں ہیں،

---

[1] یہ ٹکڑا شمائل ترمذی بیان حلیہ مبارک: ۷، ص: ۳۵ میں ہے۔

[2] شمائل ترمذی: ٢٤٦ تا ٣٥٠ میں اسی مفہوم کی روایات ہیں۔

آپ ﷺ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمران میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا، ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کسی خاص دن یہ کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا لا کان عمله دیمة۔ آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی، اس طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ ﷺ نے اختیار کر لی، ہمیشہ اس کی پابندی کی، پھر فرمایا: وایکم یستطیع ما کان النبی ﷺ یستطیع۔ ''آنحضرت ﷺ جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے؟'' ❶

دوسری روایت میں ہے:

وکان اذا عمل عملاً اثبته۔ ❷

''جب آنحضرت ﷺ کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔''

اس لیے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے:

ان احبّ العمل الی الله ادومه۔ ❸

''خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔''

آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہیں کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سست ہوا تو بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔ ❹

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپ ﷺ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ ﷺ نے مسکرا نہ دیا ہو۔ ❺

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ ﷺ نے مقرر کر لیا تھا اس میں کبھی تخلف نہ ہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہیں آیا اور اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔

حسنِ خلق

حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل: ٦٤٦٦۔ ❷ ابو داود، کتاب التطوع، باب مایؤمر به من القصد فی الصلوٰة: ١٣٦٨۔ ❸ بخاری: ٤٣؛ مسلم: ١٨٢٧ تا ١٨٣٤؛ ابو داود: ١٣٦٨۔ ❹ ابو داود، کتاب التطوع، باب قیام اللیل: ١٣٠٧۔

❺ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جریر بن عبدالله: ٦٣٦٣۔

تھے، آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے، مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ ❶

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمت اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈال دیں، تا کہ متبرک ہو جائے، جاڑوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔ ❷

ایک دفعہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ قیس رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا، کہ آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب جائیں، آنحضرت ﷺ نے قیس سے کہا: ''تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو۔'' انہوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یا سوار ہو لو، یا گھر واپس جاؤ۔'' وہ واپس چلے آئے۔ ❸

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی، آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے، ارشاد ہوا: ''ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کرنی چاہتا ہوں۔'' ❹

عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اصحاب بدر میں تھے، ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اس جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا۔ اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: ''کہاں نماز پڑھوں؟'' انہوں نے جگہ بتا دی آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا، خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے، قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں، وہ سامنے آیا، محلّہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا: مالک بن دُخشُن نظر نہیں آتے، ایک نے کہا وہ منافق ہے، ارشاد فرمایا: ''یہ نہ کہو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔'' لوگوں نے کہا: ہاں ان کا میلان منافقین کی طرف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس پر

❶ ترمذی، ابواب صفة القیامة، باب تواضعه مع جلیسه: ۲٤۹۰؛ ابو داود: ٤۷۹٤؛ ابن ماجه: ۳۷۱٦۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی قرب النبی ﷺ من الناس: ٦۰٤۲۔

❸ ابوداود، کتاب الادب، باب کم مرة یسلم الرجل: ۵۱۸۵۔

❹ شرح شفاء قاضی عیاض، ج ۲، ص: ۱۰۰ مطبعه عثمانیه: ۱۳۱۲ھ بحواله دلائل بیهقی جلد اخلاق۔

آ گ کو حرام کر دیتا ہے۔'' ❶

(ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت ﷺ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر مہمان رہے تھے، دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتاری گئی تھی، مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ شامل تھے، گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا تھا، دودھ دوھ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپ کے لئے پیالہ میں چھوڑ دیتے، ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی، لوگ دودھ پی کر سو رہے۔ آپ نے آ کر دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے، پھر فرمایا: ''خدایا، جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا۔'' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں، آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دوھ کر جو کچھ نکلا اسی کو پی کر سو رہے ❷ اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی)۔ ابوشعیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری تھے، ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت اقدس میں آئے، آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، کھانا تیار ہو چکا تو آ کر آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں، کل پانچ آدمی تھے، راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا، آنحضرت ﷺ نے ابوشعیب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے، ورنہ رخصت کر دیا جائے۔'' انہوں نے کہا: آپ ان کو بھی ساتھ لائیں۔ ❸

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے، یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا: ''آؤ سوار ہو لو۔'' انہوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں، آنحضرت ﷺ نے دوبارہ کہا، اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا، آنحضرت ﷺ اتر پڑے اور یہ سوار ہوئے۔ ❹ مجالس صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے، اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے جب نکاح ہوا، اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے، اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی مجلس میں شریک تھیں، آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے، لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا، آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ تک گئے واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔ پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری۔ ❺

---

❶ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد فی البیوت: ٤٢٥۔ ❷ مسند احمد، ج ٦، ص: ٤۔
❸ بخاری، کتاب الاطعمة، باب الرجل یدعی الی الطعام: ٥٤٦١۔ ❹ نسائی، کتاب الاستعاذۃ: ٥٤٣٩۔
❺ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: لا تدخلوا بیوت النبی...... : ٤٧٩١، ٤٧٩٢۔

غزوۂ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آ گیا، حسب دستور ٹھہر گئے، مؤذن نے اذان دی، ابومحذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی، ابومحذورہ خوش لحن تھے، ان کی آواز پسند آئی، سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی، پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا: ''جاؤ اس طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔'' ❶

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بچپن میں مَیں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے، آپ ﷺ نے پوچھا: ''ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟'' میں نے کہا: کھجوروں کے لیے، ارشاد فرمایا: ''زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو۔'' یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ ❷

عباد بن شرحبیل مدینہ میں ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن میں رکھ لیے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو مارا اور کپڑے اتروا لیے، یہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے، مدعا علیہ بھی ساتھ تھا، آپ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا، یہ بھوکا تھا، اس کو کھانا کھلانا تھا۔'' یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔ ❸

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے، آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے، تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، اس پر آیت اتری کہ اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے، اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں، یہودیوں نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں، رخسارۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا، دونوں صاحب چلے گئے، آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں اس وقت ان کو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے۔ ❹

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے کچھ نہ فرمایا، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا: ''ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔'' ❺

---

❶ دار قطنی، ۱/ ۲۳۳: ۸۹۰۔ ❷ ابوداود، کتاب الجهاد، باب من قال انه یاکل مما سقط: ۲۶۲۲۔

❸ ایضًا: ۲۶۲۰۔ ❹ ابوداود، کتاب الطهارة، باب مواکلة الحائض: ۲۵۸۔

❺ ابوداود، کتاب الادب، باب فی حسن العشرة: ۴۷۸۹۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا آنے دو، وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔'' لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تعجب ہوا اور آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے، جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔'' [1] یہود جس درجہ شقی اور دشمن اسلام تھے، اس کا اندازہ گزشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، بااین ہمہ آنحضرت ﷺ ان سنگ دلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور ان سے داد و ستد رکھتے، سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے: ''اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔'' [2]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا اس پر پورا سال گزر گیا، بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بار بھی پھل کم آئے، میں نے آیندہ فصل کی مہلت مانگی، اس نے انکار کیا، میں نے آنحضرت سے آکر تمام واقعات بیان کیے، آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو، اس نے کہا: ابوالقاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔ آپ ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا، بالآخر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''چبوترہ پر (جو مسقّف تھا) فرش بچھا دو۔'' اس پر آرام فرمایا اور سو گئے، سو کر اٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دے دو، اس شقی نے اب بھی نہ مانا، آپ درختوں کے جھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر سے کہا: ''کھجوریں توڑنی شروع کر۔'' آنحضرت ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہیں۔ [3]

مجلسِ نبوی میں جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے، ایک دفعہ مقام جعرانہ میں آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ کے پاس چلی گئی، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی، راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی؟ تو لوگوں نے کہا: یہ حضور ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب: ٦٠٣٢ وابوداود، کتاب الادب، باب حسن العشرۃ: ٤٧٩١۔

[2] الادب المفرد امام بخاری، باب سباب المسلم فسوق: ٤٣٥۔ [3] بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الرطب والتمر: ٥٤٤٣۔ [4] ابوداود، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین: ٥١٤٤۔

اس طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آئے، آپ نے ان کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا، پھر رضاعی ماں آئیں، آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا، آخر میں رضاعی بھائی آئے، تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔ [2] حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو آپ نے ان کو گلے لگا لیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ [3] سلام میں پیش دستی فرماتے، راستہ میں جب چلتے تو مرد، عورتیں بچے جو سامنے آتے ان کو سلام کرتے [4] ایک دفعہ آپ ﷺ راستہ سے گزر رہے تھے ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے، آپ نے سب کو سلام کیا۔ [5] کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے یہ طریقۂ ابہام اس لئے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آ جائے۔

حسن معاملہ

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ ﷺ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کی ہاں گروی تھی، لیکن ہر حال میں حسنِ معاملہ کا سخت اہتمام تھا، مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ قرض لیا کرتے، یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے تھے، آپ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ ﷺ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انہوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے، اسی لیے قریش نے متفقاً آپ کو امین کا خطاب دیا تھا، نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے، تاہم ان کی دولت کے لیے مامون مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا، عرب میں سائب رضی اللہ عنہ نام کے ایک تاجر تھے، وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ سے ان کا تعارف کرایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔'' سائب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ فدا، آپ میرے ساجھی تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ [6]

---

[1] ابوداود، كتاب الادب، باب في برالوالدين: ٥١٤٥۔ [2] ابوداود، كتاب الادب، باب في المعانقة: ٥٢١٤۔ [3] ابوداود، باب في قبلة ما بين العينين: ٥٢٢٠۔ [4] بخاري، كتاب الاستئذان، باب التسليم على الصبيان: ٦٢٤٧، ٦٢٤٨ وابوداود، كتاب الادب، باب في السلام على الصبيان، ٥٢٠٢، ٥٢٠٣ السلام على النسآء: ٥٢٠٤۔ [5] بخاري، كتاب الاستئذان، باب التسليم في مجلس فيه: ٦٢٥٤۔

[6] ابوداود، كتاب الادب، باب في كراهية المراء: ٤٨٣٦۔

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔ چند روز کے بعد وہ تقاضا کو آیا آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کردیں، انصاری نے کھجوریں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں، اس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہاں رسول اللہ ﷺ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور فرمایا: ''یہ بالکل سچ ہے۔'' ❶

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت ﷺ پر تھا، بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں، اس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے تو کس سے ہم کلام ہے؟ بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں، آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: ''تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ اس کا حق ہے۔'' (قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے) اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا قرض ادا کردینے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا۔ ❷

ایک غزوہ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہم رکاب تھے، ان کی سواری میں جو اونٹ تھا سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا، آپ نے اونٹ ان سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دے دیا کہ دونوں تمہارے ہیں۔ ❸

یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو۔'' انہوں نے دی، آپ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے، مدینہ پہنچ کر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قیمت طلب کی، آپ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو۔'' چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔ ❹

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہیں ہے، اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہ سے فرماتے: ''جنازہ کی نماز پڑھا دو، خود شریک نہ ہوتے۔'' ❺

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا: ''سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔'' ❻

---

❶ طبرانی الاوسط: ۵۰۲۹۔ ❷ ابن ماجہ، ابواب الصدقات، باب لصاحب الحق سلطان: ۲۴۲۵، ۲۴۲۶۔

❸ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء الدواب: ۲۰۹۷۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا وکل رجل رجلا ان یعطی شیئا: ۲۳۰۹، روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ قیمتاً نہیں بلکہ ہدیتاً یہ اونٹ حضور ﷺ کی نذر کرنا چاہتے تھے، اور مدینہ پہنچ کر انہوں نے خود سے قیمت بھی طلب نہیں کی بلکہ حضور ﷺ نے ازخود حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ ''ض'' ❺ صحیح بخاری، کتاب الکفالۃ، باب الدین: ۲۲۹۸۔

❻ ترمذی، ابواب البیوع، باب استقراض البعیر: ۱۳۱۸۔

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سوئے اتفاق سے وہ گم گیا تو اس کا تاوان ادا فرمایا۔ ❶

عموماً فرمایا کرتے تھے: ''میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا، بجز اس دینار کے جن کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔'' ❷

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں، آپ نے ایک وسق چھوہاروں پر گوشت چکا لیا، گھر میں آ کر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے، باہر تشریف لا کر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں، اس نے واویلا مچایا کہ ہائے بد دیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ بد دیانتی کریں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو، اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا، اس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگوں نے پھر روکا، آپ نے فرمایا اس کو کہنے دو اس کو کہنے کا حق ہے اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے، اس کے بعد آپ نے ایک انصاریہ کے ہاں اس کو بھجوا دیا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے، جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپ کے حلم وعفو اور حسنِ معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا: محمد! تم کو خدا جزائے خیر دے تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔ ❸

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش تھا، ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا، اتفاقاً ادھر سے آپ کا گزر ہوا، آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتائی بے مول تول کئے آنحضرت ﷺ نے وہی قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے، بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اس نے کہا: ''مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا'' یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔ ❹

غزوۂ حنین میں آپ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ صفوان اس وقت تک کافر تھے، ان کے پاس بہت سی زرہیں تھیں، آپ نے ان سے کچھ زرہیں طلب کیں انہوں نے کہا محمد! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ فرمایا: ''نہیں میں عاریۃً مانگتا ہوں اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دوں گا۔'' چنانچہ انہوں نے تیس چالیس زرہیں مسلمانوں کو عاریۃً دیں، حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ و دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہیں کم نکلیں، آپ ﷺ نے صفوان سے کہا: ''تمہاری چند زرہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لے لو۔''

---

❶ ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی من یکسر له الشيء: ۱۳۶۰۔

❷ بخاری، کتاب الاستقراض، باب اداء الدیون: ۲۳۸۸، ۲۳۸۹۔ ❸ مسند احمد، ج ۶، ص: ۲۶۸۔

❹ دار قطنی، کتاب البیوع: ۳/ ۴۳، رقم: ۲۹۵۷۔

صفوان نے عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! میرے دل کی حالت اب پہلے جیسی نہیں۔'' [1] یعنی مسلمان ہو گیا، اب معاوضہ کی حاجت نہیں۔

عدل وانصاف

کوئی شخص گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل وانصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے۔ آنحضرت ﷺ کو عرب کے سینکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا۔ ان سب مشکلات اور پیچیدگیوں پر بھی عدل وانصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پایا۔ فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ صخر ایک رئیس تھے ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہو گئے۔ صخر نے بارگاہ نبوت میں اطلاع کی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد بنوسلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے۔ صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا: ''جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لیے ان کو چشمہ دے دو۔'' صخر کو منظور کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر شرم سے سرخی آ گئی [2] کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا ان کو کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی، چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب خاص تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجیے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی، آپ ﷺ نے غضب آلود ہو کر فرمایا: ''بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امرا سے درگزر کرتے تھے۔'' [3]

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے۔ محیصہ ان کے چچیرے بھائی بھی ساتھ تھے عبداللہ گلی میں جا رہے تھے

[1] ابوداود، کتاب البیوع، باب تضمین العاریة: ۳۵۶۳۔

[2] ابوداود، کتاب الخراج والامارة، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۷۔

[3] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۴۷۵۔

کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڑھے میں ڈال دی، محیصہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر استغاثہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا'' بولے: میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا آپ نے فرمایا: ''تو یہود سے حلف لیا جائے؟'' بولے: ''حضرت! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔'' خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی یہ یقینی تھا کہ یہودیوں نے ہی عبداللہ بن سہل کو قتل کیا ہے، تاہم چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے یہود سے تعرض نہیں فرمایا اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔ [1]

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا، تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور سلام علیک کی، ہم نے سلام کا جواب دیا ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا اس کی قیمت پوچھی، ہم نے جواب دیا اتنی کھجوریں، انہوں نے کچھ مول تول نہیں کیا، اور وہی قیمت منظور کر لی، پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے نظروں سے اوجھل ہو گئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ ان کو پہچانتے نہیں۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا، محمل نشین خاتون نے کہا: مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن نہیں دیکھا (یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لیے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں۔ دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ میں آئے، آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا: یا رسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اس کے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔'' [2]

سرق رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، انہوں نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا، لیکن قیمت نہ ادا ہو سکی، بدو ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قیمت ادا کر دو، انہوں نے ناداری کا عذر کیا، آپ ﷺ نے بدو سے کہا: ''بازار میں لے جا کر ان کو فروخت کر لو۔'' بدو ان کو بازار میں لے گیا، ایک صاحب نے دام دے کر بدو سے خریدا اور آزاد کر دیا۔ [3]

ابو حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت ﷺ خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے۔ ابو حدرد نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا قرض ادا کر دو۔'' انہوں نے عذر کیا، آپ نے پھر فرمایا، انہوں نے پھر یہی

---

[1] یہ واقعہ بخاری، کتاب الدیات، باب القسامة: ٦٨٩٨ ونسائی، کتاب القسامة، باب تبدئة اهل الدم فی القسامة: ٤٧١٤ وغیرہ میں باختلاف روایات مذکور ہے۔ [2] دار قطنی، کتاب البیوع: ٣/ ٤٣، رقم: ٢٩٥٧۔

[3] دار قطنی، کتاب البیوع: ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٠٧۔

جواب دیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ! غزوۂ خیبر قریب ہے، شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے، تو میں اس کو ادا کردوں، آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا، اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔ ❶

اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات آپ ﷺ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے ❷ اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے اسلام سے پہلے یہودیان بنونضیر وقریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا تھا لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فوراً تورات کے آئین کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کردیا۔ ❸

عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے لوگوں کا گردوپیش ہجوم تھا، ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ ﷺ پر لد گیا، دست مبارک میں پتلی لکڑی تھی آپ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آ گئی فرمایا: ''مجھ سے انتقام لے لو۔'' اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے معاف کردیا۔ ❹ مرض الموت میں آپ نے عام مجمع میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیے گئے۔ ❺

جود وسخا

جود وسخا آپ ﷺ کی فطرت تھی (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے ❻ تمام عمر کسی کے سوال پر ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔ ❼

((انما انا قاسم وخازن واللّٰہ یعطی)) ❽

---

❶ مسند احمد، ج ۳، ص: ۴۲۳۔ ❷ ابوداود، کتاب الحدود، باب فی رجم الیھودیین: ۴۴۴۶، ۴۴۴۹۔ ❸ ابوداود، کتاب الدیات، باب النفس بالنفس: ۴۴۹۴۔
❹ ابوداود، کتاب الدیات، باب القود من الضربۃ: ۴۵۳۶۔ ❺ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام، طبقات ابن سعد جزء ثانی، قسم ثانی، ص: ۴۵۔ ❻ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۶۔
❼ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق: ۶۰۳۴۔
❽ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قولہ تعالیٰ: فان للہ خمسہ: ۳۱۱۶۔۳۱۱۷۔

''میں تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دیتا اللہ ہے۔''

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔ ❶

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میرے ساتھ آؤ۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے عرض کی کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ ﷺ پر کیا ذمہ داری ہے ایک اور صاحب حاضر تھے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ دیئے جایئے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریئے وہ آپ کو محتاج نہ کرے گا آپ فرط بشاشت سے مسکرا دیے۔ ❷

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر آپ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے، چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔ ❸

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے، قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اس کو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسی وقت اس کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دے دیا۔ ❹ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے۔ ❺

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو شریک فرما لیتے۔ کسی غزوہ میں ۱۳۰ صحابہ رضی اللہ عنہم ہمراہ تھے آپ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا۔ ❻ جو چیز آنحضرت ﷺ کے پاس آتی جب تک صرف نہ ہو جاتی آپ کو چین نہ آتا۔ بے قراری سی رہتی، ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا: ''کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔'' ❼

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخائہ: ۶۰۲۰۔ ❷ شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خُلُق رسول اللہ ﷺ: ۳۵٤۔ ❸ ادب المفرد، باب سخاوة النفس: ۲۷۸۔

❹ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئا فوھب من ساعته: ۲۱۱۵۔

❺ بخاری، باب شراء الدواب: ۲۰۹۷۔ ❻ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اکرام الضیف: ٥۳٦٤۔

❼ مسند احمد، ج ٦، ص: ۲۹۳۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لیے چھوڑ دوں۔'' [1]

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے۔ رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی میں بھیجا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر اطلاع کی، آپ ﷺ نے پوچھا: ''کچھ بچ تو نہیں رہا۔'' بولے: ہاں کچھ بچ بھی رہا، فرمایا: ''جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا۔'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کیا کروں کوئی سائل نہیں، آنحضرت ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا: یارسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ [2]

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔'' [3]

غزوۂ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت ﷺ اس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے، راہ میں بدوؤں کو خبر لگی کہ ادھر سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہونے والا ہے، آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو، آپ اژدہام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے، انہوں نے ردائے مبارک تھام لی، بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر اتر کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی۔ فیاض عالم نے کہا: ''میری چادر دے دو، خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے، تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے، نہ دروغ گو، نہ نامرد۔'' [4]

لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کر دوں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، [5] مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ایک دفعہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے، ایک بدو آیا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا: ''محمد! یہ مال

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب اداء الدیون: ۲۳۸۸، ۲۳۸۹۔ [2] ابوداود، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین: ۳۰۵۵۔ [3] صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، تفکر الرجل الشيء فی الصلوۃ: ۱۲۲۱۔ [4] صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب الشجاعۃ فی الحرب: ۲۸۲۱۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب الصلوۃ علی من ترك دینا: ۲۳۹۸، ۲۳۹۹۔

نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے، ایک بار شتر دے۔'' آپ ﷺ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ ❶

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دار الاسلام میں نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد میں ڈلوا دو۔ اس کے بعد جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو اس پر مڑ کر بھی نظر نہ ڈالی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کی، جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہیں سکتے تھے اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ❷

اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ آپ کا اسی قسم کا ایک غلام مر گیا، لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپ کے پاس لائے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہاں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو۔'' ❸

ایک دفعہ چند انصار نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ نے دے دیا، پھر مانگا، پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ نہیں رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی، فرمایا: ''میرے پاس جو کچھ ہو، میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔'' ❹

ایثار

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا، وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی، اور ان میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ بٹھاتے، تاہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں، جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ

---

❶ ابوداود، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ: ۴۷۷۵۔ روایت میں ہے کہ بدو کے ساتھ دو اونٹ تھے اور آپ نے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لدوا دیں۔ ''ض'' ❷ صحیح بخاری، کتاب الجزیة، باب ما اقطع النبی ﷺ من البحرین: ۳۱۶۵۔ ❸ مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۷۵۔
❹ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلة: ۱۴۶۹۔

نہیں کرسکتا۔'' [1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس وتنگدستی کی شکایت کرکے عرض کی کہ اب کے غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں، ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔'' [2] ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی امر کی درخواست کی، فرمایا: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور اہلِ صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹتے پھریں۔'' [3]

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لاکر پیش کی۔ آپ ﷺ کو ضرورت تھی، آپ نے لے لی، ایک صاحب حاضر خدمت تھے، انہوں نے کہا: کیا اچھی چادر ہے۔ آپ نے اتار کر ان کو دے دی، جب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے، انہوں نے کہا: ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لیے لی ہے کہ مجھ کو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔ [4]

زہد وقناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں، ان سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کس عسرت اور تنگ دستی میں بسر فرماتے تھے۔ ۳ھ کے بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے۔ عرب میں باغات سب سے بہتر جائیداد تھی۔ ۳ھ [5] میں یہودیان بنونضیر میں سے مخیریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مشیب، صافقہ، دلال، حسینی، برقہ، اعواف، مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت ﷺ کو وصیت کردیئے۔ آپ نے سب کو خیرات کردیا یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ غربا اور مساکین کو دے دیا جاتا تھا۔ [6]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے شادی کی، سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جاکر لے آئے، حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ [7] ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔ رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ ﷺ نے اس کی نذر کردیا۔ یہ تمام رات خانۂ نبوی میں فاقہ سے گزری حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔ [8]

---

[1] یہ روایت کتب احادیث (سنن ابو داود، کتاب الخراج والامارة، باب بیان مواضع قسم الخمس: ۲۹۸۸) وغیرہ میں مختلف طریقوں سے مروی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک دعا بتادی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے: (۵۰۶۲، ۵۰۶۳)۔ [2] ایضاً: ۲۹۸۷۔ [3] مسند احمد، ج ۱، ص: ۷۹۔

[4] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء: ٦٠٣٦ وباب من استعد الکفن: ۱۲۷۷۔

[5] فتح الباری شرح کتاب الفرائض۔ [6] اصابه تذکره مخیریق، ج ۳، ص: ۳۹۳ مطبعة السعادة مصر۔

[7] مسند احمد، ج ٤، ص: ۵۸۔ [8] مسند احمد، ج ٦، ص: ۳۹۷۔

مہمان نوازی

عرب کے مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہ نبوی میں آتے تھے۔ رملہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، ان کا گھر دارالضیوف تھا۔ ❶ یہیں لوگ مہمان اترتے تھے، ام شریک رضی اللہ عنہا جو ایک دولت منداور فیاض انصاریہ تھیں، ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا۔ ❷ مخصوص لوگ مسجد نبوی میں اتارے جاتے تھے چنانچہ وفد ثقیف یہیں اترا تھا۔ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیے واپس نہ آتے تھے۔ ❸

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ ﷺ کے مہمان ہوتے اور آپ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا، اور خود بہ نفس نفیس ان کی خدمت کی۔ ❹ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ سارے کا سارا پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی غرض سات بکریوں تک نوبت آئی جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ پلاتے گئے۔ ❺ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آ جاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے۔ ❻ آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ ❼

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا، وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت ﷺ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمی کو ساتھ لے جائے۔'' ❽ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین آدمیوں کو ساتھ لائے لیکن آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے۔

اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدت گرسنگی کی حالت میں گزرگاہ عام پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راستے سے گزرے تو میں نے بطور حسن طلب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گزر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا تو آپ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''میرے ساتھ آؤ۔''

---

❶ زرقانی ذکر وفد بنی حنیفة، ج ٤، ص:٢٢۔ ❷ مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن...... ٣٦٩٧۔
❸ شمائل ترمذی: ٣٩٧۔ ❹ شرح شفاء قاضی عیاض بسند متصل، ج ٢، ص: ١٠٠۔
❺ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب المؤمن یأکل فی معی:٥٣٧٩۔ ❻ مسند احمد، ج ٦، ص: ٣٩٧۔
❼ ابوداود، کتاب الادب، باب فی الرجل ینبطح علی بطنه:٥٠٤٠۔
❽ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اکرام الضیف:٥٣٦٧ تا ٥٣٧١۔

آپ ﷺ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا، آپ نے دریافت فرمایا، تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے، آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: ''اصحاب صفہ کو بلالاؤ۔'' میں ان کو بلالایا۔ تو آپ نے مجھ کو دودھ کا وہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کردو۔ [1]

آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور اصحاب صُفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ کو اوکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔ [2]

مقداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا آخر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ دولت خانہ میں لے گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا: ''ان کا دودھ پیا کرو۔'' چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوھ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔ [3]

ایک دن اصحاب صفہ کو لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ، چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی۔ [4]

گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کا ابرِ کرم ہر وقت برستا رہتا تھا تاہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا آپ پر سخت گراں ہوتا تھا، ارشاد فرماتے: ''اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لا دلائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔'' [5]

ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟'' بولے کہ بس ایک بچھونا ہے، جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں کچھ بچھا لیتا ہوں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے، آپ نے دونوں چیزیں منگوائیں پھر فرمایا: ''یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟'' ایک شخص نے دو درہم لگائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟'' ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیے۔ آپ نے دونوں چیزیں دے دیں اور درہم انصاری کو دیے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے رسی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو۔ پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے

---

[1] ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب قصۃ اصحاب الصفۃ: ۲۴۷۷۔

[2] ابوداود، کتاب الاطعمۃ، باب ماجآء فی الأکل من اعلی الصحفۃ: ۳۷۷۳۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب اکرام الضیف: ۵۶۳۰۔

[4] ابوداود، کتاب الادب، باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ: ۵۰۴۰۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الصدقات، باب الاستعفاف عن المسئلۃ: ۱۴۷۱۔

پاس جمع ہو گئے تھے اس سے کچھ کپڑا خریدا کچھ کا غلہ مول لیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے۔'' ❶

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا، آپ نے عنایت فرمایا پھر جب تک کچھ رہا آپ نے ان کی درخواست رد نہیں فرمائی جب کچھ نہیں رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جب تک رہے گا تم سے بچا کر اس کو نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص اللہ سے دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال و گداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے اور جو خدا سے غنیٰ کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنیٰ مرحمت فرماتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی ہے۔'' ❷

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے، ایک دفعہ انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ طلب کیا آپ نے عنایت فرمایا، کچھ دن کے بعد پھر مانگا، آپ نے پھر ان کو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا پھر کچھ مرحمت کیا، اس کے بعد فرمایا: ''اے حکیم! یہ دولت سبز و شیریں ہے جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا دستِ بالا دستِ زیریں سے بہتر ہے۔'' حکیم رضی اللہ عنہ پر آنحضرت ﷺ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے، کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہیں مانگی۔ ❸

حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آ کر شامل ہو گئے آپ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔'' ❹ قبیصہ نام ایک صاحب تھے وہ مقروض ہو گئے تھے، آپ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی، آپ ﷺ نے وعدہ کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے، ایک اس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے، دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آ گئی، جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا، اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلّہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔'' ❺

❶ ابو داود، کتاب الزکوۃ، باب ما تجوز فیه المسالة: ١٦٤١ و ترمذی: ١٢١٨؛ ابن ماجه: ٢١٩٨۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصدقات، باب الاستعفاف عن المسئلة: ١٤٦٩۔

❸ ایضا: ١٤٧٢۔ ❹ ابو داود، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقة: ١٦٣٣۔

❺ ایضا: باب ما تجوز فیه المسالة: ١٦٤٠۔

صدقہ سے پرہیز

آنحضرت ﷺ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقہ وزکوۃ لینے کو سخت موجب ننگ وعار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ''میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو، اس لیے ڈال دیتا ہوں۔'' (1) ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آ گئی، فرمایا: ''اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا۔'' (2) ایک بار امام حسن رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے منہ میں ایک کھجور ڈال لی، آپ ﷺ نے ڈانٹ کر کہا: ''کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔'' (3) پھر منہ سے اگلوا دیا۔ آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے: ''ہدیہ ہے یا صدقہ؟'' اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے۔

ہدایا اور تحفے قبول کرنا

دوست واحباب کے ہدایا اور تحفے آپ ﷺ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ نے اس کو زیادہ محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے:

((تهادوا تحابوا)) (4) ''باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔''

اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم عموماً کچھ نہ کچھ روز آپ ﷺ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں قیام فرماتے تھے۔ (5) اوپر گزر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس میں پیش کی آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی، آپ نے ان کو عنایت فرما دی۔ (6)

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپ کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ حدودِ شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا (7) عزیز مصر نے بھی ایک خچر مصر سے بھیجا تھا ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے۔ (8) ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی آپ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی، پھر اتار کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی) کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اس لیے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو'' عرض کی

(1) بخاری، کتاب فی اللقطة، اذا وجد تمرة فی الطریق: ٢٤٣٢۔ (2) ایضاً: ٢٤٣١۔
(3) بخاری، کتاب الزکوة، باب اخذ صدقة التمر ...: ١٤٨٥، ١٤٩١۔ (4) مؤطا امام مالك، کتاب حسن الخلق، باب ما جآء فی المهاجرة: ١٦٨٥۔ (5) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشة: ٣٧٧٥۔ (6) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن: ١٢٧٧۔
(7) زاد المعاد ابن قیم، ج١، ص: ٣٤۔ (8) شمائل ترمذی: ٧٢، ٧٣۔

پھر کیا کروں، ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔'' [1] حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش میں رہے تھے اور نجاشی نے انہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

ہدایا اور تحفے دینا

جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے، ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كان يقبل الهدية ويثيب عليها۔ [2] ''آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔''

یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرت ﷺ کو ایک قیمتی حلہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا، آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیۃً بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹ دیکر خریدا گیا تھا۔ [3]

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی آپ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا۔ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا: ''تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو، آیندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔'' [4]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جن کے مکان میں آپ چھ مہینے تک فروکش رہے تھے، آپ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے [5] ہمسایوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے۔ اصحابِ صفہ اکثر آپ کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر جان نثار کون ہو سکتا تھا، تاہم ہجرت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپ نے قیمت ادا کی۔ [6] مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپ نے قیمت دے کر لی۔ [7] ایک دفعہ عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں ہمسفر تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روکتے تھے لیکن وہ قابو نہ آتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار عبداللہ کو ڈانٹتے تھے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''یہ اونٹ میرے

---

[1] ابو داود، كتاب اللباس، باب من كرهه: ٤٠٤٧۔ [2] بخاری، كتاب الهبة، باب المكافاة في الهبة: ٢٥٨٥۔ [3] ابوداود، كتاب اللباس، باب لبس المرتفع: ٤٠٣٤، ٤٠٣٥۔ [4] الادب المفرد امام بخاری: ٥٩٦؛ ترمذی: ٣٩٤٥۔ [5] مسلم، كتاب الاشربة، باب اباحة اكل الثوم: ٥٣٥٨۔
[6] بخاری، باب هجرة النبي ﷺ: ٣٩٠٥۔ [7] طبقات ابن سعد، ج ١، ق ٢، ص: ٢۔

ہاتھ بیچ ڈالو۔'' انہوں نے کہا کہ نذر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں دام لو۔'' انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے، آپ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دام لینے منظور کیے۔ آپ نے خرید کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔ ❶

عدم تشدّد

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (جو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے) ایک محلّہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں، ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا، جس قدر اس موقع پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: ''بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں، جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیونکہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔'' ❷

حدّ وقصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا، درگزر کرنا چاہتے۔ ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا: یارسول اللہ! میں نے بدکاری کی، آپ نے منہ پھیر لیا وہ دوسری سمت آئے، آپ نے اور طرف منہ پھیر لیا آپ بار بار منہ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آ کر زنا کا اقرار کرتے، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کو جنون تو نہیں ہے؟'' بولے: نہیں پھر پوچھا: ''تمہاری شادی ہو چکی ہے؟'' بولے: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا؟'' بولے: نہیں بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہو کر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیے جائیں۔ ❸

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپ حد (سزا) کا حکم دیں، آپ چپ رہے اور نماز کا وقت آ گیا، نماز کے بعد انہوں نے پھر آ کر وہی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے نماز نہیں پڑھی؟'' بولے: ہاں پڑھ لی، ارشاد فرمایا: ''تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔'' ❹

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس جاؤ۔'' دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں، خدا کی قسم! مجھ کو حمل رہ گیا ہے، پھر فرمایا: ''واپس جاؤ۔'' وہ چلی گئی تیسرے دن پھر واپس آئی، آپ نے ارشاد فرمایا: ''بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو۔'' بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی، (یعنی اب زنا کی سزا دینے میں کوئی تامل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے

❶ بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئا فوھب من ساعته: ۲۱۱۵۔

❷ بخاری، کتاب الاذان، باب من شکا امامه: ۷۰۴ وکتاب الاحکام، باب هل یقضی القاضی ...: ۷۱۵۹۔

❸ یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے موقع کے لیے کتاب المحاربین، باب سوال الامام المقر: ۶۸۲۴، ۶۸۲۵۔ دیکھنا چاہیے۔ ❹ بخاری، کتاب الحدود، اذا اقر بالحد: ۶۸۲۳۔

تب آنا۔'' جب رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپ ﷺ نے مجبور ہو کر سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کیے، ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرہ پر آئیں انہوں نے اس کو گالی دی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''زبان روکو، خدا کی قسم! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔'' [1] ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھالیا کریں؟ فرمایا: ''اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو۔'' [2]

ایک بار ایک صحابی نے ماہ رمضان تک کے لیے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا لیکن ابھی یہ مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی، پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو، سب نے انکار کر دیا، انہوں نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، آپ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، انہوں نے ناداری کا عذر کیا، تو آپ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، انہوں نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب آپ نے ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انہوں نے کہا: ہم تو خود فاقہ کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک وسق کھجور دے گا اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو دے دینا اور جو بچے وہ اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا۔'' وہ پلٹے تو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسن رائے اور آسانی نظر آئی۔ [3]

ایک بار ایک اور صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میں برباد ہو گیا روزہ میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟'' کہا: نہیں، فرمایا: ''دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو؟'' کہا: نہیں، فرمایا: ''ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟'' کہا: اس کی بھی قدرت نہیں، آنحضرت ﷺ نے تامل فرمایا، کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''سائل کہاں گیا؟'' سائل نے کہا: یارسول اللہ! میں یہ ہوں، فرمایا: ''ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات دے دو۔'' سائل نے کہا: یارسول اللہ! مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا، آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: ''جاؤ گھر ہی والوں کو کھلا دو۔'' [4]

تقشف ناپسند تھا

رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض بزرگ میلانِ طبعی یا عیسائی راہبوں

---

[1] ابوداود، کتاب الحدود، باب المرأۃ التی أمر النبی ﷺ برجمها: ٤٤٤٢۔

[2] بخاری، کتاب الذبائح، باب صید القوس: ٥٤٧٨۔ [3] ابوداود، کتاب الطلاق، باب الظهار: ٢٢١٣۔

[4] بخاری، کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان: ١٩٣٦۔

کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے، انہوں نے قطع اعضا کرنا چاہا، آپ نے سخت ناراضی ظاہر کی۔ قدامہ بن مظعون اور ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترکِ حیوانات اور دوسرے نے ترکِ نکاح کا عزم کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں۔'' آپ ﷺ کی مرضی نہ پا کر دونوں صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے۔ عرب میں صومِ وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ نے سختی سے روکا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نہایت مرتاض زاہد تھے، انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا: ''کیا یہ خبر صحیح ہے؟'' عرض کی ہاں، فرمایا کہ ''تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔'' عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھ کو اس سے زیادہ کی طاقت ہے فرمایا: ''اچھا تیسرے دن'' بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں ارشاد فرمایا: ''ایک دن بیچ دے کر کہ یہی داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے'' انہوں نے عرض کی کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا: ''بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا: ''کیا تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے۔'' عرض کی نہیں، فرمایا: ''پانچ۔'' بولے نہیں غرض آپ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو ایک دن روزہ رکھو۔'' [2]

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے۔ آنحضرت ﷺ چپ رہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا، آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔'' [3]

قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا، لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل وصورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہ پہچان سکے، انہوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت ﷺ نے تعجب سے پوچھا: ''تم تو نہایت خوش جمال تھے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الدھر: ۱۹۷۶۔

[2] بخاری، کتاب الصوم، باب صوم داود ﷺ: ۱۹۸۰؛ کتاب النکاح، باب لزوجك علیك حق: ۵۱۹۹۔

[3] بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء: ۵۰۷۶۔

تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی؟'' انہوں نے کہا: جب سے آپ ﷺ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔'' انہوں نے کہا: اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں۔ آپ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انہوں نے اور اضافہ کی درخواست کی، آپ نے تین دن کر دیے۔ ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو آپ نے اشہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔ [1] ایک دن چند صحابہ رضی اللہ عنہم خاص اس غرض سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت کے حالات دریافت کریں۔ وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے، حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے، بولے: بھلا ہم کو آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیے ہیں، پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا ایک اور صاحب نے کہا: میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ آنحضرت ﷺ سن رہے تھے فرمایا کہ ''خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔'' [2]

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گزر ہوا جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی: یارسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے، جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کر لوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا، میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔'' [3]

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔'' یہ الفاظ چند بار فرمائے پھر ارشاد کیا کہ ''تم کو اگر کسی کی خواہی نخواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔'' [4] ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ [5] ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ محجن

---

[1] ابوداود، کتاب الصیام، باب صوم اشھر الحرم: ۲٤۲۸۔ [2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۵۰٦۳۔ [3] مسند احمد، ج ۵، ص: ۲٦٦۔ [4] بخاری، ادب المفرد، باب ماجاء فی التمادح: ۳۳۳۔ [5] ایضا، باب یحثی فی وجوہ المداحین: ۳۳۹۔

ثقفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' مجن نے ان کا نام بتایا اور بہت تعریف کی، ارشاد فرمایا: ''دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا۔'' یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا، جو موجب ہلاکت ہوگا۔ [1]

ایک دفعہ اسود بن سریع جو شاعر تھے، خدمت عالی میں آئے اور عرض کی کہ میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں۔ فرمایا: ''ہاں اللہ کو حمد پسند ہے۔'' اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے اسی اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آ گئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے پھر اسود نے پڑھنے شروع کیے وہ صاحب پھر آ گئے آپ نے اسود کو پھر روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لیے آپ ﷺ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں، فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔'' [2]

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حسان رضی اللہ عنہ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے: ((اللّٰھم ایدہ بروح القدس)) حالانکہ یہ اشعار آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، عرب میں شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زور کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے۔ ابن الزبعریٰ اور کعب بن اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسان رضی اللہ عنہ کی مداحی ان کا ردعمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔ [3] روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے۔ ارشاد تھا: ''ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیے۔'' کھانے پینے، اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ [4] آپ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی، [5] کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے، سامان آرائش سے آپ طبعاً نفور تھے، غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔ [6]

امارت پسندی سے اجتناب

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے۔ ((لا رھبانیۃ فی الاسلام)) اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے، تاہم

---

[1] ایضًا: ۳٤۱۔ [2] ادب المفرد، باب من مدح فی الشعر: ۳٤۲۔ [3] ابوداود، کتاب الادب، باب اذا قام من مجلسه ثم رجع: ٤٨٥٤۔ [4] دیکھو شمائل، ص: ۲۳۔ [5] صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب النفخ فی الشعیر: ٥٤١٠، ٥٤١٣۔ [6] صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں۔

ناز ونعمت تکلف وعیش پرستی کو ناپسند فرماتے تھے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور آپ سے جا کر عرض کی آپ تشریف لائے، لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: ''پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب وزینت کے مکان میں داخل ہو۔'' [1] فرمایا کرتے: ''گھر میں ایک بستر اپنے لیے ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔'' [2]

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رہ گئیں، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا: ''خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔'' [3] ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا: ''کس نے بنایا ہے؟'' لوگوں نے بتایا، آپ چپ ہو رہے جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا، انہوں نے پھر سلام کیا، آپ نے پھر منہ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے، جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن آپ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ ''ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے۔'' [4]

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے پہن لی، پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کیلئے بھیجی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم پر اٹھی۔ [5]

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے، آپ ﷺ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا: ''میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں۔ [6]

---

[1] بخاری، کتاب الهبة، باب هدية ما يكره بسها: ٢٦١٣؛ ابو داود: ٤١٤٩۔ [2] ابوداود، کتاب اللباس، باب فی الفرش: ٤١٤٢۔ [3] ایضًا، باب فی الصور: ٤١٥٣۔ [4] ابوداود، کتاب الادب، باب ماجاء فی البناء: ٥٢٣٧۔ [5] ابوداود، کتاب اللباس، باب فی لبس الحریر: حضرت عمر کا یہ واقعہ ایک ہی باب کی دو روایتوں میں پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قبا کو اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دی جو مکہ میں رہتا تھا (دیکھیں حدیث نمبر: ۴۰۴۰) اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرو۔ ''زبین'' (دیکھیں حدیث نمبر: ۴۰۴۱)۔
[6] ابوداود، کتاب اللباس، باب فی لبس الحریر: ٤٠٤٣۔

مہر کرنے کی غرض سے جب آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی آپ کی تقلید میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں، آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ''اب نہ پہنوں گا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں۔ (1)

جس طرح آپ ﷺ خود سادگی پسند فرماتے تھے اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے اہل وعیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف و تنعم سے پاک رہیں۔ عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے مگر آنحضرت ﷺ اہل بیت کرام کے لیے اس بات کو بھی خلافِ اولیٰ تصور فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا: ''تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔'' (2)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکتہ) دیکھے، فرمایا: ''اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔'' (3)

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجے، ان میں ایک انگوٹھی بھی تھی جس میں حبشی پتھر کا ایک نگینہ جڑا تھا، آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور لکڑی سے اس کو چھوتے تھے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ (4)

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا، آپ ﷺ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا: ''پرہیز گاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں۔'' (5)

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال تھا کہ جمعہ وعیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان وتجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں۔ اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلۂ سیرا) بک رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موقع پا کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کپڑا حضور خرید لیں اور جمعہ میں اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں، ارشاد فرمایا کہ ''یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' (بخاری، کتاب اللباس، باب الحریر للنساء: ۵۸۴۱) اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور انہی کپڑوں میں وفات پائی۔ (6) بستر کمبل کا تھا، کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی کبھی معمولی کپڑے کا جو دوتہہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک چارتہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے، صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے ناگواری ظاہر فرمائی۔ (7)

---

(1) ابوداود، کتاب الخاتم، ماجاء فی اتخاذ اذالحاتم: ٤٢١٨۔ (2) نسائی، کتاب الزینۃ، باب الکراھیۃ للنسآء فی اظھار الحلی والذھب: ٥١٤٣۔ (3) ایضاً: ٥١٤٦۔ (4) مسند احمد، ج ٦، ص: ١١٩۔ (5) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ: ٥٤٢٧۔ (6) اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری، کتاب اللباس سے ماخوذ ہیں۔ (7) شمائل ترمذی: ٣٢٨۔

۹ھ میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی، فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔ ❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، ❷ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ''دنیا میں انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادِ راہ کے لئے۔'' ❸ ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ❹

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھڑی تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرورِ عالم ﷺ کے بیتِ قدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھری چارپائی بچھی ہے، سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی: یارسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں، چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے، قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ ''اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت۔'' ❺

مساوات

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمان و صہیب و بلال رضی اللہ عنہم کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ میں رؤسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے ایک دفعہ حضرت سلمان و بلال رضی اللہ عنہما ایک موقع پر جمع تھے اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا سردارانِ قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ماکان النبی ﷺ یتجوز من اللباس والبسط: ۵۸۴۸۔ روایت میں حصر (چٹائی) کا لفظ ہے۔ ❷ مسند احمد، ج ٦، ص: ١٠٨۔ ❸ ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا: ٤١٠٤۔
❹ جامع ترمذی کتاب الزهد: ٢٣٧٧۔ ❺ صحيح مسلم كتاب الطلاق باب في الايلاء: ٣٦٩٢۔

بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے ان لوگوں نے کہا: نہیں خدا تم کو معاف کرے۔ ❶

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جن سے آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسامہ کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔'' پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا: ''تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔'' ❷

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے، قیدیوں کو زر فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس رضی اللہ عنہ) کا زر فدیہ معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔'' ❸ مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے اس کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر وغریب، صغیر وکبیر سب کی مساوات کالحاظ ہوتا۔

ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کمسن تھے، بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ کہیں سے دودھ آیا، آپ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ''تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔'' انہوں نے عرض کی: اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کر سکتا۔ چونکہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے انہی کا حق تھا، آپ نے انہی کو ترجیح دی۔ ❹ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا میں نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بائیں جانب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سامنے اور ایک بدو داہنی طرف تھا، آپ نے پی لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے۔'' یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا۔ ❺

قریش اپنے فخر وامتیاز کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا، بعثت سے پہلے ❻ اور بعثت کے بعد بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ بریں یہ بھی

---

❶ صحيح مسلم، باب فضائل من سلمان: ٦٤١٢۔ ❷ بخاري، كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة فى الحد: ٦٧٨٨؛ مسلم، كتاب الحدود، باب قطع اليد السارق: ٤٤١٠؛ ابوداود، كتاب الحدود، باب فى الحد يشفع فيه: ٤٣٧٤۔ ❸ صحيح بخاري، كتاب الجهاد، باب فداء المشركين: ٣٠٤٨۔

❹ صحيح بخاري، كتاب الاشربة، باب هل يستاذن الرجل من عن يمينه فى الشرب: ٥٦٢٠۔

❺ بخاري، كتاب الهبة، باب من استسقى: ٥٦١٩۔ ❻ ابوداود، كتاب المناسك ابوداود میں اس مضمون کی کوئی روایت نہیں ملی بلکہ یہ صراحت موجود ہے کہ قریش کے ظن وگمان کے برخلاف آپ نے مزدلفہ پار کر کے وادی نمرہ میں قیام فرمایا ''ض''۔

گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپ ﷺ کیلئے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کیلئے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے تجویز پیش کی تو فرمایا: ''جو پہلے پہنچ جائے اسی کا مقام ہے۔'' ❶

صحابہ رضی اللہ عنہم جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ میں آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک تھے۔ خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔ ❷ غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔ ❸

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہ نے مل کر پکانے کا سامان کیا، لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت ﷺ نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کام ہم خدام کر لیں گے فرمایا: ''ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔'' ❹

غزوۂ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا۔ لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے ہمراہ جان نثاران اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ سوار رہیں حضور کے بدلہ ہم پیادہ چلیں گے، ارشاد ہوتا: ''نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو، اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔'' ❺

تواضع

گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوھ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، (گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا)۔ ❻ ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف

---

❶ مسند احمد، ج٦، ص: ١٨٧۔ ❷ صحیح بخاری، باب ھجرۃ النبی ﷺ: ٣٩٠٦، ٣٩٣٢۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احزاب: ٤١٠٠، ٤١٠١۔

❹ زرقانی، ج ٤، ص: ٣٠٤ بحوالہ سیرت محب طبری۔ یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔

❺ مسند احمد بن حنبل، ج١، ص: ٤٢٢ ومسند ابوداود طیالسی، جز ٢، ص: ٤٧۔

❻ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ: ٣٣١۔

لائے لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا کہ ''اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اٹھو۔'' ❶ غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ❷ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''گھبراؤ نہیں میں فرشتہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔'' ❸

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''میں بندہ اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔'' ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے آپ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا محمد! یہ کیا طرز نشست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے، جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔'' ❹

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا: ''اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند! آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو، پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گرا نہ دے میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول۔ مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔'' ❺ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یا خیر البریة (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔'' ❻

عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس میں آئے تو عرض کی، حضور ہمارے آقا (سید) ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ''آقا خدا ہے۔'' پھر ہم لوگوں نے عرض کی آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں ارشاد ہوا کہ ''بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے۔'' ❼

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا آپ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ محمد! مجھ کو تم سے کچھ کام ہے، فرمایا: ''جہاں کہو چل سکتا ہوں۔'' وہ آپ کو ایک کوچہ میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی

---

❶ ابوداود، کتاب الادب، باب الرجل یقوم للرجل: ۵۲۳۰۔ ❷ شمائل ترمذی: ۳۳۱۔

❸ مستدرك، ج ۳، ص: ۴۸ علی شرط الشیخین۔ ❹ ابوداود، کتاب الأطعمة، باب فی الاکل من اعلی الصحفة: ۳۷۷۳۔ ❺ مسند احمد، ج ۳، ص: ۱۵۳۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابراهیم: ۶۱۳۸۔

❼ ابوداود کتاب الادب، باب فی کراهیة التمادح: ۴۸۰۶۔

آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دے دیا۔ ❶ مخرمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں آؤ ہم بھی چلیں، آئے تو آپ زنانہ میں تشریف لے جا چکے تھے کہا: آواز دو، انہوں نے کہا: میرا یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو آواز دوں، مخرمہ نے کہا: بیٹے! محمد جبار نہیں ہیں۔ ان کی جرأت دلانے سے مسور رضی اللہ عنہ نے آواز دی، آنحضرت ﷺ فوراً نکل آئے اور ان کو دیبا کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زریں تھیں۔ ❷

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی، یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ پر تعریض ہے، غصہ میں آ کر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریادی آیا، آپ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ ''مجھ کو انبیا پر فضیلت نہ دو۔'' ❸

(انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے جب وہ اپنے چپ و راست جلو میں ہزاروں آدمیوں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، خصوصاً جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پر جوش لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے تواضع و خاکساری کا منظر اس وقت اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو تواضعاً سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آ کر مل گیا۔ ❹ غزوۂ خیبر میں جب آپ کا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی۔ ❺ حجۃ الوداع میں جس کجاوہ پر آپ سوار تھے سن چکے ہو کہ اس کی قیمت کیا تھی)۔

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے

اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش نظر تھی۔ فرمایا کرتے تھے: ''میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔'' بخاری: ۶۸۳۰ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حیرہ گیا وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے کہ آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری قبر پر گزرو

❶ ابوداود، کتاب الادب فی الجلوس بالطرقات: ٤٨١٨، ٤٨١٩۔ ❷ بخاری، کتاب اللباس، باب المزرّر بالذهب: ٥٨٦٢۔ ❸ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب: ٣٤٠٨۔

❹ شرح شفاء قاضی عیاض، ج ٢، ص: ١١٣ وسیرت ابن ھشام؛ مستدرك حاكم، ج ٤، ص: ٣١٧۔

❺ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب البراة من الکبر: ٤١٧٨؛ بیهقی: ٨١٩٠۔

گے تو سجدہ کرو گے؟'' کہا: نہیں، فرمایا: ''تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔'' [1]

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا، اس پر بیٹھ گئے۔ گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں، گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا:

فینا نبی یعلم ما فی غد۔ ''ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔''

فرمایا: ''یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔'' [2]

آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم نے جس روز انتقال کیا اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہر عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس کے درد و صدمہ سے کم از کم اجرام سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے۔ لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہوسکتا تھا لیکن نبوت کی شان اس سے بدر جہا ارفع و اعلیٰ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا خدا کی آیات قدرت میں ہے کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ [3]

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ وضو کر رہے تھے، وضو کا پانی جو دست مبارک سے گرتا فدائی برکت کے خیال سے اس کو چلو میں لے کر بدن میں مل لیتے، آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم یہ کیوں کر رہے ہو۔'' انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں، فرمایا: ''اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ بولے، جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے۔'' [4]

ایک صاحب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا: جو خدا چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں۔ ارشاد ہوا: ''تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہے۔'' [5]

شرم وحیا

صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور شرم وحیا کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا، کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی، بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گزر جاتے، تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ وقہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے۔ بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ رضی اللہ عنہم متنبہ ہو جاتے۔

---

[1] ابو داود، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المراۃ: ۲۱۴۰۔

[2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ: ۵۱۴۷۔

[3] صحیح بخاری، ابواب الکسوف: ۱۰۴۳، ۱۰۶۰ ومسلم، کتاب الکسوف: ۲۱۲۲۔

[4] شعب الایمان بیہقی: ۱۵۳۳؛ مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔

[5] ادب المفرد امام بخاری: ۷۸۳۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا، ننگے نہانا عام بات تھی، حرم کعبہ کا طواف ننگے ہوکر کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں، ایک دفعہ فرمایا: ''حمام سے پرہیز کرو۔'' لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا: ''نہاؤ تو پردہ کرلیا کرو۔'' عرب میں حمام نہ تھے لیکن شام وعراق کے جوشہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے، اس بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔''

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، انہوں نے وطن پوچھا، بولیں حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمہیں وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں؟ بولیں: کیا حمام کوئی بری چیز ہے؟ فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ''جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے، خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔'' [1] ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردوں کو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دی [2] لیکن عورتوں کے لیے وہی حکم قائم رہا۔ عرب میں جائے ضرور نہ تھے۔ [3] لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے لیکن پردہ نہیں کرتے تھے بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا: ''خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔'' [4] معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

اگرچہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے جان نثار خادموں میں داخل تھے بایں ہمہ آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہ، ابوسعید خدری اور امام حسن رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ کان یخدم نفسہ۔ یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے [5] ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ جواب دیا کہ ''گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوھ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو

[1] یہ تمام روایتیں الترغیب والترھیب منذری، کتاب الطھارۃ، باب الترھیب من دخول الرجال الحمام میں کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہیں، طبرانی: ۲۴/ ۶۴۵، ۶۴۶؛ مسند احمد: ۶/ ۳۰۱۔ [2] ابو داود، کتاب الحمام، باب الدخول فی الحمام: ۴۰۰۹۔ [3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث افک: ۴۱۴۱۔
[4] ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب کراھیۃ الکلام عند الخلاء: ۱۵ وابن ماجہ، ابواب الطھارۃ، باب النھی عن الاجتماع علی الخلاء: ۳۴۲۔ [5] شرح شفاء قاضی عیاض، ج ۱، ص: ۱۱۰۔

اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔“ [1]

ایک دفعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں، تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے۔ [2]

ایک دفعہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے دیکھا تو کسی نے مسجد میں ناک صاف کی ہے، آپ ﷺ نے خود دست مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا اور آیندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔ [3]

آپ ﷺ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔ [4] مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل جلد اول کے واقعہ میں گزر چکی ہے۔ ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بکری ذبح کی اور اس کے پکانے کے لیے آپس میں کام بانٹ لیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنگل سے لکڑی میں لاؤں گا۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تامل کیا تو فرمایا: ”میں امتیاز پسند نہیں کرتا۔“ [5] ایک اور سفر میں آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپ نے خود اس کو درست کرنا چاہا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! لایئے میں ٹانک دوں، فرمایا: ”یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے محبوب نہیں ہے۔“ [6] دو صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے، جب کام ختم ہو گیا تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی۔ [7]

دوسروں کے کام کر دینا

خباب بن ارت ایک صحابی تھے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا، خباب رضی اللہ عنہ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا اس بنا پر آپ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کیف یکون الرجل فی اهله: ٦٠٣٩ میں مجمل ہے، قاضی عیاض نے شفاء ج ۲، ص: ۱۱٦ میں متعدد حدیثوں سے لے کر اور ٹکڑے بھی جمع کر دیئے ہیں، زرقانی نے ج ٤، ص: ٣٠٤ میں مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ [2] یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں، پہلی روایت کتاب الادب، باب استحباب تحنیك المولود: ٥٦١٢ میں اور دوسری اور تیسری کتاب اللباس والزینة، باب جواز وسم الحیوان: ٥٥٥٥، ٥٥٥٦ میں ہے۔ [3] سنن نسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن ان یتنخم الرجل فی...... : ٧٢٥۔

[4] صحیح بخاری، باب بنیان الکعبة: ٣٨٢٩۔ [5] زرقانی، ج ٤، ص: ٣٠٦ بحواله سیرت محب طبری۔

[6] زرقانی، بحواله کتاب تمثال النعل الشریف لابی الیمن ابن عساکر۔

[7] مسند احمد، ج ٣، ص: ٤٦٩۔

دیا کرتے۔ (1) حبش سے جو مہمان آئے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گزاری کریں لیکن آپ ﷺ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ ”انہوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کا فرض انجام دوں گا۔“ (2) کفار ثقیف جنہوں نے طائف میں آپ ﷺ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا، ۹ھ میں وفد لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کیے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں: یارسول اللہ! میرا یہ کام ہے۔ آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے میں تیرا کام کر دوں گا۔“ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی۔ (3) عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے وہ فرماتے ہیں:

ولا یأنف ان یمشی مع الا رملة والمسکین فیقضی له الحاجة۔ (4)

”بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ ﷺ کو عار نہ تھا۔“

ایک دفعہ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر بولا میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، پہلے اس کو کر دو۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔ (5)

عزم واستقلال

خدا نے قرآن مجید میں ﴿اولوا العزم من الرسل﴾ کہہ کر انبیا کی کئی بار مدح فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت ﷺ کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہے۔ عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے، بے یار ومددگار دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے، ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذات اقدس جبن ویاس سے آشنا نہیں ہوتی اور بالآخر وہ دن

---

(1) ابن سعد، حصہ ششم، ص:۲۱۳ ترجمہ بنت خباب۔

(2) الشفاء قاضی عیاض، بسند متصل، ج۲، ص:۱۰۰، بحوالہ بیہقی۔ (3) مسلم:۶۰۴۴ اور ابوداود، کتاب الادب، باب فی الجلوس؛ طرقات: ۴۸۱۸، ۴۸۱۹۔ (4) سنن النسائی، کتاب الجمعة، باب ما یستحب من تقصیر الخطبة: ۱۴۱۵؛ سنن دارمی، باب تواضع رسول اللہ ﷺ: ۷۴۔

(5) بخاری، کتاب الاذان، باب الکلام اذا اقیمت الصلوٰة: ۶۴۳ میں مختصراً ذکر ہے الادب المفرد: ۲۷۸۔

آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے۔ ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر خدمت مبارک میں عرض کی کہ آپ ﷺ ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے، آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ''تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا لیکن یہ آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں، خدا کی قسم! دین اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعاء سے حضرموت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' (1)

مکہ میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی لیکن آپ نے ذلت کے ساتھ ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا، جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا، اس وقت آپ نے جواب میں جو فقرے فرمائے، عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔'' (2)

غزوۂ بدر میں جب تین سو بے سر و سامان مسلم ایک ہزار باساز و سامان فوج سے معرکہ آراء تھے، کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بپھرتے آتے تھے، اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت ﷺ کے پہلو میں آ جاتے تھے اور باایں ہمہ نبوت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔ (3)

غزوہ اُحد میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی لیکن جب آپ زرہ پہن کر تیار ہو گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے رک جانے کا مشورہ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا۔'' (4) غزوۂ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھاڑ کی، تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے قدم اکھڑ گئے لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا:

((انا النبي لا كذب انا ابن عبدالمطلب)) (5) ''میں پیغمبر صادق ہوں، میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔''

ایک بار آپ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب میں

---

(1) صحیح بخاری، باب علامات النبوة في الاسلام: ٣٦١٢۔ (2) ابن هشام، ج ١، ص: ١٦٤۔
(3) مسند احمد، ج ١، ص: ١٢٦۔ (4) بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول الله ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ رقم الباب: ٢٨۔ (5) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول الله تعالیٰ: ويوم حنين...... ٤٣١٥ تا ٤٣١٧۔

تلوار کھینچ کر بولا: محمد (ﷺ) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا۔'' اس عزم واستقلال اور جرأت صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان میں کر لی اور پاس بیٹھ گیا۔ [1]

شجاعت

یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ عزم استقلال، حق گوئی، راست گفتاری، پردلی، یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو سینکڑوں مصائب وخطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوۂ بدر میں گھمسان کی لڑائی میں ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکز نبوت ہی کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کے دست وبازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، کہتے ہیں کہ بدر میں جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ [2]

غزوۂ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعتہً میدان سے ہٹ گئی لیکن آپ مع چند جان نثاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے۔ اس وقت بار بار آپ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے لیکن جان نثار مانع آتے تھے، اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ نہ صرف آپ کی ذات تھی، بایں ہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ جو اس معرکہ میں شریک تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا، ہاں! یہ سچ ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے، خدا کی قسم! جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے، ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ [3]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے۔ لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت ﷺ تھے۔ جلدی میں آپ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ [4]

آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے دست خاص سے قتل نہیں کیا۔ ابی بن خلف آپ کا سخت دشمن تھا،

[1] بخاری، کتاب المغازی، غزوۃ ذات الرقاع: ٤١٣٥۔ [2] مسند احمد، ج ۱، ص: ١٤٦۔
[3] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة حنين: ٤٦١٦۔ [4] صحیح بخاری، (کتاب الجہاد) کے متفرق ابواب میں یہ حدیث ہے مثلاً باب الشجاعة في الحرب: ٢٨٢٠ وباب اذا فزعوا بالليل: ٣٠٤٠۔

بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا: میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو میں ہر روز جوار کھلاتا ہوں، اسی پر چڑھ کر محمد (ﷺ) کو قتل کروں گا۔ احد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں، آپ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں انی چبھودی، وہ چنگھاڑ مار کر بھاگا، لوگوں نے کہا: یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں، تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ اس نے کہا: سچ ہے لیکن یہ محمد (ﷺ) کے ہاتھ کا زخم ہے۔ [1]

راست گفتاری

راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی منفک نہیں ہوسکتا اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے عنوان میں اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتوں کو قلم بند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار میں جو لوگ آپ سے واقف تھے انہوں نے آپ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ کے حواس درست نہیں ہیں یا اب عقل بجا نہیں رہی ہے یا یہ کہ ان میں اب شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہے، اسی بنا پر انہوں نے آپ کو مجنوں کہا، مسحور کہا، شاعر کہا لیکن کاذب نہیں کہا۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا، کہا: اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمد (ﷺ) تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا، اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنوں ہے، خدا کی قسم! میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ محمد (ﷺ) میں یہ کوئی بات نہیں، تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے۔ [2] ابوجہل کہا کرتا تھا محمد (ﷺ) میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ جو کچھ کہتے ہو ان کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے: [3]

﴿ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴾ (٦/ الانعام:٣٣)

”ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر! ان کافروں کی باتیں تم کو غمگین کرتی ہیں کیونکہ وہ تجھ کو جھٹلاتے نہیں البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“

---

[1] شرح شفاء قاضی عیاض، ج۲، ص:٦٤ بحوالہ بیهقی بسند صحیح ومصنف عبدالرزاق وابن سعد وواقدی۔

[2] ابن هشام، ج۱، ص:۱۸۳۔ [3] جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورۃ الانعام: ۳۰٦٤۔

جب آنحضرت ﷺ کو پیش گاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ ﷺ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا: ''یا معشر قریش!'' جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا: ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟'' سب نے کہا: ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ [1]

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدعی پیدا ہوا ہے اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا، ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا: میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز رہتا۔ [2]

ایفائے عہد

ایفائے عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد (ﷺ) نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں [3] وحشی جنھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ، محمد (ﷺ) سفراء کو قتل نہیں کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ [4] صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے، جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے۔ عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا: ''یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے۔'' عمیر رضی اللہ عنہ عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں، تم کو امان ہے، جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''ہاں یہ سچ ہے۔'' [5]

ابورافع ایک غلام تھے۔ حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے۔ روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا، ارشاد ہوا: ''نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں، تم اس وقت واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا۔'' چنانچہ وہ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب التفسير، تفسير سورة تبت: ٤٩٧١، ٤٩٧٢۔ [2] صحيح بخاري، كتاب بدء الوحي: ٧۔ [3] صحيح بخاري، كتاب بدء الوحي: ٧۔ [4] صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب: ٤٠٧٢۔ [5] ابن هشام، ج ٢، ص: ٢٧٦، ٢٧٧۔

اس وقت واپس گئے اور پھر اسلام لائے۔ [1]

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ عین اس وقت جب معاہدہ کی یہ شرطیں زیر تحریر تھیں، ابوجندل پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے، اور رسول اللہ ﷺ سے فریادی ہوئے، تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے باطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے ابوجندل! صبر کرو، ہم بدعہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔'' [2]

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھ کر فرمایا: ''میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔'' [3]

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہ بن الیمان اور ابوحسیل رضی اللہ عنہما دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے، راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جا رہے ہو، انہوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، تو صورت حال عرض کی، فرمایا: ''تم دونوں واپس جاؤ، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔'' [4]

زہد و قناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے پیغمبر تھے، مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جو پر گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کی مہمات فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ ﴿رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا﴾ اس بنا پر آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے

---

[1] ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی الامام یستجن به فی العهود: ٢٧٥٨۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد آخری فقرے ابن ہشام ج۲، ص: ۳۱۰ میں ہیں۔ [3] ابوداود، کتاب الادب، باب فی العدة: ٤٩٩٦۔ [4] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب الوفاء بالعهد: ٤٦٣٩۔

بھی استعمال کیے ہیں لیکن اصلی میلانِ طبع زخارفِ دنیوی سے اجتناب تھا۔ فرمایا کرتے: ''فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔'' [1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ولا یطوی له ثوب۔ کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا۔ [2]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ کسی طرف سے آ گئے، پوچھا: ''کیا شغل ہے؟'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کی دیوار کی مرمت کر رہا ہوں ارشاد ہوا: ''اتنی مہلت کہاں؟'' [3]

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ ﷺ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا:

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعة طاویا واھله لا یجدون عشاء۔ [4]

''آپ ﷺ اور آپ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔''

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر گزارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ [5] آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ [6] میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں، بولے: نہیں، لوگوں نے کہا: پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے: منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے۔ [7] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ [8]

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورہ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں، بے شبہ آپ بقدر نفقہ آمدنی میں سے لیتے تھے باقی وہ بھی اہلِ حاجت کے نذر ہو جاتا تھا۔ احادیث میں آپ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے منقول ہیں۔ چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الزھد، باب منه الخصال التی لیس لابن آدم...: ۲۳۴۱۔ [2] ابن ماجه، کتاب اللباس، باب لباس رسول اللہ ﷺ: ۳۵۵۴۔ [3] جامع ترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی قصر الامل: ۲۳۳۵۔ لیکن یہاں عبداللہ بن عمرو کا ذکر ہے۔ [4] جامع ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی معیشة النبی ﷺ: ۲۳۶۰۔ [5] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ: ۶۴۵۹۔ [6] ایضا: ۶۴۵۷۔
[7] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفة خبز رسول اللہ ﷺ: ۱۴۵۔ [8] ایضا: ۱۴۷۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو، جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔ [2]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔ [3]

ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپ ﷺ نے شکم کو کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے۔ [4]

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی حالت سمجھ جاتے، ایک دن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے ابھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ان کی آواز کمزور ہوگئی ہے۔ [5]

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ملے، یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے، آپ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے، آج آپ کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے بچوں کو پلا دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے، ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو وہ باہر نکل آئیں اور عرض کی حضور ﷺ کا آنا مبارک۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''ابوایوب کہاں ہیں؟'' نخلستان پاس ہی تھا، وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی، یہ حضور ﷺ کے آنے کا وقت نہیں، آپ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا: میں گوشت تیار کراتا ہوں، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لا کر رکھا تو آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ ''فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو بھجوا دو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔'' پھر خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب اکرام الضیف: ٥٣٥٩ وصحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ویؤثرون علی انفسھم ..... الخ: ٣٧٩٨۔ [2] صحیح مسلم، باب جواز استتباعہ غیرہ الی دار من یثق: ٥٣٢٣۔ [3] ایضاً: ٥٣٢٢۔ [4] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی عیش النبی ﷺ: ٣٧٢۔
[5] صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ: ٥٣١٦۔

آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ ''خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزیں ہیں۔'' ❶

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ صبح کو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے: ''آج کچھ کھانے کو ہے؟'' عرض کرتیں: نہیں، آپ ﷺ فرماتے: ''اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔'' ❷

عفو و حلم

اربابِ سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔ ❸

جنگ اُحد کی شکست سے زیادہ رؤسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی، ❹ تاہم دس برس کے بعد غزوہ طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برساتے تھے، تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم و عفو انسان (خود آنحضرت ﷺ) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ ''خدایا! انہیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانہ اسلام پر جھکا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، ۹ھ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے صحن مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت و حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ ❺

قریش نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی، غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے، ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرما رہے تھے کہ ''لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے۔'' پیچھے پیچھے ابوجہل تھا، وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا، لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کردیں، یہ، یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ ❻

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا، جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ

---

❶ الترغيب والترهيب، كتاب الطعام، باب الترغيب في حمدالله تعالیٰ بعد الاكل: ٣١٩٦؛ ابن حبان، كتاب الاطعمة: ٥١٩٣ (یہ واقعہ صحیح مسلم: ٥٣١٣ میں بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے)۔

❷ مسلم، كتاب الصيام، باب جواز صوم النافلة..... ٢٧١٤، ٢٧١٥۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب الادب، باب قول النبی ﷺ يسروا ولا تعسروا: ٦١٢٦۔ ❹ صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة: ٣٢٣١؛ مسلم: ٤٦٥٣۔ ❺ ابوداود، كتاب الخراج والامارة، باب ماجاء فی خبر الطائف: ٣٠٢٥، ٣٠٢٦ ومسند احمد، ج ٤، ص: ٢١٨۔ ❻ مسند احمد، ج ٤، ص: ٦٣۔

صدیقہ ؓ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہ ؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر ؓ جیسے یارِ غار اور افضل الصحابہ ؓ کی صاحبزادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا، جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں، تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر بانی، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا، بااین ہمہ آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمعِ عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہے۔'' حضرت سعد بن معاذ ؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں، آپ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں، سعد بن عبادہ ؓ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حمایتی کھڑے ہو گئے، قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں، آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا، واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی، تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا، اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تہمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی، ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے، ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکر ؓ تھے، تہمت کے جرم میں حضرت ابوبکر ؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا، اس پر یہ آیت اتری:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

(٢٤/ النور:٢٢)

''تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضیلت اور ذی مقدور ہیں ان کو یہ قسم نہیں کھانا چاہیے کہ قرابت داروں، مسکینوں اور مجاہدوں سے سلوک نہ کریں گے، تم کو عفو اور درگزر سے کام لینا چاہیے، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تم کو بخش دے، خدا غفور رحیم ہے۔''

حضرت ابوبکر ؓ نے ان کا روزینہ بدستور جاری کر دیا۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک: ۴۱۴۱)

تہمت لگانے والوں میں (جیسا کہ ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور: ۳۱۸۰ میں تصریح ہے) حضرت حسان ؓ بھی تھے، حضرت عائشہ ؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا، لیکن یہ آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر ؓ نے حضرت عائشہ ؓ کے سامنے حضرت حسان ؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہ ؓ نے روک دیا، کہ یہ (حسان ؓ) آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے۔ [1]

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافك: ٤١٤٦۔

مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر سحر کیا، تاہم آپ نے کچھ تعرض نہ فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا: ''میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرنا چاہتا۔'' ❶

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے، لین دین کا کاروبار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا، میعاد ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے، تقاضے کو آئے، آنحضرت ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا: عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ سے بیتاب ہو گئے، اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''او دشمن خدا! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''عمر! مجھ کو تم سے اور کچھ امید تھی، اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں۔'' یہ فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: ''قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دے دو۔'' ❷

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجیے، آنحضرت ﷺ نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا، اس گستاخ نے کہا میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یوں ہی اڑا لیں اور دام نہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ ''وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔'' ❸

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ رک گئے، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''صبر کرو۔'' وہ آپ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی، ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے، آپ چلے آئے، لوگوں نے عورت سے کہا: تو نے نہیں پہچانا، وہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا: میں حضور کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا: ''صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔'' ❹

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ میں ایک جلسہ تھا، آپ ٹھہر گئے، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، وہ بھی جلسہ میں موجود تھا، آپ ﷺ کی

---

❶ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السحر: ۵۷۰۳۔ ❷ بروایت بیہقی، ابن حبان (کتاب البر والاحسان: ۲۸۸) طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (شرح شفاء از شہاب خفاجی، ج۲، ص: ۳۱، ۳۲) ❸ جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی الرخصة فی الشراء الی أجل: ۱۲۱۳۔
❹ بخاری، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور: ۱۲۸۳۔

سواری کی گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت ﷺ سے کہا: دیکھو گرد نہ اڑاؤ، جب آنحضرت ﷺ قریب پہنچے تو اس نے کہا محمد (ﷺ) اپنا گدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا: ہمارے گھر آ کر ہم کو نہ ستاؤ، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو مشہور شاعر تھے، انہوں نے کہا: آپ ضرور تشریف لائیں، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں، آنحضرت ﷺ نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، جلسہ سے اٹھ کر آپ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں، سعد بن عبادہ نے عرض کی، کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کر لیا تھا۔ [1]

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا، یہ تقسیم خدا کی رضا مندی کے لیے نہیں ہے۔ آپ نے سنا تو فرمایا: ''خدا موسیٰ پر رحم کرے، ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔'' [2]

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا، آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی، آدابِ مسجد سے واقف نہ تھا، وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہا دو، خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لئے نہیں، بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے۔'' [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو خادمِ خاص تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کسی کام کے لئے بھیجنا چاہا، میں نے کہا: نہ جاؤں گا، آپ چپ رہ گئے، میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا، دفعتہً آنحضرت ﷺ نے پیچھے سے آ کر میری گردن پکڑ لی، میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہیں، پھر پیار سے فرمایا: ''انس! جس کام کے لئے کہا تھا اب تو جاؤ۔'' میں نے عرض کی: اچھا جاتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ کی ملازمت کی، کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، یا یہ کیوں نہیں کیا۔ [4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے، اور باتیں کرتے، جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب عیادة المریض: ٥٦٦٣، ٤٥٦٦۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف...... :٤٣٣٥، ٤٣٣٦۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول: ٢٢٠۔
[4] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ: ٦٠١٥، ٦٠١٦ وابوداود، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ: ٤٧٧٣۔

سے نکلے، ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپ کی گردن سرخ ہو گئی، آپ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے، تیرے پاس جو مال ہے، وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے میری گردن کا بدلہ دو۔'' تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا: خدا کی قسم! میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا، آپ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔ [1]

قریش (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، ضد سے آپ کو محمد (ﷺ) (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے، بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے، لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے: ''تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ہوں (ﷺ)۔'' [2]

جس زمانہ میں آپ ﷺ فتح مکہ کے لیے تیاریاں کر رہے تھے، اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے، کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو، حاطب بن ابی بلتعہ ایک صحابی تھے، انہوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی اطلاع کر دیں، چنانچہ ایک خط لکھ کر انہوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا، آپ کو اس کی خبر ہو گئی، حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اسی وقت بھیجے گئے، جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی، یہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان، مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس لیے ان کو معاف فرمایا، کہ وہ شرکائے بدر میں تھے، عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ [3] حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابو سفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا اور آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا، لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے، جب انصار کے ایک محلّہ میں پہنچا، تو بولا کہ میں مسلمان ہوں، ایک انصاری نے آ کر اطلاع دی، کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم انہیں پر چھوڑتے ہیں، ان میں سے ایک فرات بن حیان ہے۔'' [4] مؤرخین نے لکھا

---

[1] ابوداود کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ: ٤٧٧٥ یہی واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والضحك: ٦٠٨٨ اور مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المؤلفة ومن يخاف...: ٢٤٢٩ میں مروی ہے بتغیر یسیر۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ما جاء فی أسماء رسول اللہ ﷺ: ٣٥٣٣۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح: ٤٢٧٤۔ [4] ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الجاسوس الذمی: ٢٦٥٢۔ یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک میں ابو ہمام الدلال ہے اور یہی ابو داؤد کا طریق ہے۔ یہ طریق ضعیف ہے دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے، جو صحیح ہے امام احمد رحمہ اللہ نے بھی مسند ج ۴، ص: ۳۳۶ میں یہ روایت نقل کی ہے۔

ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی، جس کی آمدنی ۴۲۰۰ تھی۔ [1]

دشمنوں سے عفوو درگزر اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب، نادرالوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفوو درگزر ہے، لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے، تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے، جو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ ﷺ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں، لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا:

((**لا تثريب عليكم اليوم، اذهبوا فانتم الطلقاء**)) (سنن الكبرى بيهقى، ۹/ ۱۱۸)

''تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت ﷺ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، مکہ میں رہتا تھا، جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا، وہ بھاگ کر طائف آیا، طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا، وحشی کے لیے یہ بھی مامن نہ رہا، لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت ﷺ سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے، ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آنحضرت ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ ''میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔'' [2]

ہند ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کیے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت ﷺ پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کر لے، پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت ﷺ نے ہند کو پہچان لیا، لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، ہند اس کرشمہ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی ''یارسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا، لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔'' [3]

عکرمہ دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی، وہ یمن گئیں

---

[1] اصابہ ترجمہ فرات مذکور ج ۳، ص: ۲۰۱۔ [2] صحيح بخاری، كتاب المغازی، قتل حمزة: ۴۰۷۲۔

[3] صحيح بخاری، كتاب مناقب الانصار، ذكر هند: ۳۸۲۵، ۲۲۱۱۔

اور عکرمہ کو تسکین دی اور ان کو مسلمان کیا اور خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، ❶ اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

((مرحبا لراکب المهاجر)) ❷ ''اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔''

صفوان بن امیہ، قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، ان ہی نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت ﷺ کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں، عمیر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنے قبیلہ کے رئیس ہیں، وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے، مکرر عرض کی یا رسول اللہ! امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمایئے جس کو دیکھ کر ان کو میرا اعتبار آئے، آپ ﷺ نے عمامہ مبارک ان کو عنایت فرمایا، جس کو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا: مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے۔ عمیر نے جواب دیا صفوان! ابھی تمہیں محمد ﷺ کے حلم وعفو کا حال معلوم نہیں۔ یہ سن کر وہ عمیر کے ساتھ دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، فرمایا: ''سچ ہے۔'' صفوان نے کہا: تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو۔ ارشاد ہوا کہ ''دو نہیں تم کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔'' اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، یہ واقعہ بہ تفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے۔ ❸

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینب ؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینب ؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی، ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا اور اسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل میں داخل تھا چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے، کہ داعی ہدایت نے خود آستانہ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران میں چلا جانا چاہتا تھا، لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپ ﷺ کو جو خبریں پہنچی تھیں، وہ صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں، دفعتہً بابِ رحمت وا تھا اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔ ❹

❶ مؤطا امام مالك، كتاب النكاح، باب نكاح المشرك اذا اسلمت زوجته قبله: ١١٥٦۔
❷ ترمذی، ابواب الاستئذان، ما جاء فی مرحبا: ٢٧٣٥۔ ❸ ابن هشام، ج ٢، ص: ٢٧٦، ٢٧٧۔
❹ اصابه، ج ٦، ص: ٢٧٩، ٢٨٠ ذکر هبار بروایت ابن اسحاق وغیره۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گزشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہوگا۔" [1] کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا، اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا، جس میں مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا، ثمامہ بن اثال اس قبیلہ کے رؤسا میں تھا، اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کر کے مدینہ لے آئے، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو، اس نے کہا اے محمد (ﷺ)! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو، تو تم مانگو، میں دوں گا۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے روز بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو، ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں، کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی پسندیدہ ہے۔"

قریش کی ستم گری و جفا کاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے دردان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے، لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن اثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انہوں نے غصہ سے کہا کہ خدا کی قسم! اب رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا۔ اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا، آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف

[1] صحیح مسلم، فتح مکة: ٤٦٢٢ تا ٤٦٢٤؛ صحیح بخاری: ٤٢٨٠ ومع فتح الباری، ج٨، ص: ١١۔

رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا، حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا۔ ❶

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مؤرخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جبکہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مہمان رہے، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے، لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیت نبوی ﷺ بھوکا رہا۔ ❷ اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، شب کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری، پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت ﷺ نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔ ❸

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، اعانت خواہ، مدینہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کے ساتھ نیکی کرو۔“ ❹ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں، جہالت سے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتی تھیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کی، آپ نے بجائے غیظ و غضب کے، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ❺

آنحضرت ﷺ کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آ جاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے، ایک دفعہ بازار جا رہے تھے، ایک مشرک نے دیکھا، ان سے کہا: تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، انہوں نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے

---

❶ ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفة: ٤٣٧٢ میں ہے، آخری ٹکڑا ابن ہشام ج ٢ ص: ٣١٤ میں مذکور ہے۔ ❷ مسند احمد، ج ٦، ص: ٣٩٧۔ ❸ جامع ترمذی، ابواب الاطعمة، باب ما جاء ان المؤمن یاکل فی معی واحدة: ١٨١٩۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب صلة الوالد المشرك: ٥٩٧٨۔ ❺ اصابة، ج ٤، ص: ٢٠٦، ذکر ابو هريرة۔

ساتھ آیا اوران سے کہا: ''او حبشی! انہوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں ''لبیک'' کہا: بولا: کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں، تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ یہ عشاء پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے، کل وہ مشرک آ کر مجھ کو فضیحت کرے گا، اس لئے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں، پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا، تو واپس آ جاؤں گا، غرض رات کو جا کر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا، جوتی، ڈھال سر کے نیچے رکھ لی، صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے، یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''مبارک ہو، یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔'' انہوں نے بازار میں جا کر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد نبوی میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔ [1]

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے، جو ہجرت کا ساتواں سال ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے، نہ بلال رضی اللہ عنہ کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے۔ ہیں اتفاق سے غلہ آ جاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگزر کیا جاتا ہے، یہ حلم، یہ عفو، یہ تحمل رحمت عالم کے سوا اور کس سے ہو سکتا ہے؟ سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا، جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا آنحضرت ﷺ جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے، اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمانروا بنا دیا جائے، جنگ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی، یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے، قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے، بایں ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کے حالات اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے، لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں اس لیے آپ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے، یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا، لیکن فیاض دلی اور عفو و حلم کے اقتضا سے آپ ان سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا، انصاری نے کہا ''یا للانصار'' یعنی

[1] ابوداود، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین: ۳۰۵۵۔

انصار کی دہائی۔ مہاجر نے بھی مہاجر کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں۔'' دونوں رک گئے، عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا: مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا، ساتھیوں نے کہا: آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھالو، یہ خود تباہ ہو جائیں گے، چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے:

﴿ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾

(٦٣/ المنافقون:٧)

''یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو، تا کہ وہ منتشر ہو جائیں۔''

﴿ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ (٦٣/ المنافقون:٨)

''کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔''

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے صاف انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے بولے: یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ چرچا کریں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔'' [1]

جنگ اُحد میں عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت ﷺ نے درگزر فرمایا (اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا)۔ [2]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ

خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا (یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے، لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان میں انہیں کی تقلید فرماتے)۔ [3]

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انبیا پر فضیلت دی۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ یہ کھڑے سن رہے تھے، ان سے رہا نہ گیا، انہوں نے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت ﷺ کے عدل اور اخلاق پر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المنافقون: ٤٩٠٥، ٤٩٠٧۔

[2] بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں اور متعدد طریقوں سے منقول ہے: ۱۲۶۹، ۱۲۷۰۔

[3] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اتیان الیہود النبی ﷺ

دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ نے ان صحابی رضی اللہ عنہ پر برہمی ظاہر فرمائی۔ ❶

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی، اس نے کہا: آپ ﷺ جو فرماتے ہیں اس کو بجا لاؤ۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔ ❷ ایک دفعہ سر راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ ❸

ایک دفعہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے، السام علیکم (تم پر موت،) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غصہ میں آ کر ان کو بھی سخت جواب دیا، لیکن آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا: ''عائشہ بدزبان نہ بنو، نرمی کرو، اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے۔'' ❹

یہودیوں کے ساتھ دادوستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آ کر شکایت کی، محمد (ﷺ)! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔ نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کی مہمانداری کی، مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی، بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ ❺

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے، نکاح و معاشرت کی اجازت تھی اور ان کے لئے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ میں جاری فرمائے۔

غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت

مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی، لیکن آنحضرت ﷺ کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا، بلکہ غریبوں کے ساتھ آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی مکہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، کہ اتفاق سے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو آنکھوں سے معذور اور غریب

---

❶ بخاری، کتاب الخصومات: ۲٤۱۱، ٦٥۱۷۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی: ۱۳٥٦۔ ❸ ایضاً، باب من قام لجنازة یهودی: ۱۳۱۱، ۱۳۱۲۔

❹ صحیح مسلم، کتاب السلام باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب: ٥٦٥۸۔ ❺ زادالمعاد، ج ۲، ص: ۳٥۔

تھے، ادھر آ نکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ ﷺ سے باتیں کرنے لگے، رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور فخار تھے، ان کو یہ برابری ناگوار گزری، آپ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر انہیں سے باتیں کرتے رہے، کہ شاید یہ اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کرلیں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیات اتریں: ❶

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ ﴾ (۸۰/ عبس:۱ تا ۱۲)

''پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا۔ (اے پیغمبر! تجھے کیا خبر کہ تیری زبان سے وہ پاک ہو جاتا، یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے، اس کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے، اور تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے، تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔''

یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے، آنحضرت ﷺ ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو رؤسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھ کر استہزاءً کہتے تھے:

﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ ﴾ (٦/ الانعام:٥٣)

''یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔''

لیکن آپ ﷺ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کسی قدر تعلی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے، آپ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ''تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے، وہ انہیں غریبوں کی بدولت آتی ہے۔'' ❷ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں نے در جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب و مفلس لوگ ہی اس میں داخل ہیں۔'' ❸

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اسی اثنا میں آپ تشریف لے آئے اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔'' عبداللہ بن

❶ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة عبس: ۳۳۳۱۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء.....: ۲۸۹۶۔ ❸ بخاری، کتاب الرقاق: ٦٥٤٧ ومسلم: ٦٩٣٧۔

عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ سن کران کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی انہیں میں ہوتا۔ ❶

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گزرا، آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ ''اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ یہ امرا کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم! یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اسی راہ سے گزرے، آپ نے پھر اس سے استفسار فرمایا: ''اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟'' عرض کی: یا رسول اللہ! یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے، اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے۔ ارشاد ہوا: ''تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے ایک غریب بہتر ہے۔'' ❷

آنحضرت ﷺ اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے: ''خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا، اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا: ''اس لئے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔'' پھر فرمایا: ''اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھو، اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔'' ❸

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آکر خدمت اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! امرا ہم سے درجہ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں، نماز روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں لیکن صدقات وخیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ، اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ، اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے۔'' عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! بتایئے ارشاد ہوا: ''ہر نماز کے بعد ۳۳۔۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور الحمد للہ۔ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔'' کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا، اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا، فرمایا: (﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾) یعنی ''یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے۔'' ❹ مسلمانوں سے جو زکوۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ

---

❶ دارمی، کتاب الرقاق: ۲۸٤٤۔

❷ صحیح بخاری: ٦٤٤٧؛ ابن ماجہ: ٤١٢٠۔

❸ ترمذی، ابواب الزھد: ۲۳٥۲؛ بیهقی، کتاب الصدقات: ۷/ ۱۲۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلوٰۃ: ٨٤٣، ٦٣٢٩ ومسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ: ١٣٤٧۔

((تؤخذ من امرائهم وترد في فقرائهم))

''ہر قبیلہ کے باہر شہر کے امرا سے لے کر وہیں کے غربا میں تقسیم کر دی جائے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔ [1]

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر حضرت سلمان و بلال رضی اللہ عنہما کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے ڈانٹا، آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی، آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا تو اس کے بعد دفن کی جائے، اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپ آرام فرما رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی، اور رات ہی کو دفن کر دیا، صبح کو آپ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا، آپ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر دو بارہ اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی۔ [2]

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک پورا قبیلہ مسافر وار حاضر خدمت ہوا ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ بے حد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ اندر گئے باہر آئے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لئے آمادہ کیا۔) [3]

دشمنان جان سے عفو و درگزر

جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفہ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے، جس شب کو آپ نے ہجرت فرمائی ہے، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد (ﷺ) کا سر قلم کر دیا جائے، اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا اگرچہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی، لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک شخص کی گردن

---

[1] ابوداود، کتاب زکوۃ: ١٥٨٤؛ بخاری، کتاب الزکوۃ: ١٣٩٥؛ مسلم: ١٢١۔ لیکن یہاں اغنیاء ہم کے الفاظ ہیں۔ [2] یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں بھی ہے لیکن یہاں سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الجنازۃ، باللیل: ١٩٧١ سے لیا گیا ہے۔ [3] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ: ٢٣٥١، ٢٣٥٢۔

اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرت ﷺ کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت ﷺ کے سر کی قیمت مقرر کی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ جو محمد (ﷺ) کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپ ﷺ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان لکھ دیجیے، چنانچہ سند امان لکھ کر ان کو دی گئی [1] اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرفِ سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔ [2]

عمیر بن وہب آنحضرت ﷺ کا سخت دشمن تھا، مقتولین بدر کے انتقام کے لئے جب سارا قریش بیتاب تھا، تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ چپکے سے جا کر نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا، لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی، لیکن آپ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصلی راز ظاہر کر دیا، یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گیا، لیکن آپ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جا کر دعوتِ اسلام پھیلائی یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ [3]

ایک دفعہ آپ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ایک میدان آیا، دھوپ تیز تھی، لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا دیے، آنحضرت ﷺ نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا اور تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی کفار موقع کے منتظر رہتے تھے۔ لوگوں کو غافل دیکھ کر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بے خبری میں تلوار اتار لی، دفعتہً آپ بیدار ہوئے، تو دیکھا ایک شخص سرہانے کھڑا ہے، اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، آپ کو بیدار دیکھ کر بولا: کیوں محمد (ﷺ)! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ'' یہ پر اثر آواز سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی، اتنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم آ گئے، آپ نے ان سے واقعہ دہرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ [4]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ڈرو نہیں، اگر تم مجھ کو قتل کرنا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ: ۳۹۰۶۔

[2] سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال استیعاب، ج ۲، ص: ۵۹۷ و اصابہ، ج ۲، ص: ۱۹ وغیرہ میں دیکھو۔

[3] تاریخ طبری، ج ۳، ص: ۱۳۵۲ تا ۱۳۵۴ بروایت عروہ بن زبیر۔

[4] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب تفرق الناس عن الامام عند القائلة: ۲۹۱۳، ۴۱۳۵۔

چاہتے تھے تو نہیں کر سکتے تھے۔'' ❶

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا، اور چھپ کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے: ❷

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم ﴾ (٤٨/ الفتح: ٢٤)

''اُسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لئے۔''

خیبر میں ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کو کھانے میں زہر دیا، آپ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا، لیکن آپ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا، لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو آپ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت ﷺ کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا)۔ ❸

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں، وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں، اور جو ان کے تشنۂ خون ہوتے ہیں، وہ ان کو پیار کرتے ہیں، ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت ﷺ پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی سنگدلی درکار ہے، اسی زمانہ میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے۔ یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ ❹ ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا: ''میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' ❺

وہ قریش جنہوں نے تین برس تک آپ ﷺ کو محصور رکھا اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبوی کی استجابت نے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھا لیا اور مکہ میں اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو آپ نے بلا عذر فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔ ❻

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندان مبارک کو شہید کیا،

❶ مسند احمد، ج ۳، ص: ٤٧١۔ ❷ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة الفتح: ٣٢٦٤۔
❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته. ٤٤٢٣، ٥٧٧٧۔
❹ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی ﷺ: ٣٨٥٢۔ ❺ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهی عن لعن الدواب الخ: ٦٦١٣۔ ❻ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة دخان: ٤٨٢٤۔

جبینِ اقدس کو خون آلودہ کیا، لیکن ان حملوں کا وار آپ ﷺ نے جس سپر پر روکا، وہ صرف یہ دعا تھی:

((اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون)) ❶

''خدایا! ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔''

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا، ان کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہے کہ ''شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔'' ❷ دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے، جان نثاروں کی لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے ہیں: کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان کے حق میں بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بددعا فرمائیں گے لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: ''خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا۔'' ❸ وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے، وہ مدینہ کے صحن مسجد میں، زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آ کر خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر، جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے، تھے مسلمان ہوئے۔ ❹

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا، طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اس قبیلہ کے رئیس تھے۔ وہ قدیم الاسلام تھے مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کر کے گزارش کی کہ ان کے حق میں بددعا فرمائیے۔ لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا، لیکن رحمت عالم ﷺ نے جن الفاظ میں یہ دعا فرمائی وہ یہ تھے: ❺

((اللّٰهم اهد دوسًا وائت بهم)) ''خداوند! دوس کو ہدایت کر، اور ان کو لا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں مشرکہ تھیں، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، وہ ابا کرتی تھیں، اور ایک دن انہوں نے اسلام کی دعوت دی، تو ان کی ماں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے، اور اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا آپ ﷺ نے دعا کی: ''الٰہی ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔'' وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں، غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔ ❻

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد: ٣٢٣١ مع فتح الباری، ج٧، ص: ٢٨٦؛ شعب الایمان بیهقی، ٣/ ٤٨٤۔ ❷ زرقانی، ج١، ص: ٣٤٦ بروایت بخاری ومسلم۔

❸ ابن سعد غزوۃ طائف، جزء ثانی، قسم اول، ص: ١١٥۔ ❹ زاد المعاد، ج٢، ص: ٢٥۔

❺ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، من فضائل غفار واسلم: ٦٤٥٠۔

❻ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی هریرة: ٦٣٩٦۔

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا اور کوئی موقع اس نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور اعلانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا، کفارِ قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط وکتابت تھی، غزوۂ احد میں عین موقع پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہوگیا، واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا، لیکن باایں ہمہ اس کی فردِ جرم کو رحمت عالم کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا، وہ مرا تو آپ ﷺ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ! آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا اور یہ کہا، آپ ﷺ یہ سن کر متبسم ہوئے اور فرمایا: ''ہٹو اے عمر۔'' جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا: ''اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہوسکتی ہے، تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔'' [1]

بچوں پر شفقت

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے [2] (راستے میں بچے مل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے)۔ [3]

ایک دن خالد بن سعید رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی، اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن پر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ((سنه سنه)) حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہتے ہیں، چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے سنہ کہا، آنحضرت ﷺ کی پشت پر جو مہر نبوت تھی، ابھری ہوئی تھی، بچوں کی عادت ہوتی ہے، غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں، وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں، خالد نے ڈانٹا، آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھیلنے دو۔ [4]

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی، جن میں دونوں طرف آنچل تھے، آپ ﷺ نے حاضرین سے کہا: ''یہ چادر کس کو دوں۔'' لوگ چپ رہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام خالد کو لاؤ۔'' [5] وہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا: ''پہننا اور پرانی کرنا۔'' چادر میں جو بوٹے تھے آپ ان کو دکھا دکھا کے فرماتے تھے: ''ام خالد دیکھنا یہ سنہ ہے یہ سنہ ہے۔'' [6] اوپر گزر چکا ہے کہ ام خالد حبش میں پیدا ہوئی تھیں، اور کئی سال تک وہیں رہی تھیں اس لیے ان سے حبشی زبان میں خطاب کیا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من الصلوۃ علی المنافقین: ۱۳۶۶۔

[2] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: ۶۲۶۸۔ [3] ابوداود، کتاب الادب، باب فی السلام علی الصبیان: ۵۲۰۲، ۵۲۰۳۔ [3] بخاری، کتاب الادب، باب من ترك صبیة غیرہ ۔۔۔: ۵۹۹۳۔

[4] بخاری میں ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گود میں اٹھا کر لائے۔

[6] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الخمیصة السوداء: ۵۸۲۳، ۵۸۴۵ سنہ حبشی میں حسن کو کہتے ہیں۔ (ایک روایت میں سَنَاہ: ۵۸۲۳۔ ایک روایت میں تلفظ سَنَا: ۵۸۴۵۔ اور ایک روایت میں تلفظ سنہ: ۵۹۱۳ ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”ڈھیلے کیوں مارتے ہو۔“ میں نے کہا: کھجوریں کھانے کے لئے ارشاد فرمایا: ”کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو۔“ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ [1]

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپ ﷺ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی وہی اٹھا کر دے دی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں میں برابر تقسیم کر دیا، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد ہوا کہ ”جس کو خدا اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔“ [2] حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: ”میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا، دفعتاً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔“ [3]

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مارے گئے، آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے، ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! مشرکین کے بچے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار، بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔“ [4]

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمت اقدس میں پیش کرتا، تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے۔ [5] بچوں کو چومتے اور اُن کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اس نے کہا: تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔“ [6]

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے میں بھی ساتھ ہو لیا کہ

---

[1] ابوداود، کتاب الجهاد، باب من قال إنه يأكل مما سقط: ٢٦٢٢۔ [2] بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد، وتقبيله ومعانقته: ٥٩٩٥۔ [3] بخاری، کتاب الاذان، باب من اخف الصلاة عند بكاء الصبی ٧٠٩، ٧١٠۔ [4] مسند احمد، ج ٣، ص: ٤٣٥۔ [5] معجم صغير طبرانی، باب الميم معجم محمد، ص: ١٦٣۔ [6] صحيح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته: ٥٩٩٨ ومسلم کتاب الفضائل، باب رحمة الصبيان: ٦٠٢٧، ٦٠٢٨۔

ادھر سے چند لڑکے نکل آئے، آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔ [1] ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپ کا داخلہ ہو رہا تھا، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں، جب آپ کا ادھر گزر ہوا، فرمایا: ”اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو“ سب نے کہا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: ”میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔“ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کمسنی میں بیاہ کر آئی تھیں، محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں، آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپ کا لحاظ کر کے ادھر ادھر چھپ جاتیں، آپ تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے۔ [3]

غلاموں پر شفقت

آنحضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ”یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ۔“ [4] آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے، ان کو آپ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے ماں، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا، ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا، [5] زید کے بیٹے اسامہ سے آپ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا، خود اپنے دستِ مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔“ [6]

غلاموں کو لفظ ”غلام“ کا سن کر اپنی نظر میں اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، فرمایا: ”کوئی ”میرا غلام“ ”میری لونڈی“ نہ کہے ”میرا بچہ“ ”میری بچی“ کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔“ [7] آنحضرت ﷺ کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ ”غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا۔“ [8]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بہت قدیم الاسلام صحابی تھے، آنحضرت ﷺ ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت ﷺ سے جا کر شکایت کی، آپ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو زجر فرمایا کہ ”تم میں اب تک جہالت باقی ہے، یہ غلام تمہارے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب رائحۃ النبی ﷺ: ٦٠٥٢۔

[2] سیرت جلد اول ہجرت، ص: ١٨٩ (طبع جدید: ١٩٩٧ء) [وطبع ھذا ٢٠١٢ء، ج١، ص: ٢٠٢]۔

[3] ابوداود، کتاب الادب، باب اللعب بالبنات: ٤٩٣١۔ [4] الادب المفرد، باب لایکلف العبد من العمل: ١٩٢، ١٩٩۔ [5] فتح الباری، ج٧، ص: ٦٩۔ [6] طبقات ابن سعد، جزاوّل، قسم ثانی، ص: ٤٣۔

[7] الادب المفرد، باب لایقول عبدی: ٢٠٩، ٢١٠۔ [8] ابوداود، کتاب الادب، باب فی حق المملوك: ٥١٥٦۔

بھائی ہیں خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو، جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ، ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کردو۔'' [1]

ایک دفعہ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی ''ابومسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے، خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔'' ابومسعود رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تھے، عرض کی: یارسول اللہ! میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھو لیتی۔'' [2]

ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔'' [3] آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی، ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو آزاد کردو۔'' لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا اس وقت تک خدمت گزاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ، جب حاجت نہ رہے تو آزاد ہے۔'' [4]

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے، جن کے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے، انہوں نے آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر، ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہوگی اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دے گا۔'' یہ سن کر وہ بیقرار ہو گئے اور گریہ وزاری شروع کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا، ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ ﴾ '' (۲۱/ الانبیآء:۴۷) یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کردوں۔ آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔ [5] غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونوں میں علیحدگی کرنی چاہی غلام نے خدمت نبوی میں آ کر شکایت کی آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا کہ ''لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں نکاح وطلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔'' [6]

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاھلیۃ:۳۰، ۲۵۴۵ وابوداود، کتاب الادب، باب فی حق المملوک:۵۱۵۷، ۵۱۵۸۔ [2] ابوداود، کتاب الادب، باب حق المملوک:۵۱۵۹۔ [3] ایضا: ۵۱۶۴۔

[4] ایضا:۵۱۶۷۔ [5] مسند احمد، ج ۶، ص: ۲۸۰۔

[6] سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب طلاق العبد: ۲۰۸۱۔

اسی رحم وشفقت کا اثر تھا کہ کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آپ انہیں آزاد فرما دیتے تھے، ❶ مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے ❷ جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے، چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا اس لیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سب سے پہلے آپ انہیں کو عنایت فرماتے تھے۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ

دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہیں، اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت ومنزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لئے شارع اسلام کے واقعاتِ زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔ صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کے ایلاء (ازواجِ مطہرات سے چندروز علیحدگی) کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں ❸ آنحضرت ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد واحکام سے ان کے حقوق قائم کئے۔ آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا۔ ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں۔ یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ مستورات نے آ کر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں اس لیے ہمارے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی، اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ ❹

جن لوگوں نے آغازِ اسلام میں حبش کو ہجرت کی تھی ان میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے، تو وہ بھی آئیں۔ ایک دن وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نام بتایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی۔'' اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں وہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی اور اس لیے رسول اللہ ﷺ پر ہمارا زیادہ حق

❶ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین: ۲۷۰۰ ومسند احمد، ج ۱، ص: ۲۴۳۔

❷ ابوداود، کتاب الخراج والامارة، باب فی قسم الفيء: ۲۹۵۱، ۲۹۵۲۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر تفسیر سورة التحریم: ۴۹۱۳۔

❹ صحیح بخاری، کتاب العلم، هل یجعل للنساء یوما علی حدة: ۱۰۱۔

ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کو سخت غصہ آیا، بولیں: ہرگز نہیں تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ آ گئے۔ اسماء نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! عمر رضی اللہ عنہ نے یہ، یہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے کیا جواب دیا۔'' انہوں نے ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں ہے۔'' عمر اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں۔'' اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور آنحضرت ﷺ کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے زیادہ تر مسرت انگیز نہ تھی۔ ❶

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا۔ (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ ﷺ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ نوش فرماتے۔ آپ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔ ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی، آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔ ❸

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی ملیکہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ کھانا خود تیار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرما کر فرمایا: ''آؤ میں تم کو نماز پڑھاؤں۔'' گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا آنحضرت ﷺ نے امامت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔ ❹

حضرت ابوبکر کی صاحبزادی (اسماء رضی اللہ عنہا) جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علاتی بہن تھیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بیاہی تھیں، مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر: ۴۲۳۰، ۴۲۳۱۔ ❷ بخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء بالجہاد: ۲۷۸۸، ۲۷۸۹۔ ❸ بخاری، کتاب الاستئذان، باب من زار قوما فقال عندھم: ۶۲۸۱۔
❹ بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی الحصیر: ۳۸۰۔

جو زمین آنحضرت ﷺ نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں، ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آ رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا، آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا شرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔ [1]

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرت ﷺ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو سب اٹھ کر چل دیں آنحضرت ﷺ ہنس پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا آپ ﷺ کو خنداں رکھے کیوں ہنسے؟ فرمایا: ''مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔ سب نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سخت مزاج ہو۔ [2]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ان کو گانے دو یہ ان کی عید کا دن ہے۔'' [3] عورتیں عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں ان کی خاطر داری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں۔'' [4]

حیوانات پر رحم

حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے۔ ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے موقوف کرا دیے۔ اونٹ کے گلے میں قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا۔ [5] (زندہ جانور کے بدن

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ: ۵۲۲۴۔ [2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر ابن الخطاب: ۳۶۸۳۔ [3] مسلم، کتاب العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب: ۲۰۶۳۔

[4] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ماجاء فی قول الرجل ویلک: ۶۱۶۱۔

[5] صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب کراھۃ قلادۃ الوتر فی رقبۃ البعیر: ۵۵۴۹۔

سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا۔ [1] جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ ''دم ان کا مورچھل اور ایال ان کا لحاف ہے۔'' [2] جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ ''جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ۔'' [3] اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے اس سنگدلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی۔ [4]

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا، فرمایا کہ ''جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے۔'' [5] علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا ایسی حالت میں آپ ﷺ ان اعضاء کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے ریوڑ میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔ [6]

ایک بار آپ ﷺ کسی سفر میں جا رہے تھے لوگوں نے مقام پر منزل کیا، وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا، ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا، چڑیا بے قرار ہو کر پر مار رہی تھی، آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ ''اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی۔'' ان صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہیں رکھ دو۔'' [7]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے، آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے میں نے ان کو نکال لیا، پرندہ نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر پر منڈلانے لگی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ۔'' [8]

ایک بار راستہ میں ایک اونٹ نظر سے گزرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدتِ گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے، فرمایا کہ ''ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو۔'' [9] ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپ تشریف لے گئے، ایک گرسنہ اونٹ نظر آیا، آپ کو دیکھ کر بلبلایا، آپ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا، پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے۔ ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس جانور کے

---

[1] ترمذی، ابواب الصید، باب ماجاء ماقطع من الحی فهو میت: ۱٤٨٠۔ [2] ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی کراهیة جز نواصی الخیل وأذنابها: ۲٥٤٢۔ [3] أبوداود، کتاب الجهاد، باب فی الوقوف علی الدابة: ۲٥٦٧۔ [4] مسلم، کتاب الصید، باب النهی عن صبر البهائم: ٥٠٥٧ تا ٥٠٦٣۔ [5] مسلم، کتاب اللباس، باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه، ووسمه فیه: ٥٥٥٢۔ [6] مسلم، کتاب اللباس، باب جواز وسم الحیوان..... الخ: ٥٥٥٦۔ [7] الادب المفرد امام بخاری، باب اخذ البیض من الحمرة: ۳۸۲۔

[8] ابوداود، کتاب الجنائز، باب الأمراض المكفرة للذنوب: ۳٠٨٩۔

[9] ابوداود، کتاب الجهاد، باب مایؤمر به من القیام علی الدوآب: ۲٥٤٨۔

معاملہ میں تم خدا سے نہیں ڈرتے۔'' ❶

رحمت ومحبت عام

حضور انور ﷺ کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا کہ ''میں امن کا شہزادہ ہوں'' لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں لیکن امن کے شہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۲۱/ الانبیآء:۱۰۷)

''محمد ﷺ! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

تم آنحضرت ﷺ کے حلم وعفو، مسامحت ودرگزر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست دشمن، کافر مسلم، بوڑھے، بچے، عورت مرد، آقا وغلام، انسان وحیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔ ایک صاحب نے آپ ﷺ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہو کر فرمایا کہ ''میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں۔ ❷ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں'' آپ ﷺ نے دنیا کو پیغام دیا:

((لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا)) ❸

''ایک دوسرے پر بغض وحسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو! سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:

((احب للناس ماتحب لنفسك تكن مسلما)) ❹

''لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يؤمن احدكم حتى يحب للناس مايحب لنفسه وحتى يحب المرء لا يحبه الا لله عز وجل)) ❺

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے

---

❶ ایضًا:۲۵٤۹۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب النهی عن لعن الدواب وغیرها: ٦٦١٣؛ زرقانی، ج٤، ص: ۲۸۹۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الهجرة:٦٠٧٦۔

❹ جامع ترمذی، ابواب الزهد، باب من اتقی المحارم فهو أعبد الناس:۲۳۰۵ بسند غریب۔

❺ مسند أحمد بن حنبل، ج۳، ص:۲۷۲۔

لیے پیار نہ کرے۔“

ایک شخص نے مسجد نبوی میں آ کر دعا کی: خدایا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔“ [1] ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور بولا: خداوند! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ”بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟“ [2] یعنی آپ نے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا۔

رقیق القلبی

آنحضرت ﷺ نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ایک وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، ان کو بیس دن تک مجلس نبوی میں شرکت کا موقع ملا تھا، وہ فرماتے تھے:

كان رسول الله ﷺ رحيمًا رقيقًا۔ [3]

”آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔“

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے، مجبوراً آپ ﷺ تشریف لے گئے، حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔ بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے وہ دم توڑ رہا تھا بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا، فرمایا: ”خدا انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔“ [4] غزوۂ اُحد کے بعد جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور فرمایا: ”حمزہ (عم رسول اللہ ﷺ) کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔“ [5]

ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا، میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا، وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بے دردی کو سن کر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس قصہ کو پھر دہراؤ۔“ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہو گئے۔ [6]

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ٦٠١٠۔ [2] ابوداود كتاب الادب، باب من ليست له غيبة: ٤٨٨٥ شاید یہ دونوں واقعے ایک ہوں۔ [3] بخاری، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ٦٠٠٨۔
[4] صحيح بخاری، كتاب المرضى، باب عيادة الصبيان: ٥٦٥٥۔ [5] سیرۃ ج ١، ذکر احد بحوالہ مسند احمد، ج ٢، ص: ٨٤۔ [6] مسند دارمی، باب ماكان عليه الناس قبل مبعث النبی ﷺ: رقم الحديث: (٢)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں بہت جکڑ کر باندھ دیے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے تاہم نیند نہیں آتی تھی، آپ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے، لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ نے استراحت فرمایا۔ ❶

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے، ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ دیکھ کر لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا، والدین کی محبت دفعتہً عداوت میں بدل گئی۔ ایک دفعہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا۔ یہ پر اثر منظر دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے۔ ❷

عیادت و تعزیت و غم خواری

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن، مومن کافر کسی کی تخصیص نہ تھی۔ (سنن نسائی میں ہے كان النبی ﷺ احسن شیء عیادۃ للمریض۔ ❸ آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے۔ ❹

عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی، آواز دی وہ خبر نہ ہوئے۔ فرمایا: ''افسوس ابوالربیع! تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا۔'' یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں، لوگوں نے روکا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس وقت رونے دو، مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے۔'' عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا: مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔'' ❺

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔ ❻ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے، ان پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا۔ جابر رضی اللہ عنہ ہوش میں آ گئے، اور عرض کی: یارسول اللہ!

❶ طبقات ابن سعد، جزء ٤، قسم اول، ص:٧۔ ❷ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب حديث على فی ذكر مصعب بن عمير: ٢٤٧٦ ومسند ابويعلى: ١/ ٢٤١۔ ❸ سنن نسائی، كتاب الجنائز، باب عدد التكبير على الجنازة: ١٩٨٣۔ ❹ صحيح بخاری، كتاب المرضى، باب عيادة المشرك: ٥٦٥٧؛ ابو داود، كتاب الجنائز: ٣٠٩٥۔ ❺ ابوداود، كتاب الجنائز، باب فی فضل من مات فی الطاعون: ٣١١١۔
❻ ايضا، باب المشی فی العيادة: ٣٠٩٦۔

اپنا تر کہ کس کو دوں، اس پر یہ آیت اتری: ﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ﴾ ❶ (٤/ النسآء:١١)

ایک صاحب بیمار ہوئے آپ ﷺ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے جب انہوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ کو تکلیف ہوگی، خبر نہ کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔ ❷

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے غزوہ اُحد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی ان کے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں، حاضرین نے روکا انہوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا، لوگوں نے پھر روک دیا، آنحضرت ﷺ نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''رونے کی بات نہیں فرشتے ان کو اپنے پروں کے سایہ میں لے گئے۔'' ❸

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو تشریف لے گئے، ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے آپ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔ ❹

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، مر گیا تو لوگوں نے آپ کو خبر نہ کی، ایک دن آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا: وہ انتقال کر گیا ارشاد ہوا: ''تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔'' لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ ﷺ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔ ❺

جنازہ جاتا تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔'' ❻

اگرچہ آپ ﷺ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے) سے آپ کو نہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے۔ اسی حالت میں کسی نے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر آیت مذکور: ٤٥٧٧۔ ❷ بخاری، کتاب الجنائز، باب صفوف الصبیان مع الرجال فی الجنائز: ١٣٢١۔ ❸ بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت إذا أدرج فی أكفانه: ١٢٤٤۔ ❹ بخاری، کتاب الجنائز، باب البکاء عند المریض: ١٣٠٤۔

❺ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوۃ علی القبر: ١٣٣٧ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے راوی نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے۔ (ام محجن اس کا نام تھا)۔

❻ بخاری، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ: ١٣٠٧، ١٣٠٨۔

آ کر کہا کہ جعفر کی عورتیں رو رہی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جا کر منع کر دو۔'' وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ ﷺ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئیں، سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا: ''جا کر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔'' [1]

لطف طبع

کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو پکارا تو فرمایا: ''او دو کان والے۔'' [2] اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمیر رضی اللہ عنہ تھا وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مر گیا، ابوعمیر رضی اللہ عنہ کو بہت رنج ہوا آپ ﷺ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا: ((یا ابا عمیر ما فعل النغیر)) [3] یعنی ''ابوعمیر! تمہارے ممولے نے کیا کیا۔''

ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا کہ ''میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا۔'' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟'' [4]

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی۔'' اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اسے کہہ دو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔'' [5]

ایک بدوی صحابی تھے جن کا نام زاہر رضی اللہ عنہ تھا، وہ دہات کی چیزیں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ شہر میں آئے، گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ ادھر سے گزرے، زاہر رضی اللہ عنہ کے پیچھے جا کر ان کو گود میں دبا لیا، انہوں نے کہا: کون ہے چھوڑ دو، مڑ کر دیکھا تو سرور عالم ﷺ تھے، اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت ﷺ کے سینہ سے لپٹا دی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی اس غلام کو خریدتا ہے۔'' وہ بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔'' [6]

ایک شخص نے آ کر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا: ''شہد پلاؤ۔'' وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے، آپ ﷺ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا، چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا: ''خدا سچا ہے (قرآن مجید میں ہے کہ شہد میں شفا ہے) لیکن

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب من جلس عندالمصیبة یعرف فیه الحزن: ۱۲۹۹۔
[2] شمائل ترمذی: ۲۳۴۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الانبساط الی الناس: ۶۱۲۹۔
[4] شمائل ترمذی: ۲۳۷۔ [5] شمائل ترمذی: ۲۳۹۔ [6] شمائل ترمذی: ۲۳۸۔

تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاکر شہد پلاؤ۔'' اب کی بار پلایا تو شفا ہوگئی۔ (1) معدہ میں مادۂ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا تنقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی، معمول تھا جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے اس اثنا میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دونوں صاحبزادوں (حسنین رضی اللہ عنہما) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازہ پر پردے لٹکائے، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نہیں گئے وہ سمجھ گئیں، فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لیے، صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دیے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لادو۔ (2) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ (3)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبوی میں حاضر تھے کہ دفعتہً رسول اللہ ﷺ امامہ (آنحضرت ﷺ کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے، اسی طرح پوری نماز ادا کی۔ (4)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ ﷺ کرتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی میں پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے ان کے دیکھنے کیلئے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا، گھر میں جاتے بچہ کو انا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے پھر مدینہ کو واپس آتے۔ (5)

ایک دفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمت اقدس میں آئے، آپ ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منہ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا، ارشاد فرمایا کہ ''جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔'' (6) (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا) حسنین رضی اللہ عنہما سے بے انتہا محبت تھی فرماتے تھے: ''یہ میرے گلدستے ہیں۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے:

---

(1) بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل: ٥٦٨٤۔ (2) ابوداود، کتاب الترجل، باب فی الانتفاع بالعاج: ٤٢١٣۔ (3) ابوداود، کتاب الادب، باب فی القیام: ٥٢١٧۔ (4) نسائی، کتاب المساجد، باب ادخال الصبیان فی المساجد: ٧١٢ صحیح بخاری: ٥١٦ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ (5) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمۃ الصبیان والعیال: ٦٠٢٦۔ (6) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمۃ الصبیان: ٦٠٢٨؛ ابوداود، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد: ٥٢١٨۔

"میرے بچوں کو لانا" وہ صاحبزادوں کو لاتیں، آپ ﷺ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔ ❶

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسنین رضی اللہ عنہما سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے، کمسنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپ ﷺ ضبط نہ کر سکے منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا: "خدا نے سچ کہا ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾" فرمایا کرتے تھے: "حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں خدا، اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔" ❷

ایک دفعہ امام حسن یا حسین رضی اللہ عنہما دوش مبارک پر سوار تھے۔ کسی نے کہا: کیا سواری ہاتھ آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اور سوار بھی کیسا ہے۔" ❸

ایک دفعہ امام حسن یا حسین رضی اللہ عنہما (راوی کو بہ تعین یاد نہیں رہا) آپ ﷺ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اوپر چڑھ آؤ۔" انہوں نے آپ کے سینہ پر قدم رکھ دیے، آپ ﷺ نے منہ چوم کر فرمایا: "اے خدا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ۔" ❹

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسین رضی اللہ عنہ راہ میں کھیل رہے تھے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے، وہ ہنستے ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے، بالآخر آپ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا، پھر فرمایا: "حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔" ❺

اکثر امام حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے: "خدایا! میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔" آپ ﷺ کے داماد (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا، یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دو۔" سب نے بسر و چشم منظور کیا۔ ❻

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کمسن صاحبزادی کا نام امامہ تھا، ان سے آپ ﷺ کو بہت محبت تھی، آپ نماز پڑھتے ہوئے بھی ان کو ساتھ رکھتے، جب آپ نماز پڑھتے تو وہ دوش مبارک پر سوار ہو جاتیں، رکوع کے وقت

---

❶ ترمذی، ابواب المناقب: ۳۷۷۲۔ ❷ ابوداود، کتاب الصلوة، باب الإمام یقطع الخطبة للأمر یحدث: ۱۱۰۹؛ ترمذی: ۳۷۷٤۔ ❸ یہ تمام روایتیں ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب الحسنین: ۳۷۸٤ میں مذکور ہیں، اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظہ کہا ہے۔

❹ الادب المفرد، باب الانبساط الی الناس: ۲٤۹۔

❺ الادب المفرد، باب معانقة الصبی: ۳٦٤۔

❻ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فداء الاسیر بالمال: ۲٦۹۲۔

آپ ان کو کاندھے سے اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔ ❶ روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔

آپ ﷺ کی ایک نواسی حالت نزع میں تھیں، صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت میں آغوش مبارک میں رکھ دی گئی، آپ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔'' ❷

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات میں بھی آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا: ''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے۔'' ❸ لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل واولاد تک کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً بچوں سے آپ ﷺ کو انس تھا۔

---

❶ بخاري، كتاب الصلوة، باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه: ٥١٦۔

❷ بخاري، كتاب المرضى، باب عيادة الصبيان: ٥٦٥٥۔

❸ بخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ انابك لمحزونون: ١٣٠٣۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

سلسلۂ نسب یہ ہے، خدیجہ بنت خویلد بن اسعد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھیں، ان کے والد اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے، مکہ میں آ کر سکونت اختیار کی اور بنو عبدالدار کے حلیف بنے، [1] عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی، ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند تھا [2] اور دوسرے کا حارث۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عایذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں، ہند نے اوّل اسلام قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ کا مفصل حلیہ انہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔ [3]

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں، جس کے مفصل حالات گزر چکے۔ آنحضرت ﷺ سے چھ اولادیں ہوئیں اور دو صاحبزادے کہ دونوں بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ زہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔ ان سب کے حالات آگے آئیں گے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن ہالہ تھیں، وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس سال کی تھی اور آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے، نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں ان کی زندگی تک آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا، تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: کہ گو میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔'' [4]

---

[1] طبقات ابن سعد، ذکر خدیجۃ، کتاب النساء، ج۸، ص:۸۔ [2] ایضاً۔ [3] اصابہ ذکر ھند، ج۳، ص:۶۱۱۔ [4] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجۃ وفضلھا:۳۸۱۸؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل خدیجۃ: ۶۲۷۷، ۶۲۸۱۔

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذ ان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں اور آپ ﷺ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، ان کو نہایت رشک ہوا بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں دیں۔ [1] صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے لیکن استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے، تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔" [2]

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ وہ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی شادی پہلے سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا انہیں کے ساتھ اسلام لائیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں، سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا، جس کا نام عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تھا، انہوں نے جنگ جلولاء میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔" گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تھا آپ کے ایما سے وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا: انعم صباحا پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا ہاں محمد ﷺ شریف کفو ہیں لیکن سودہ رضی اللہ عنہا سے بھی تو دریافت کرو۔ غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا۔ [3] چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (رضی اللہ عنہ) (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے، آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت شعاری پر ہمیشہ افسوس آتا تھا۔ حضرت عائشہ اور سودہ رضی اللہ عنہما کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا اس لیے مؤرخین میں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی ﷺ خدیجة وفضلها: ۳۸۲۱؛ مسلم: ۶۲۸۲۔

[2] مسند احمد، ۶/ ۱۱۸؛ اسد الغابة، ج۷، ص:۸۶۔ [3] طبقات ابن سعد، ج۸، ص: ۳۶ میں ہے کہ رمضان ۱۰ھ میں ان کا نکاح ہوا، زرقانی نے ۸ھ بھی لکھا ہے، یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وفات کے سنہ میں اختلاف ہے۔

اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کو تقدم ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد نکاح میں آئیں۔

شکل وشباہت

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔ [1] آیتِ حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ناگوار ہوتا تھا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے، لیکن ابھی ان کی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلیں چونکہ ان کا قد نمایاں تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا سودہ! تم کو ہم نے پہچان لیا۔ اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔ [2]

اخلاق وعادات

آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات میں سخاوت وفیاضی ایک نمایاں وصف تھا اس بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں جس کو آپ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصفِ خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا۔ ازواج مطہرات کو آپ کے اخلاق وعادات وفیض صحبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لیے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس وصف میں بہ استثنائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بولا: درہم، بولیں: کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ [3]

اطاعت اور فرماں برداری بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے

---

[1] الاصابة، ج ٤، ص: ٤٣٨۔ [2] بخاری، کتاب الوضوء، باب خروج النسآء الی البراز: ١٤٦ آیت حجاب کے شان نزول میں سخت اختلاف ہے، ایک روایت تو یہی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے یہاں نیک وبد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ ان کو پردے کا حکم دیتے، (بخاری، کتاب التفسیر: ٤٧٩٠) ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شریک طعام تھیں، ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے چھو گیا، رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا، اس پر آیت حجاب اتری، عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دعوت ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی، (بخاری، کتاب التفسیر: ٤٧٩٣) چنانچہ صحاح میں یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن میں آخری سبب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہے کیونکہ خود آیت میں واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں (فتح الباری، ج ١، ص: ٢١٩) [3] الاصابة، ج ٤، ص: ٣٣٩۔

ممتاز تھیں۔

روایت حدیث

ان کے ذریعہ سے صرف پانچ (۵) حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

وفات

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی کے نزدیک انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ۵۴ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں بہ سند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال کیا۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لیے ان کا زمانہ خلافت ۲۲ھ ہوگا، خمیس میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا نام تھا اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں۔ ماں کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ ۱۰ نبوی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح ہوا، اس وقت شش سالہ تھیں آنحضرت ﷺ سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے نکاح کی تحریک کی، آپ ﷺ نے رضامندی ظاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مذکور کیا، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں آ گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا، بہر حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا، [3] چار سو درہم مہر قرار پایا [4] لیکن مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔ [5]

---

[1] زرقانی، ج۳، ص: ۲۶۲ میں بہ تفصیل مذکور ہے، طبقات ابن سعد، ج۸، ص: ۳۷ میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے۔

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات اور خصوصاً انکے علمی کمالات کے لئے الگ مستقل تصنیف درکار ہے، یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیئے گئے ہیں۔ [3] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ترویج الصغار: ۵۰۸۱؛ مسند امام احمد، ص: ۲۵۔ [4] طبقات ابن سعد، ج۸، ص: ۴۲۔

[5] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق: ۳۴۸۹۔

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام ۳ سال تک رہا۔ ۱۳ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، اہل وعیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے، جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہن کو لے آئیں، آنحضرت ﷺ نے بھی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابورافع رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ مدینہ آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے، ❶ صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کئے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی۔ چاشت کے وقت آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی۔ ❷ شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔ زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اس بنا پر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لئے مکروہ خیال کرتے تھے۔ اس خیال کے مٹانے کے لیے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔ ❸

وفات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی۔ نو سال کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئیں اور جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ برس کی تھی۔ ❹ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہیں، ۵۷ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ❺

آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی، اس محبت سے آپ نے مرض الموت میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بسر کیے، اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث وسیر میں نہایت کثرت سے واقعات

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ عائشۃ: ۳۸۹۴۔

❷ صحیح بخاری، باب تزویج النبی ﷺ عائشۃ وقدومہا المدینۃ وبنائہ بہا: ۳۸۹۴؛ مسلم: ۳۴۷۹۔

❸ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب التزویج فی شوال: ۳۴۸۳۔

❹ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب التزویج الأب البکر الصغیرۃ: ۳۴۸۰ تا ۳۴۸۲۔

❺ طبقات ابن سعد، ج۸، ص:۵۵۔

درج ہیں۔

علمی زندگی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر انہوں نے دقیق اعتراضات کیے ہیں جن کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، [1] ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔ بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آ جاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی حل کرتی تھیں، [2] ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، خطابت اور ادب وانساب میں ان کو کمال تھا۔ شعرا کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے۔ حاکم نے مستدرک (ج ۴، ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا) میں اور ابن سعد نے طبقات (ج ۸ ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا) میں یہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ ان کے فضل وکمال کے دلائل وشواہد ملتے ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ بعثت سے پانچ برس پہلے عین اس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں، ان کی شادی خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، خنیس رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں زخم کھائے اور واپس آ کر انہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ [3] خنیس رضی اللہ عنہ نے اپنی یادگار میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، [4] حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کی۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں غور کروں گا، حضرت

---

[1] یہ رسالہ بھی سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیر میں منسلک ہے۔ [2] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب من فضل عائشة: ۳۸۸۳۔ [3] زرقانی، ج ۲، ص: ۲۷۰ عام طور پر یہی مشہور ہے لیکن اصابہ میں ہے کہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، (ج ۱، ص: ۴۵۶) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شریک غزوہ بدر نہ ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیس رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے بعد وفات پائی، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مغموم بیٹھے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے اور پوچھا حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرتے ہو؟ اس کی عدت گزر گئی، اگر خنیس رضی اللہ عنہ نے احد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۴ھ ہوتا حالانکہ نکاح ۳ھ میں ہوا فتح الباری، ج ۹، ص: ۱۵۲۔ [4] طبری، ج ٤، ص: ۱۷۷۱۔

عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، انہوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہوگیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا، اگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح نہ کرلیا ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔ ❶ حضرت حفصہ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اس لیے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے، میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا، اتفاق سے میری بی بی نے مجھ کو مشورہ دیا، میں نے کہا: تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے، بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہے، میں اٹھا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا میں نے کہا: بیٹی! تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں، بولیں: ہاں ہم ایسا کرتے ہیں، میں نے کہا: خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس کے گھمنڈ میں نہ آجانا جس کے حسن نے رسول اللہ ﷺ کو فریفتہ کرلیا ہے۔'' ❷ (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا) ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا: مجھ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہے؟'' ❸

ایک بار حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزرا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہوسکتی ہو، میرے شوہر محمد ﷺ میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔'' ❹

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹی تھیں جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما

---

❶ بخاري، كتاب النكاح، باب عرض الانسان ابنته: ٥١٢٢۔

❷ صحيح بخاري، كتاب التفسير سورة التحريم: ٤٩١٣۔

❸ ترمذي، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبي ﷺ: ٣٨٩٤۔ ❹ ايضا: ٣٨٩٢۔

دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں، تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں: خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔ [1]

وفات

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ۴۵ھ میں، جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا، وفات پائی۔ وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کی تھی۔ کچھ جائداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا، یہاں سے قبر تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبداللہ، عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لڑکوں نے قبر میں اتارا۔ [2]

حضرت زینب اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا

زینب نام تھا، چونکہ فقرا و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں، اس لیے اُمّ المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جنگ احد ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب القرعة بین النسآء: ۵۲۱۱؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضائل عائشة: ۶۲۹۸۔ اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں اس قسم کی روایتیں صرف حفصہ و عائشہ رضی اللہ عنہما کے متعلق مذکور ہیں اس لئے اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے۔ [2] حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھی سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ انہوں نے جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سنہ ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بناپر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا، لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے، اس دوسری فتح کا فخر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور یہ فتح ۵۰ھ میں ہوئی، وہب بن مالک نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا

ہند نام، اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور ماں کا عاتکہ تھا، پہلے عبداللہ بن الاسد کے نکاح میں آئیں، جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور جو ان کے چچا زاد اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی میں پیدا ہوئے، حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔ ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہسوار تھے، مشہور غزوات بدر و اُحد میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی، ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت ﷺ نے ۹ تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو سہو تو نہیں ہوا، فرمایا: ''یہ ہزار تکبیر تک مستحق تھے۔'' ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے چند عذر پیش کیے:

① میں سخت غیور عورت ہوں۔ ② صاحبِ عیال ہوں۔ ③ میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔

وفات

اہل سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، لیکن ان کے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے۔ واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہے، ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۵۸ھ میں وفات پائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ میں جب امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت ان کا انتقال ہوا ہے، ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ [1]

اس اختلاف روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعیین مشکل ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں، مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہما ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا، یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا، [2] واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے

[1] زرقانی، ج۳، ص:۲۷۶۔ [2] مسلم، کتاب الفتن، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت: ۷۲۴۰۔

اس لئے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے، سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے باختلاف روایت ۵۱ھ ۵۲ھ یا ۵۵ھ میں انتقال کیا ہے اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں، واقدی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھایا اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خلاف وصیت کیونکر جنازہ پڑھا سکتے تھے، بہر حال ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔ [1]

فضل وکمال

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضل و کمال میں انہیں کا درجہ ہے، ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے، روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور تمام بیبیوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی میں تامل تھا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور یہ ان کی دانش مندی و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔ [2]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: كانت تساميني۔ [3] یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت ﷺ کی پھوپی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی ممتاز تھیں، آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے نہایت محبت تھی، زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ماعلمت الا خيرا۔ [4] ''مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق و اقرار حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، جب آنحضرت ﷺ نے ان کو عقد میں لانا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مہاجرین

---

[1] زرقانی، ج ۳، ص: ۲۷۶۔ [2] بخاری، كتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔

[3] بخاری، كتاب المغازی، باب حديث الافك: ٤١٤١۔

[4] بخاری، كتاب المغازی، باب حديث الافك: ٤١٤١۔

پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان سے درگزر کرو یہ اواہ ہیں۔'' (یعنی خاشع و متضرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو، برزہ نے کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے، انہوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاس درہم نکلے، جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا! اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

وفات

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا:

((اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا)) [1] ''تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔''

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انہوں نے کہا: وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا، (چنانچہ اسامہ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا) ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا، اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں، اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح میں ''کتابت'' کہتے ہیں، اسی اصول کے موافق حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مکاتبہ بن گئیں، ان کو شرط کے

[1] مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل زینب: ٦٣١٦۔

موافق ۹۔اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں مسلمان کلمہ گو عورت جویریہ، حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھ پر جو مصیبتیں آئیں وہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں، میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی اور نو اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا اور اب آپ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟'' انہوں نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔'' وہ راضی ہو گئیں، آپ نے ثابت بن قیس کو بلایا وہ بھی راضی ہو گئے، آپ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا۔ [1] آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''جویریہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیے گئے۔'' [2] بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے خود حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔ [3]

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

رملہ نام اور ام حبیبہ کنیت تھی، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں اور عبیداللہ بن جحش سے عقد ہو گیا، آنحضرت ﷺ معبوث ہوئے تو دونوں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہیں، حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں، حبشہ میں جا کر عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں، اختلافِ مذہب کی بنا پر عبیداللہ بن جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو

[1] ابو داود، کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ: ۳۹۳۱۔

[2] الاصابہ، ج۸، ص:٤٤؛ اسد الغابۃ، ج٥، ص:٤٢٠۔ [3] طبقات ابن سعد، ج۸، ص: ۸۵۔

نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا [1] اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ [2]

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا، لیکن نجاشی نے کہا: دعوت ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے ابھی بیٹھنا چاہیے، چنانچہ کھانا آیا لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیے لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیے گئے تھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے، دوسرے روز ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی، جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائیں، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے، تو نجاشی نے ان کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ [3] ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ھ میں وفات پائی [4] اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں، مسعود نے طلاق دے دی تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کر لیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ [5] نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ دوسری روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے اپنے غلام ابو رافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انہوں نے ایجاب وقبول کیا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کی تحریک کی اور انہوں نے نکاح پڑھایا۔ [6]

وفات

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی [7]

---

[1] سال نکاح میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ۷ھ میں نکاح ہوا لیکن بعض روایتوں میں ۶ھ بھی بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو اور ۷ھ میں نکاح پڑھایا گیا ہو، اس میں بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہاں ہوا اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ میں نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا۔ [2] صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے، بعض روایتوں میں نو سو دینار ہے، بعضوں کے نزدیک چار ہزار دینار ہے، ابو داود، کتاب النکاح، باب الصداق: ۲۱۰۸ میں دینار کی بجائے چار ہزار درہم ہے، زہری کی روایت میں چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے، اس لیے اگر چاندی ہو گی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہیں۔ [3] مسند امام احمد، ج ٦، ص: ٤٢٧۔ [4] بعضوں نے سال وفات ۴۲ھ لکھا ہے، ابن ابی خیثمہ کے نزدیک ان کا سال وفات ۵۹ھ ہے، بعض لوگوں نے ۵۰ھ اور بعضوں نے ۵۵ھ بیان کیا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دمشق میں مدفون ہوئیں۔ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۹۲۔ [5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا۔ بخاری، کتاب جزاء الصید، باب تزویج المحرم: ١٨٣٧۔

[6] زرقانی، ج ۳، ص: ۲۹۹۔ [7] بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء: ٤٢٥٨۔

کیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی بی بی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب آہستہ لے چلو۔ ❶ سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔ ❷

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

صفیہ رضی اللہ عنہا اصل نام نہ تھا، زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگ خیبر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں، اس لیے صفیہ رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور ہوگئیں، ورنہ اصلی نام زینب تھا۔ باپ کا نام حیی بن اخطب اور ماں کا نام ضرہ تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنوالنضیر کا سردار اور ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، ابن مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو دحیہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپ کے قابل ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ دحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں، وہ صفیہ کو لیکر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کرلیا۔ ❸ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا، اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کرلیا اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوگئیں۔ ❹

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ سوئے اتفاق سے بیمار ہوگیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو، انہوں نے کہا: کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے

---

❶ بخاري، كتاب النكاح، باب كثرة النساء: ٥٠٦٧۔ ❷ زرقاني، ج٣، ص: ٣٠٢۔

❸ بخاري، كتاب الصلوة، باب مايذكر في الفخذ: ٣٧١۔

❹ بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر: ٤٢١١۔

اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔ ❶ ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ عائشہ اور زینب رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟'' ❷

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ❸

❶ زرقانی، ج ۳، ص ۳۰۶، ۳۰۷۔ ❷ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل أزواج النبی ﷺ: ۳۸۹۴ اس روایت میں حضرت زینب کے بجائے حضرت حفصہ کا نام مذکور ہے۔ ''ض'' ❸ زرقانی، ج ۳، ص: ۳۱۰۔

اولاد

آنحضرت ﷺ کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ کے چھ اولادیں تھیں، قاسم رضی اللہ عنہ ابراہیم رضی اللہ عنہ، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہن ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں کا نام اور لیا ہے طاہر، طیب رضی اللہ عنہما ❶ اس بنا پر اولاد مذکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ اولادیں تھیں، جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، البتہ صاحبزادوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے، مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے، جن میں قاسم اور ابراہیم رضی اللہ عنہما پر تمام راویوں کا اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے اور بقیہ اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔ ❷

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہوں گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے، ❸ ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا۔ عام روایت یہ ہے کہ قبل بعثت وفات پائی، آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم انہیں کے انتساب سے ہے، آپ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جب آپ کا محبت سے نام لیتے ابوالقاسم ہی کہتے۔ ایک دن آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا اباالقاسم کہہ کر آواز دی، آپ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں، رفع اشتباہ کے لیے پھر آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے۔ ❹

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ زبیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئیں لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے

---

❶ کتاب الاستیعاب برحاشیہ اصابہ، ج ۱، ص ۳۸، "ک" ❷ زرقانی، ج ۳، ص ۲۳۱۔
❸ طبقات ابن سعد، جز اول، ق ۱، ص: ۸۵۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النهی عن التكنی بأبی القاسم: ۵۵۸۶؛ الادب المفرد، باب اسم النبی ﷺ وكنيته: ۸۴۵۔

جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع بن لقیط سے ہوئی۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہو گئے، جب یہ رہا کیے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے، ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا، کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزے سے زمین پر گرا دیا، وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا۔ لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا: تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیے، ابوسفیان نے کہا: محمد (ﷺ) کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضے سے نکال کر لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینب رضی اللہ عنہا کے روکنے کی ضرورت نہیں، جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چوری چھپے لے جانا۔ کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے بھیج دیا تھا، وہ بطنِ یاجج میں تھے، کنانہ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کیا، وہ ان کو لیکر روانہ ہو گئے۔ [1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ ابوالعاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے۔ [2] اس وقت بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی، مکہ جا کر انہوں نے لوگوں کی امانتیں حوالے کیں اور اسلام لائے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔ [3] ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے۔ [4] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہا نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد

[1] زرقانی، ج۳، ص: ۲۲۳۔ [2] اصابہ میں ہے کہ ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ھ میں روانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص میں قافلہ ملا، کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال واسباب لوٹ میں آیا، ان ہی میں ابوالعاص تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کردیا۔ (ج ٤، ص: ۳۱۲) [3] مستدرك حاكم، ۳/ ۲۳۷: ۵۰۳۸؛ دلائل النبوة، ج ٤، ص: ٨٤۔
[4] ترمذی، ابواب النكاح، باب فی الزوجین المشركين يسلم احدهما: ١١٤٢۔

تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاح جدید کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت کم زندہ رہیں۔ ۷ھ یا ۶ھ میں (باختلاف روایت) ابوالعاص اسلام لائے تھے اور اس لیے ۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انتقال کیا۔ ام ایمن، حضرت سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن نے غسل دیا اور آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی ابوالعاص اور آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا۔ ❶ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو اولاد چھوڑی۔ امامہ اور علی۔ علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی۔ ❷

امامہ سے آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی، آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ ان کو کاندھے پر رکھ کر نماز پڑھتے تھے، جب رکوع میں جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے، جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کرا لیتے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس کو اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔'' ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا لیکن آپ ﷺ نے امامہ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وصیت کی تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔ ❸

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

جرجانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھیں ❹ لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بعد قبل نبوت میں پیدا ہوئیں، پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔ ❺ آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوتِ اسلام کا اظہار کیا، ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی، آنحضرت ﷺ نے

❶ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۲۳۔ ❷ ایضاً، ص: ۲۳۵۔ ❸ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۳۵۔
❹ ایضاً، ص: ۲۳۶۔ ❺ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص: ۲۴۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ [1]

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں ہوا لیکن خود ایک روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں زمانۂ اسلام کی تصریح ہے، نکاح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں۔ مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا، ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے آنحضرت ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ ''ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے۔'' [2]

حبش میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں آ کر بیمار ہوئیں یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکے، عین اسی دن جس روز زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ آ کر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی۔ غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔ [3]

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

کنیت ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳ھ میں جو غزوۂ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تامل کیا۔ [4] لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دو، میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کر دیتا ہوں۔'' [5] بہر حال نکاح ہوا، اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۶ برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں شعبان ۹ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔ [6]

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

فاطمہ نام، زہرا لقب، سن ولادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ ۱ھ بعثت میں پیدا ہوئیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج۸، ص: ۲٤ [2] اسد الغابہ، ج٥، ص: ٤٢٧؛ الطبقات ابن سعد، ج۸، ص: ۲٤۔
[3] زرقانی، ج۳، ص: ۲۳٦، ۲۳۷۔ [4] بخاری، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابنته: ٥١٢٢۔
[5] مسند امام احمد، ج٤، ص: ۳۰۲؛ اسد الغابۃ، ج۷، ص: ٦۷؛ زرقانی، ج۳، ص: ۲۳۸۔
[6] ایضا، ص: ۲۳۹۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی پیدا ہوئیں بعض روایتوں میں ہے کہ تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔ [1] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر ان کا سال ولادت ۱ بعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئی تو ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر دیا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا، [2] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواہش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟'' بولے: ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑا تو لڑائی کے لئے ضروری ہے زرہ کو فروخت کر ڈالو'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم پر خریدی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی، آنحضرت ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں، عقد ہوا اور آنحضرت ﷺ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی [3] اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں، چنانچہ حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کا مکان ملا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس میں قیام کیا۔ [4] آنحضرت ﷺ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے، چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی، تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے لوگوں نے پوچھا آپ ﷺ گھر میں گئے تھے، تو اور حالت تھی اب آپ ﷺ اس قدر خوش کیوں ہیں، فرمایا: ''میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی ہے جو مجھ کو محبوب ہیں۔'' [5]

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹی تم کو خود سمجھنا

---

[1] زرقانی، ج۳، ص: ۲۴۱۔ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت ہے کہ ۸ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ سن کی یہ تعیین اسی روایت کی بنا پر ہے لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے، اس بنا پر نکاح کے وقت ان کا سن ۲۴ سال ۵ مہینہ کا تھا۔ [3] اصابہ، ج۸، ص ۱۵۹۔ [4] ایضاً، ص ۱۵۸۔ [5] ایضاً، ص: ۱۶۰۔

چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔ [1]

(ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپ ﷺ نے مسجد میں خطبہ دیا اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی فرمایا: ''میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی۔'' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ارادہ سے باز آ گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہ کیا)۔ [2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسن، حسین، محسن رضی اللہ عنہم ام کلثوم، زینب رضی اللہ عنہما۔ محسن رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینب، امام حسن، حسین اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کے ۶ ماہ بعد وفات پائی۔ [3] اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا، سن کی تعین میں سخت اختلاف ہے، بعض نے ۲۴ سال، بعض نے ۲۵ سال اور بعض نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، [4] اگر ۴۱ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا تھا، البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ بمقام عالیہ جہاں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں، پیدا ہوئے۔ اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابو رافع کی بی بی سلمیٰ نے جو آنحضرت ﷺ یا آپ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں، دایہ گری کی خدمت انجام دی۔ ابو رافع نے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا، آپ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا۔ دودھ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی، لیکن آپ نے ان کو ام بردہ خولہ بنت منذر بن زید الانصاری کے حوالے کیا اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] اصابہ، ج ٤، ص: ٣٧٩۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اصہار النبی ﷺ: ٣٧٢٩۔

[3] اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف تین دن زندہ رہیں، بعض نے چار مہینے بتایا ہے، بعضوں کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا، کسی نے ایک مہینہ کسی نے ۳ مہینے بعد اور بعضوں نے ۳ مہینے ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے۔ [4] زرقانی، ج ۳، ص: ٢٤٥۔

ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خدمت اُمّ سیف کے متعلق کی۔ (1) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اُمّ سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں، یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں۔ (2) اُمّ سیف حوالی مدینہ میں رہتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ فرط محبت سے وہاں جاتے، حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے اور چومتے، اُمّ سیف کے شوہر لوہار تھے، اس لیے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ باوجود نظافتِ طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیم نے اُمّ سیف ہی کے یہاں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی، گود میں اٹھالیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: یارسول اللہ! آپ کی یہ حالت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رحمت ہے۔'' (3)

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے، اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ عام طور پر مشہور ہوگیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔'' (4)

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ قبر میں فضل بن عباس اور اسامہ رضی اللہ عنہما نے اتارا۔ آنحضرت ﷺ قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔ (5) ابوداؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی۔ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے، اس روایت کی بنا پر ۹ھ میں انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ میں وفات کی، اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی، بعض لوگوں نے مدت حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے۔ (6)

---

(1) بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ ......: ۱۳۰۳۔ (2) زرقانی، ج۳، ص: ۲۵۱۔

(3) بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی انابك لمحزونون: ۱۳۰۳۔

(4) بخاری، کتاب الکسوف، باب الصلوۃ فی کسوف الشمس: ۱۰۴۳۔

(5) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج۱، ص: ۴۶۔ (6) زرقانی، ج۳، ص: ۲۵۳تا۲۵۴۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ معاشرت

ازواجِ مطہرات کی تعداد ۹ تک پہنچی تھی، ان میں عام اصولِ فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں، باہم رشک اور منافست بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے، ان کی خورد و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے ساتھ بھی آپ ﷺ کی جبین خلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقد نکاح میں آئیں تو آنحضرت ﷺ کا ریعان شباب اور ان کا بڑھاپا تھا تاہم آپ ﷺ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو آپ جوشِ محبت سے بے تاب ہوجاتے۔ (تفصیل اوپر گزر چکی ہے)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سب سے محبوب تر تھیں لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن صورت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان سے بڑھ کر تھیں اور کمسن بھی تھیں، دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج ان سے کم نہ تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قابلیت، ذہانت، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر، وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

ایک دفعہ چند ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جناب سیدہ رضی اللہ عنہا خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئیں اور عرض کی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مجھ کو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جانِ پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں۔'' جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے اتنا ہی کافی تھا واپس جاکر ازواج مطہرات سے کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا انتخاب کی گئیں کیونکہ ازواج میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا، اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب تقریر کرچکیں تو مرضی پاکر کھڑی ہوئیں اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہوکر رہ گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہ ہو ابوبکر کی

بیٹی ہے۔'' [1]

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے، مال، نسب، حسن، دینداری، سوتم دیندار عورت تلاش کرو۔'' [2] آنحضرت ﷺ کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا اس لیے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہوسکتی تھی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ وہ خلوت و جلوت کی شریک صحبت تھیں اس لیے مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکاتِ شریعت کی تہ تک پہنچنے کی بھی قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں، اس لیے قرب و صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف بالائے طاعت است اکثر مسئلوں میں ان کی فہم و دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے، چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں گزر چکی ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے۔ [3] یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ زرقانی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوتی تھی۔ [4] بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواجِ مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطف صحبت اٹھاتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے شرف صحبت نے جس طرح ان آئینوں کو جلا دی تھیں اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ جس میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین نے متہم کیا تھا اس سے بڑھ کر حریفوں کے لیے انتقام کا کیا موقع مل سکتا تھا لیکن باوجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے

---

[1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری، کتاب الهبة، باب من أهدى إلى صاحبه: ۲۵۸۱؛ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی فضل عائشة: ۶۲۹۰، اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے۔ الفاظ روایت سے بظاہر متبادر ہوتا ہے کہ دونوں فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسر شان کی تھی جیسا کہ عام طور پر سوکنیں باہم خانگی جھگڑوں میں کرتی ہیں لیکن یہ کم نظری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلیں بیان کی ہوں گی جس کا جواب سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہوسکتا ہوگا۔ [2] بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفا، فی الدین ۵۰۹۰؛ مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین: ۳۶۳۵۔

[3] ابوداود، کتاب النکاح، باب القسم بین النسآء: ۲۱۳۵۔ [4] زرقانی، ج ۳، ص: ۲۸۸۔

میں آلودہ ہو گئے تھے تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی حریف حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب واقعہ افک کا ذکر کرتیں تھیں تو ہمیشہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پاک باطنی کی شکر گزاری ظاہر کرتی تھیں، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔ ❶

آنحضرت ﷺ جس طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سفر میں تھیں۔ سار بان، اونٹ کو تیز ہانکنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں۔'' ❷

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا، آپ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرت ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔ ❸

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں، اتفاقاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ ﷺ سے چلا کر بولتی ہے، آنحضرت ﷺ بیچ میں آ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آڑے آ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''کیوں؟ کس طرح تم کو بچا لیا۔'' چند روز کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے: مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے۔ جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اور ہاں۔'' ❹

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔'' بولیں: کیونکر؟ ارشاد ہوا: ''جب تو خوش رہتی ہے (اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے) تو یوں قسم کھاتی ہے۔ محمد ﷺ کے خدا کی قسم! اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی قسم!'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔ ❺

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافك: ٤١٤١۔ ❷ بخاری، کتاب الادب، باب ما جاء فی قول الرجل ویلك: ٦١٦١۔ ❸ بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح، باب الغیرة: ٥٢٢٥ کے ذیل میں ہے لیکن ازواج کے نام نہیں نسائی میں نام کی تصریح ہے۔ لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے۔ نسائی: ٣٤٠٧؛ ابو داود: ٣٥٦٧، ٣٥٦٨۔

❹ ابو داود، کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح: ٤٩٩٩۔

❺ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضل عائشة: ٦٢٨٥۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے وقت بہت کمسن تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ ﷺ ان کو بلا کر حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ [1]

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں جس کو حراب کہتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ ہلاتے ہیں حبشی اس سے کھیلتے ہیں، ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آنحضرت ﷺ آگے کھڑے ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوش مبارک پر رخسارے رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں۔'' بولیں نہیں آپ ﷺ چپ ہو رہے یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔ [2]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گڑیوں سے کھیل رہی تھیں، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیا ہے۔'' بولیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر بھی تھے، آپ نے تبسم فرمایا۔ [3] عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں ان کی نماز قضا ہو گئی تھی پر کٹوا دیے، اس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان اب بھی باقی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں، جب سن زیادہ ہوا اور پُر اندام ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی، اب کے وہ پیچھے رہ گئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس دن کا جواب ہے۔'' [4]

ازواجِ مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی

انسان بذات خود فاقہ کشی کر سکتا ہے، سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، زخارف دنیوی کو کلیتہً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا یا مخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے۔ آپ ﷺ کے ۹ بیبیاں تھیں جن میں بعض ناز ونعمت میں پلی تھیں اور اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ان کا قدرتی میلان غذا ہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا تھا، متعدد صغیر السن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کر سکتی تھی۔

---

[1] ایضًا: ٦٢٨٧۔ [2] مسلم، کتاب صلاة العيدين، باب الرخصة فى اللعب الذى لا معصية فيه: ٢٠٦٤، ٢٠٦٥۔ [3] ابو داؤد كتاب الادب، باب اللعب بالبنات: ٤٩٣٢۔

[4] ابو داود، كتاب الجهاد، باب فى السبق على الرجل: ٢٥٧٨۔

آنحضرت ﷺ کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزہ، اولاد اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ سخت محبت تھی آپ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی لیکن بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی، اس بنا پر آپ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں، لیکن انھوں نے آپ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا، ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے [1] لیکن بایں ہمہ جب انھوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کیلئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراو یتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ [2]

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقہ اظہارِ محبت کے خلاف ان کو آرائش وزیب وزینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں، ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔'' چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ [3]

ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردہ لگایا اور امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ ﷺ حسب معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان

---

[1] ابو داود، کتاب الادب، باب فی التسبیح فی النوم: ٥٠٦٣۔

[2] ابوداود، کتاب اللباس، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ: ٤١٠٦۔

[3] نسائی، کتاب الزینۃ، باب الکراھیۃ للنسآء فی اظھار الحلی: ٥١٤٣۔

زخارف دنیا سے آلودہ ہوں، اس کے بدلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔'' ❶ ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا، چنانچہ ازواج مطہرات نے جب اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے ان سے ایلاء کرلیا۔ تمام ازواج میں آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن یہ محبت رنگین لباس اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی۔ تمام بیبیوں کا جو لباس تھا وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی تھا چنانچہ وہ خود فرماتی تھیں:

ما كانت لا حدانا الا ثوب واحد۔ ❷

''ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔''

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دنیوی آرائش کے سروسامان نظر آتے تو آنحضرت ﷺ ان کو منع فرماتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سونے کے کنگن پہنے (مسکہ) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ورس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو بہتر ہوتا۔'' ❸ (تمام اہل وعیال وخانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پر تکلف و ریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔'' ❹

انتظامِ خانگی

اگرچہ ازواج مطہرات کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے تاہم آپ ﷺ کو خود بہ نفسِ نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا، اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا، یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے جب تک وہ بھی کار خیر میں صرف نہ ہو جاتا لیکن ازواجِ مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے، رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق تھا۔ ابوداؤد میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا: آنحضرت ﷺ کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانۂ وفات تک میرے ہاتھ میں رہا تھا۔ معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو مجھ کو ارشاد ہوتا، میں جا کر کہیں سے

❶ ابوداود، كتاب الترجل، باب ماجاء في الانتفاع بالعاج:٤٢١٣۔
❷ بخاری، كتاب الحيض، باب هل تصلي المرأة في ثوب حاضت فيه:٣١٢۔
❸ نسائی، كتاب الزينة، باب كراهية للنسآء في اظهار الحلي:٥١٤٦۔
❹ نسائی، كتاب الزينة، باب كراهية للنسآء في اظهار الحلي: ٥١٣٩۔

قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا۔ [1]

اہل وعیال کے مصارف کا انتظام

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا، وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا۔ [2] خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج کے لیے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا تھا۔ وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں پیداوار کے بدلے زمین لے لی۔ [3]

تم المجلدُ الثانی من السیرة النّبویة علیٰ صاحبها الصّلوٰة والتحیّة۔

---

[1] ابوداود، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین:۳۰۵۵۔

[2] بخاری، کتاب فرض الخمس: ۳۰۹۴۔

[3] بخاری، کتاب الحرث والمزارعة، باب المزارعة بالشطر:۲۳۲۸۔





سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم